ابو عمار عمر فاروق السعیدی

اللہ نور السمٰوٰت والارض

تفسیر سورت کہف

www.KitaboSunnat.com

مؤلفہ

حضرت علامہ حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ

ناشر

النور اکیڈمی

مکتبہ ثنائیہ

جامع مسجد اھل حدیث
بلاک نمبر ۱۹ سرگودھا

تذکار

یہ سفر جلیل مجھے برادر فاضل جناب مولانا اشرف جاوید صاحب حفظہ اللہ
(از کھرڑیانوالہ - فیصل آباد)
کے ہاں سے حاصل ہوا اور اس سے فوٹو کروایا۔

جزاہ اللہ خیرا

3/1/2019

ملاحظہ علمیہ: مفسر محترم رحمہ اللہ اپنی تفسیر میں موقعہ بموقعہ تفسیر رحمانی کا حوالہ دیتے ہیں۔ اس بارے میں جناب مولانا حافظ عبدالعزیز صاحب علوی حفظہ اللہ شیخ الحدیث جامعہ سلفیہ سے دریافت کیا تو بتایا کہ یہ شیخ علی المہائمی کی تفسیر ہے مہائم بمبئی (ھندوستان) کے قریب ایک بستی کا نام ہے۔

ابو نعمان عمر فاروق السعیدی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

تفسیر سورۃ کہف از امام العصر مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی۔

یوں تو سارا قرآن کریم انسانیت کے لئے ذریعہ ہدایت اور باعثِ نجات ہے تاہم اس کی مختلف آیات اور سورتوں کی فضیلت اور اہمیت خصوصی نوعیت کی ہے۔

مثلاً سورۃ الفاتحہ اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ ہر نماز کی ہر رکعت میں اس کا پڑھنا ضروری ہے۔ یہ سورۃ اُلشافیہ، رقیہ بھی ہے کہ اس کے ساتھ دم کیا جاتا ہے۔

سورۃ اخلاص قرآن کا ایک تہائی ہے سورۃ یٰسین قرآن کا دل ہے سورۃ الرحمٰن قرآن کی دلہن ہے سورۃ الملک عذابِ قبر سے بچانے والی ہے سورۃ الواقعہ کی تلاوت فاقہ کشی سے محفوظ رکھتی ہے سورۃ العصر و کوثر اختصار و جامعیت کا عظیم شاہکار ہیں اسی طرح سورۃ کہف بھی کئی لحاظ سے فضیلت و اہمیت رکھتی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا جس شخص نے اس کی ابتدائی یا آخری دس آیات یاد کیں اللہ تعالیٰ اسے دجال کے فتنے سے محفوظ رکھتے ہیں۔ فتنہ دجال کیا ہے؟ انسان کا ظاہر بین ہو جانا اور حقیقت سے آگاہی حاصل کرنے سے محروم رہنا۔ وقتی مفاد پر دائمی فوائد کو قربان کر دینا، دنیوی کامیابی کو اخروی فوز و فلاح پر ترجیح دینا، حکومت دولت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا انکار کرنا، کسی کی ظاہری شان و شوکت، جاہ و جلال، مال و منال، سپاہ و فوج یا اسباب و وسائل سے اس قدر متاثر ہو جانا کہ اسے ممنٹر کل اور مسبب الاسباب مان لیا جائے۔

جہاں اس طرح کے موجودہ اور موعودہ فتنوں سے بچاؤ کے لئے سورۃ کہف کی تفسیر و تفاصیل کا مطالعہ ضروری ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ تفسیر و تشریح کا دارومدار روایت و درایت کے لحاظ سے صحیح احادیث و آثار پر ہو تاکہ قاری ان کی روشنی میں اپنے ایمان و عمل کا احتساب کر سکے۔

چنانچہ اسی سلسلہ میں ہم حضرت حافظ مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی کی معرکۃ الآراء نایاب سورۃ کہف اپنے محترم قا
کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں اردو میں تفاسیر تو کئی مل جائیں گی لیکن تفسیر کا اعتبار و انحصار اس بات پر ہ
چاہیئے کہ وہ سلف صالحین (صحابہ کرام و تابعین عظام) کے منہج و طریق کے مطابق ہو تاکہ عقائد و اعمال کے بارے میں
ایک مسلمان کی سوچ و فکر و ایمان و ایقان اللہ کے ہاں مقبول ہو بصورتِ دیگر اگر ایمان و عمل بے سند روایات
و بے سروپا کہانیوں اور واقعات کی وجہ سے بیتِ عنکبوت ثابت ہوا تو نجات کا معاملہ مشکوک اور کامیابی کا حصو
ناممکن ہو جائے گا۔

آئیے! حضرت علامہ محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کی سورۃ کہف کی تفسیر کا مطالعہ کریں تاکہ ہم دجالِ اکبر
کے فتنہ عظیم اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مگر ایمان کے لحاظ سے بڑے فتنوں سے آگاہی حاصل کریں اور اللہ
تعالیٰ ہمیں ان سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

والسلام

پروفیسر عبدالستار بھٹی
فاضل خرطوم یونیورسٹی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اما بعد: بلغوا عنی و لو آیۃ

عرضِ ناشر

آپ اس امر سے بخوبی آگاہ ہیں کہ تحصیل و ترویجِ علم کی فضیلت کیا ہے۔ کسی قوم کو وعظ و نصیحت کے لئے انبیاءِ کرام کے بعد دین کا اعلیٰ و ارفع ذریعۂ ابلاغ علماءِ کرام کی ذات و برکات ہوا کرتی تھی جیساکہ محسنِ انسانیت کا ارشاد ہے "العلماء ورثۃ الانبیاء" اسی طرح مذہبی و مسلکی حمیت رکھنے والے احباب زندگی کے لمحات میں اپنے ان علماءِ کرام کے دروس و تقاریر کے انمول موتیوں سے اپنی استعداد کے مطابق اپنے دامنِ ایمان کو بھرتے رہتے ہیں لیکن اگر ارشادِ باری تعالیٰ "کل نفس ذائقۃ الموت" کے مصداق یہی علماء، خطباء اپنے تبلیغی و تصنیفی مشن کی تکمیل کے بعد داعئ اجل کی پکار کو لبیک کہتے ہوئے مالکِ حقیقی کی سدا بہار جنتوں میں بسیرا کرلیں تو ان کے مواعظِ حسنہ سے مستفید و مستفیض ہونے کا واحد ذریعہ ان کی تصنیف کردہ کتب ہی ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے جہاں آپ کے علم و عرفان میں اضافہ ہوگا وہاں ان سعید روحوں کے درجات میں بھی رفعت و بلندی ہوگی۔ اس لئے مدتِ مدیدہ سے یہ جذبہ موجزن تھا کہ سلف صالحین رحمہم اللہ اجمعین کی وہ کتب جو امتدادِ زمانہ سے ناپید ہوگئی ہیں ان کو منصۂ شہود پہ لایا جائے۔ اس جذبہ کو عملی جامہ پہنانے میں استاذی المکرم حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ گوجروی مرحوم جنہیں مرحوم لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آتا ہے، کی تحریک و ترغیب نے مہمیز کا کام کیا۔ لہٰذہ زیرِ نظر کتاب "تفسیر سورہ کہف" مؤلفہ علامہ حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ مرحوم کی ہے جو حضرت مولانا عبداللطیف صاحب وہاڑوی کی وساطت سے دستیاب ہوئی جو اب ہدیۂ قارئین پیشِ خدمت ہے۔۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں اپنے احباب مولانا بشیر احمد صاحب نعمانی، محمود بن خالد گرجاکھی اور خصوصاً مولانا ابوبکر صاحب مکتبہ قدوسیہ کا شکریہ ادا نہ کروں۔ کیونکہ کتاب ہذا کی طباعت اور سرورق کی تزئین انہی کی مشاورت اور خصوصی توجہ کا ماحاصل ہے۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

آخر میں دعاگو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہماری اس حقیر سی سعی کو شرفِ قبولیت بخشے۔ ہمیں اسے پڑھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے نیز مؤلف مرحوم کے علاوہ دیگر جملہ مشیران و معاونین کے لئے توشۂ آخرت ثابت ہو۔ آمین ثم آمین۔۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت و الیہ انیب — العبد الآثم محمد اقبال کان اللہ لہٗ

یا عزیز　　　(جملہ حقوق محفوظ ہیں)　　　یا جبار

ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ

الحمد للہ والمنۃ کہ

تفسیر سورۃ کہف

از نتائج مطالعہ و افکار

ماہر اسرار شریعت واقف رموز طریقت جامع معقول و منقول مع فروع و اصول

حضرت علامۂ فہیم و شہیر جناب محمد ابراہیم میر سیالکوٹی دامت برکاتہم

در ماہ شعبان سنہ ۱۳۵۸ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۹ء

ثنائی برقی پریس امرتسر میں باہتمام ابو رضا عطاء اللہ پرنٹر طبع ہوئی اور مصنف نے

اپنے دفتر "الہادی" واقع شہر سیالکوٹ سے شائع کی۔

تعداد ایکہزار (۱۰۰۰)　　قیمت مجلد　　غیر مجلد

رجعنا فی الکھف بقراءۃ سورۃ الکھف

دیباچہ

تفسیر سورت کہف

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ ذی الجلال والاکرام والصلوۃ والسلام علی رسولہ محمد سید الانام

وعلی آلہ واصحابہ المحترزین عن عبادۃ الاصنام فکرا فضل برار السلام
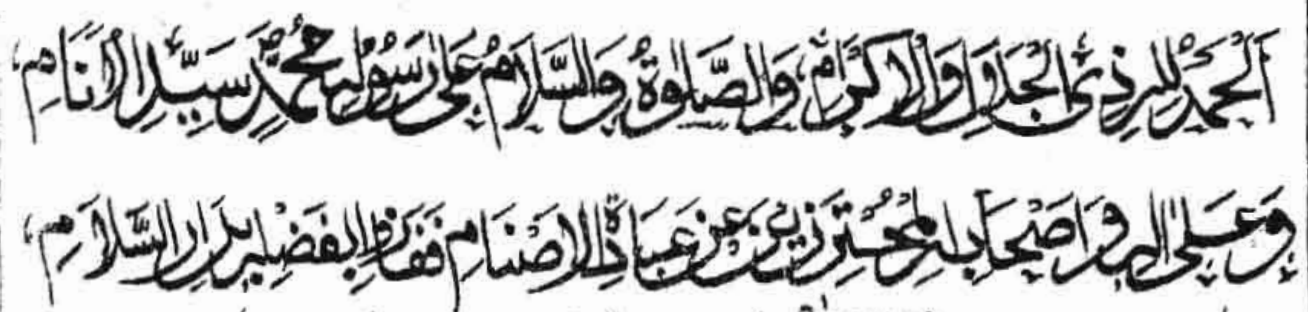
امابعد آج ۱۲ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ کا مبارک دن ہے۔ کہ مینے حسب معمول دوگانہ توبہ پڑھکر اور خداتعالے سے سابقہ گناہوں کی معافی اور آئندہ کیلئے اس تصنیف میں اسکی توفیق طلب کرکے سورت کہف کا ترجمہ اور تحشیہ شروع کیا ہے اول اسلئے کہ گذشتہ ایام میں خطبہ جمعہ[1] میں قوم کے سامنے اسکی نسبت جو وعدہ کیا تھا۔ وہ پورا ہوجائے۔ دیگر اسلئے کہ قرآن شریف کے ترجمہ وتحشیہ کا جو ارادہ تھا۔ اسکے متعلق سورت کہف کا یہ ترجمہ وتحشیہ لطور نمونہ کے قوم کے ہاتھ میں آجائے اور وہ اس کا مطالعہ کرکے اور حظ قلبی حاصل کرکے مجھ عاجز کی صحت وتوفیق خداوندی ملنے کے لئے دعا کریں۔ اللھم اغفر لمؤلفہ ولکاتبہ، آمین،
ملک میں یہ رواج عام ہورہا ہے۔ کہ قرآن مجید مترجم یا غیر مترجم کی کتابت وطباعت کا نمونہ ایک صفحہ پر اور دوسرے صفحہ پر

[1] مسودہ شروع تو کیا ۱۳۵۵ھ میں لیکن اسکی کاپی نویسی محرم ۱۳۵۶ھ میں شروع کیگئی اس درمیانی عرصہ میں اسقام امراض، دیگر تصانیف اور مختلف اشغال کی مصروفیت رہی۔ اور اب بھی یہ سب عوارض ساتھ ہیں لیکن الحمد للہ پھر بھی کچھ نہ کچھ کام ہوتا ہی رہتا ہے ۱۲ منہ عفی عنہ بمبئی رنگون وغیرہ بلاد میں مینے دیکھا کہ مساجد میں سورۃ کہف کے مطبوعہ نسخے رکھے ہوئے ہیں۔ جمعہ کے روز سویرے آنیوالے نمازی وہ نسخے لیکر سورت کہف کی تلاوت کیا

فہرست مضامین تفسیر سورت کہف

مضمون	صفحہ نمبر	نمبر آیت
دیباچہ	۲	۰
وجہ تالیف	حاشیہ	۵-۲
فضائل سورت کہف	۳	۰
شان نزول	〃	۰
اصحاب کہف کس نبی کے امتی تھے؟	۴	۰
اصحاب کہف کے نام	۶	۰
اسمائے اصحاب کہف کی برکات	〃	۰
فہرست کتب فروختنی	۸	۰
رکوع اول صفحہ ۹ سے صفحہ ۱۴ تک	۹	۰
تنزیل قرآن پر حمد کی وجہ	〃	۱
خدا تعالیٰ کو اوپر کی طرف ماننا تقاضائے فطرت ہے	〃	۲
اقسام عبودیت اور عبد کے معنے	۱۰	۳
قرآن نے انبیاء رسولوں اور فرشتوں کے لئے لفظ عبد کیوں منتخب کیا	〃	۴
لفظ قیم کی تشریح	۱۱	۶
لفظ ولد کی تشریح اور اتخاذ ولد کے معنے اور خدا تعالیٰ کا اس سے پاک ہونا	〃	۹
خدا تعالیٰ کے لئے نسبت فرزندی کیوں کذب ہے	۱۲	۱۰
لعل کا استعمال اور مفہوم	۱۲	۱۱
ابتلا کی نسبت خدا کی طرف	〃	۱۳
اصحاب کہف کے قصہ کا شروع اور الرقیم کے معنے اور اسکی مناسبت	۱۳	۱۶
ضرب علی الآذان کا مفہوم اور مولانا ابوالکلام	۱۳	۱۹
علم الٰہی کے دو پہلو	۱۴	۲۱
اصحاب کہف کو زندہ کرنے کی حکمت اور لنعلم کی توجیہ	〃	۲۲
لفظ احصیٰ اور مولانا ابو[illegible]	〃	〃
رکوع دوم از صفحہ ۱۴ تا صفحہ ۱۸	۱۴	۰
ربط علی القلب کے معنے	۱۵	۲۴
رب السمٰوٰت والارض کہنے میں نکتہ	〃	۲۷
لن ندعوا میں الف زائد لکھنے کی وجہ	۱۵	۲۸
خدا کے سوا کسی اور کو معبود بنانا افترا بھی ہے اور کذب بھی	۱۶	۳۲
اصحاب کہف کی غار کی تاریخ	۱۷	۳۳
ہدایت و ضلالت اور خدا تعالیٰ کی طرف انکی نسبت کی توجیہ	۱۷	۳۵
ختم طبع اور لعنت کا مفہوم	۱۸	بعض ۳۵
رکوع سوم از صفحہ ۱۸ تا صفحہ ۲۲	۱۸	۰
نقلبہم وغیرہ میں صیغۂ مضارع کی توجیہ	۱۸	۳۶
اصحاب کہف کی حفاظت کیلئے غیبی سامان	〃	۳۷
سوال صرف مدت اقامت معلوم کرنے کیلئے اتنا عجیب امر کیوں واقع کیا؟	۱۹	۳۸
طعام کی پاکیزگی ذاتی شرعی اور منفعتی اور نذر لغیر اللہ کا حکم	〃	۳۹
اہل کتاب و مشرکین کے برتاؤ اور آجکل کی [illegible] پارٹیاں	۱۹	۳۹
ولیتلطف پر نصف قرآن	۲۰	〃
رازداری کا سبق	〃	۴۰
کفر، شرک اور ارتداد سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں	〃	۴۲
واقعہ اصحاب کہف سے خدا کے وعدوں کی سچائی کا ثبوت	〃	۴۴
اصحاب کہف کی گنتی	〃	۴۷
خدا کی وحی کے بعد کسی دوسرے سے پوچھنے کی ممانعت	۲۲	۴۹
رکوع چہارم از صفحہ ۲۲ تا صفحہ ۲۷		
ان شاء اللہ کہنے کا حکم اور حضرات انبیاء سے صدور نسیان اور عصمت انبیاء	۲۲	۵۱
مقربین کی لغزش میں بھی حکمت ہوتی ہے	۲۳	۵۳
تین سو نو کو الگ الگ گننے کی توجیہ	〃	۵۴
اصحاب کہف کا قصہ ختم ہو گیا	۲۳	۵۵
لایعنی باتوں میں الجھنے کی ممانعت کے بعد قرآن کی تلاوت کے حکم کی حکمت اور خدائی وعدوں کی سچائی اور ہجرت مدینہ کے بعد فتوحات الٰہیہ کی بشارت	۲۴	۵۶
غربائے صحابہؓ اور کفار مکہ [illegible] آنحضرتؐ کو خدا یاد لوگوں کی صحبت کا حکم	〃	۵۷
حضورؐ کی محبت مساکین سے اصحاب صفہ اور انکا [illegible]	۲۵	۵۸
دل لطیفہ غیبی ہے لیکن اسپر لذائذ کی محبت سے پردہ آجاتا ہے۔	〃	۵۹
ف۔ غافل کرنیکو خدا نے اپنی طرف کیوں منسوب کیا	〃	ف 〃
ایمان و کفر میں اختیار کے معنے	۲۶	۶۱
دوزخیوں کا دردناک عذاب	〃	۶۴
مومنین صالحین کا اجر و ثواب	۲۷	۶۶
رکوع پنجم از صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۳۰	۲۷	
ایک تنگدست مومن اور مالدار صاحب اولاد کافر کا قصہ	۲۷	۶۷
انسانی پیدائش کے مختلف مدارج	۲۸	۷۰
لفظ لکنا کا رسم الخط اور اصل	۲۹	۷۱
لفظ بد کا تعویذ	۲۹	۷۲
شرک پر اظہار ندامت کیا تو عذاب کیوں نہ ملا؟	۳۰	۷۴
ایک تنہا صالح مومن جو تنگدست بھی ہو وہ اپنے انجام میں اس صاحب اولاد مالدار سے بہتر ہے جو صالح اور مومن نہ ہو	۳۰	۷۵
رکوع ششم از صفحہ ۳۰ تا صفحہ ۳۲	۳۰	۰
دنیوی زندگی کی مثال کی تشریح	۳۰	۷۵
الباقیات الصالحات	۳۱	۷۸

مضمون	صفحہ نمبر	آیت نمبر
قیامت کے دن پہاڑ اڑا دیے جائینگے	۳۱	۷۹
خدا تعالیٰ کے سامنے پیشی	۳۲	۸۰
اعمالنامے دیئے جائینگے	//	۸۱
رکوع ہفتم از صفحہ ۳۳ تا صفحہ ۳۷	۳۳	۰
قرآن کے وہ سات مواقع جہاں آدمؑ اور ابلیس کا قصہ مذکور ہے اور سورت کہف میں اسکی مناسبت	۳۳	۸۲
جن فرشتوں کو سجدہ کا حکم ہوا تھا انکی تعداد	۳۳	۸۵
لفظ ملائکہ کی لغوی تحقیق	//	//
فرشتوں کے وجود اور انکی پیدائش نور سے	۳۴	//
سجدہ کی تحقیق اور اسلام میں خدا کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنیکا عدم جواز	۳۴	//
حضرت آدمؑ اور حضرت یوسفؑ کے سجدے کے متعلق حافظ ابن کثیر اور امام رازیؒ کی تحقیق	۳۴/۳۵	۸۵
تنبیہ حضرت معاذؓ کا حضورؐ سے سجدہ تعظیمی کی اجازت طلب کرنا اور آپکا اس سے انکار فرمانا	۳۵	۸۵
شیطان کی پیدائش کے متعلق مختلف اقوال	۳۶	۸۶
بنی آدم سے شیطان اور اسکی ذریت کی دشمنی	۳۶	۸۸
خدا کی خدائی میں کسی کو کچھ بھی تعلق نہیں	۳۷	۹۲

مضمون	صفحہ نمبر	آیت نمبر
رکوع ہشتم از صفحہ ۳۷ تا صفحہ ۴۶	۳۷	۰
تصریف آیات سے کیا مراد ہے	۳۷	۹۳
جدال کے لغوی معنی اور اسکی قسمیں	۳۸	۹۴
لفظ سنۃ اللہ سے مراد اور اسکے مختلف استعمال	۳۹	۹۶
رسولوں کے بھیجنے میں حکمت	۴۰	۹۷
نکتہ عجیبہ مرزا قادیانی کو نبی بنانے کیلئے قادیانیوں کا غلط استنباط	//	//
تین قسم کے لوگ سب سے بڑھکر ظالم ہیں اور اسکی وجہ	۴۱	۹۸
اس سوال کا جواب کہ سب سے بڑا ظالم ایک ہونا چاہیے	۴۲	۹۸
صحابہ رضی اللہ عنہم کی تعلیم تقویٰ کی ایک مثال	۴۳	۹۸
اعمال و افعال کو ہاتھوں کی کمائی کہنے کی توجیہ	۴۳	۹۹
لفظ کِنّ کی لغوی تحقیق	۴۴	۱۰۰
لفظ وقر کی لغوی تحقیق	۴۴	۱۰۱
اس امر کی توجیہ کہ خدا نے ختم، اضلال، اغوا، طبع، جعل غشاوہ، جعل اکنہ اور جعل وقر وغیرہ امور کی نسبت اپنی طرف کیوں کی؟		۸۵
کافر و نافرمان کے عذاب میں تاخیر کی وجہ	۴۵	۱۰۳
رکوع نہم از صفحہ ۴۶ تا صفحہ ۵۶ قصہ حضرت موسیٰ و خضرؑ		۸۶
یہ قصہ یہاں کیوں ذکر کیا	۴۷	۱۰۴
تفصیل قصہ	//	۸۸
لفظ فتی کی تحقیق	۴۸	۱۰۵
اس خادم کا کیا نام تھا	//	۹۲
مجمع البحرین	۴۹	۱۰۶

مضمون	صفحہ نمبر	آیت نمبر
مچھلی کا ذکر بھول جانا حضرت موسیٰؑ اور یوشعؑ ہر دو کی طرف کیوں منسوب کیا	۴۹	۱۱۰
وہ مچھلی کس طرح زندہ ہوگئی اور زندگی کی حقیقت	۵۰	۱۱۱
مچھلی کا ذکر بھول جانے میں حکمت	۵۱	۱۱۳
حضرت خضرؑ کو خدا نے اپنا عبد کہا اسی طرح دیگر انبیاء و صالحین کو بھی	۵۲	۱۱۶
علم لدنی کی تعریف اور اسکا ثبوت	۵۲	۱۱۶
خُبر بالعلم اور خبر بالتحقیق میں فرق	۵۳	۱۱۸
اس سوال کا جواب کہ حضرت خضرؑ کو کس طرح معلوم ہوگیا کہ حضرت موسیٰؑ کو اسرار تکوین کا علم نہیں ہے	//	//
حضرت موسیٰؑ و خضرؑ کے علم میں تقابل	۵۴	۱۱۸
شریعت و طریقت میں عدم مطابقت کے مغالطہ اور غلط فہمی کا ازالہ	۵۴	۱۱۸
احکام شریعت اور احکام تکوین کا مقابلہ	۵۵	//
رجوع بمقصد	۵۶	//
عرب کے دو درخت مرخ اور عفار جنکی سبز ٹہنیوں سے آگ نکل پڑتی ہے	//	حاشیہ ۱
لا احصی کا عطف سابق پر	۵۷/۵۹	۱۱۹/۱۲۲
موسیٰؑ نے صابر رہنے کو تاکیداً کیوں کہا	۵۷	۱۲۰
زمانہ طالب علمی میں حوصلہ و صبر ضروری ہے	۵۷	۱۲۰

مضمون	صفحہ نمبر	آیت نمبر
موسیٰؑ کے انشاء اللہ کہنے کی وجہ	۵۸	[illegible]
لفظ امرًا اگرچہ نکرہ ہے لیکن معنًا موافقت شرع سے مقید ہے	۵۹	[illegible]
ایک مسلمان کے تمام معاملات کا قانون شرعی کے موافق ہونا ضروری ہے۔	//	[illegible]
آداب المرید والتلمیذ	۶۰	[illegible]
علم ظاہر الفاظ سے اور علم باطن قلبی شعاعوں سے سکھایا جاتا ہے	۶۱	[illegible]
مشائخ طریقت کی تصریحات دربارۂ آداب مریدین	۶۲	[illegible]
جماعت اہلحدیث و دیگراں	۶۴	[illegible]
جماعت اہلحدیث رسول اللہؐ کے اقوال و افعال کی پیرو ہے	۶۵	[illegible]
سوال کرنے میں استاد و مرشد پر پیشدستی نہ کرنی چاہیے	۶۵	۱۱۵
رکوع دہم از صفحہ ۶۶ تا صفحہ ۷۷	۶۶	
موسیٰؑ اور خضرؑ کی ملاقات کے بعد یوشعؑ کا ذکر کیوں نہیں کیا؟	۶۶	۱۲۶
کشتی والوں نے ان سب کو کسطرح پہچان لیا؟	۶۶	۱۲۷
صالحین کے مقاصد الہٰی مصلحت ہی سے پورے ہو جاتے ہیں	۶۷	
خضرؑ نے کشتی کو کسطرح توڑا؟	۶۷	۱۲۸
کشتی کے ٹوٹنے کو سوائے موسیٰؑ کے کسی نے نہ دیکھا	۶۸	۱۳۰
موسیٰؑ کا خضرؑ پر اعتراض اول	۶۸	۱۳۱
حضرت موسیٰؑ کا نسیان کو اپنی طرف نسبت کرنا اور اسکی حقیقت	۶۹	۱۳۳
موسیٰؑ کے جذبات مصلحۃً تیز پیدا کیے گئے تھے۔	//	۱۳۴

مضمون	صفحہ نمبر	نوٹ نمبر
آنحضرتؐ باوجود انتہائی حلیم ہونے کے خلاف شرع بات برداشت نہ کر سکتے تھے	۷۰	۰
[illegible] کی نہایت لطیف نحوی ترکیب	۷۱	۱۳۵
پہلی دفعہ شیئاً امراً اور دوسری دفعہ شیئاً نکراً کہنے کی حکمت	۷۱	۱۳۷
پہلی دفعہ صرف أقل اور دوسری دفعہ أقل لك کہنے کی وجہ	۷۱	۱۳۸
اس سوال کا جواب کہ خضرؑ اور موسیٰؑ کی شان سے کھانے کا سوال کرنا بعید معلوم ہوتا ہے	۷۲	۱۴۱
لفظ اہل کو نکرہ کیوں ذکر کیا	۷۲	۱۴۲
ارادہ کو دیوار کی طرف منسوب کرنے کی توجیہ	۷۳	۱۴۳
خضرؑ نے دیوار کو کس طرح سیدھا کیا؟	″	۱۴۴
لفظ تخذت کا رسم الخط	″	۱۴۵
خضرؑ نے موسیٰؑ کو اپنے ساتھ کیوں لیا؟ اس کے متعلق چند سوال اور ان کے جواب	۷۴	۱۴۶
اس امر کا بیان کہ جس قسم کے کام خضرؑ سے ہوئے ایسے ہی واقعات موسیٰؑ سے بھی ظاہر ہو چکے تھے اور کشتی کے توڑنے کی حقیقت	۷۴/۷۵	بقیہ ۱۴۶
بعض الفاظ کی نحوی اور لغوی تحقیق	۷۵	۱۴۷

مضمون	صفحہ نمبر	نوٹ نمبر
امام شافعیؒ فقیر اور مسکین میں کیا فرق کرتے ہیں؟	۷۵	۱۴۸
دوسرا واقعہ۔ لڑکے کا قتل اور اس کی حقیقت اور موسیٰؑ کے ہاتھ سے بھی ایک قبطی مر گیا تھا ان ہر دو واقعات کی باہمی مطابقت	۷۵/۷۶	۱۴۸
لفظ رُحماً کے اشتقاق کی تشریح	۷۶	۱۴۹
خیراً منہ زکوٰۃ سے مراد	۷۶	۱۵۰
تیسرا واقعہ دیوار کا قائم کرنا اور اس کی حقیقت	۷۷	تفسیر قرآن
خدا کو صلاحیت بہت پسند ہے	″	۱۵۳
تسطع کی اصلیت	۷۷	۱۵۶
متفرق فوائد:—		
فائدہ نمبر ۱۔ شیخ ابن عربیؒ اور خضرؑ کی ملاقات	۷۸	۰
فائدہ نمبر ۲ انبیاء کے واقعات خاص امر کو [illegible] واقعے کے مشابہ ہیں	″	
فائدہ نمبر ۳ صحیح بخاری کی حدیث میں دیگر چند فوائد		
فائدہ نمبر ۴ خضرؑ کی نبوت و ولایت	۸۰	۰
فائدہ نمبر ۵ خضرؑ کی موت و حیات	۸۰	

رکوع یازدہم
از صفحہ ۸۲ تا صفحہ ۱۰۳

مضمون	صفحہ نمبر	نوٹ نمبر
قصہ ذوالقرنین اور شان نزول	۸۲	۱۵۷
ذوالقرنین کون تھا؟	″	۱۵۹
حضرت استاذ حضرت مولانا غلام حسن صاحب رحمہ سیالکوٹی کا سن وفات	حاشیہ ۸۴	سطر ۱
مولانا ابوالکلام صاحب اور تفسیر القرآن میں ثبت کی تصویر	۸۳	۱۵۹ بقیہ
ذوالقرنین کی وجہ تسمیہ	۸۳/۹۲	″/۱۵۹
ذوالقرنین نبی تھے یا نہیں	۸۴	۱۶۰
مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا کی توضیح	۸۴	۱۶۲
کرویت زمین کی تحقیق	۸۵	۱۶۴
جب زمین گول ہے تو ذوالقرنین آفتاب کے غروب ہونے کی جگہ پر کیسے پہونچا؟	۸۶	۱۶۴ بقیہ
وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ کے صحیح معنی	۸۷	″
مولوی محمد علی صاحب لاہوری احمدی نے اپنی ہر دو تفسیروں میں مقاصد قرآن کو بالکل نظر انداز کر دیا ہے۔	۸۷	۰
ذوالقرنین کو نبی ماننے والوں کی دلیل	۸۸	۱۶۶
ذوالقرنین کو سزا اور حسن سلوک میں سے کسی کو اختیار کرنے کی اجازت دینے کا مطلب	۸۸	۱۶۷
لفظ ظلم کے مفہوم کی تشریح	۸۹	۱۶۸
شرک کو ظلم کہنے کی وجہ	۸۹	۱۶۸ بقیہ
حضرت ام سلمہؓ کا قول کہ [illegible] اور [illegible] راست سے نہیں	″	″
شریعت میں جزا سزا کا قانون	۸۹/۹۰	″
آنحضرتؐ کی عدالت	۹۰	۰
آنحضرتؐ کا وصف عدالت کتب سابقہ میں بطور پیشگوئی مذکور ہے	۹۰	سطر ۱
ذوالقرنین کا تیسرا سفر جو شمال کی جانب سے تھا یاجوج ماجوج کی	۹۱/۹۲	۱۷۴/۱۷۶
لفظ سَدّ کی لغوی تشریح	۹۲	۱۷۷
لَا يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ قَوْلًا کے معنے کی وضاحت	″	۱۷۸

مضمون	صفحہ نمبر	نوٹ نمبر
یاجوج و ماجوج کی نحوی تحقیق	۹۲	۱۸۰
ان کی نسب و پیدائش	۹۳	۱۸۱
یاجوج ماجوج کونسی قومیں ہیں؟	″	بقیہ ″
رفاہ عام کیلئے محصول اور ٹیکس لینے کا جواز	۹۴	۱۸۱
میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ	″	بقیہ ″
حضرت مسیحؑ اور امام شافعیؒ اور محصول چونگی	۹۵	″
دیوار ذوالقرنین گو بہت پختہ ہے لیکن قیامت کے قریب ٹوٹ جائیگی	۹۶	۱۸۲
تعمیر سد کی کیفیت اور آیت (آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ) کا لغوی اور نحوی حل	۹۵	۱۸۱
تعمیر سد کو خدا کی طرف منسوب کرنے کی توجیہ	۹۶	۱۸۳
آنحضرتؐ کا حلیہ بائبل میں	۹۶	حاشیہ سطر ۱
قرب قیامت کے وقت یاجوج ماجوج کا خروج اور حضرت عیسیٰؑ کا آسمان سے نزول	۹۶/۹۷	۱۸۴/۱۸۵
کفر و بدکاری کا عام طور پر پھیل جانا اور دنیا کا فنا	۹۷	۱۸۵
قیامت شرار الناس پر قائم ہوگی	۹۸	″
لات و عزیٰ بتوں کی عبادت	″	″
مولانا ابوالکلام اور خروج یاجوج و ماجوج	۹۸	حاشیہ سطر ۱
مرزا صاحب احمدیہ حکیم نورالدین صاحب		
قادیانی کی غلط فہمی یا مغالطہ کہ یاجوج ماجوج کے خروج سے مراد انگریزوں اور روسیوں کی ترقی ہے۔	۹۹	[illegible] بقیہ ۱۸۵
نفخ صور کی کیفیت اور اس کی دفعات	۱۰۰	۱۸۶

مضمون	صفحہ نمبر	نوٹ نمبر
حصولِ علم میں قوتِ سمع وبصر کی اہمیت	۱۰۲	۸۷
منکرینِ ہدایت کو اندھا اور بہرہ کہنے کی توجیہ	״	بضمن تنبیہ
لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ کی توجیہ اور عدمِ استطاعت کی تین صورتیں	۱۰۲	سوال جواب
مولانا ثناء اللہ صاحب پر قاتلانہ حملہ کا ذکر	۱۰۳	حاشیہ ۱
رکوعِ اخیر (دوازدہم) از صفحہ ۱۰۳ تا صفحہ ۱۲۶		
آیت اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کی نحوی ترکیب	۱۰۳	۱۸۸
کفار و مشرکین کا عِبَادِیْ کو کارساز جاننا درست نہیں	۱۰۱	بضمن ۶
عِبَادِیْ کے مفہوم میں انبیاء، صلحا، فرشتے اور جنات سب داخل ہیں۔	״	״
قرآن میں ہر ایک کے متعلق شرک کی تردید میں الگ الگ سورت نازل ہوئی	״	״

مضمون	صفحہ نمبر	نوٹ نمبر
بعض انبیاء کی مشکلات اور دعائیں	۱۰۵	بضمن
ملائکہ اور شرک سے بیزاری	״	״
جنات کا ایمان لانا اور شرک سے بیزار ہونا	۱۰۶	״
لفظ جہنم کی تحقیق لغوی	۱۰۶	۱۹۰
اَلْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ہونے کی وجہ	۱۰۷	۱۹۲
زندگی عاقبت کی زندگی ہے	۱۰۷	حاشیہ ۱
عبرت کولشلوں، امبلیوں وغیرہ کے ممبروں کے لئے	۱۰۸	
بغیر سند شریعت کے اپنے خیال سے اپنے اعمال کو نیک گمان کرنا گمراہی ہے	۱۰۸	۱۹۳
تزیینِ شیطان	۱۰۹	״
اس امر کی توجیہ کہ تزیین کی نسبت بعض جگہ خدا کی طرف ہے	״	حاشیہ
لفظ آیت اور اس کے اطلاقات	۱۱۰	۱۹۴
خدا کے دیدار کا منکر بے دین ہے	۱۱۰	۱۹۵
کفر و شرک کی وجہ سے نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں	״	۱۹۶

مضمون	صفحہ نمبر	نوٹ نمبر
حضرت عثمان بغیر حساب کے جنت میں جائیں گے اسی طرح امت محمدیہ کے ستر ہزار متوکلین بھی (وعن اجمالی)	۱۱۱	۱۹۷
حضرت عثمانؓ نے تبوک کی مہم میں ایک ہزار دینار سرخ اور ایک ہزار اونٹ اور ستر گھوڑے دیئے	۱۱۱	حاشیہ ۱
کفر کے اوپر نیچے تین درجے ہیں	״	۱۹۸
اس سورت کے شروع اور اس کے خاتمہ پر ایمان وعمل صالح کے ذکر کی مطابقت	۱۱۲	۱۹۹
لفظ فردوس کی لغوی تحقیق		
فضائلِ فردوس	۱۱۳	
مداد بمعنے لکھنے کی سیاہی	״	۲۰۲
سمندر کی سیاہی سے مقصود کلام الٰہی	״	۲۰۴
تتمہ ابتداء و انتہاء میں مناسبت	۱۱۴	۲۰۵
آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا کا ارتباط	۱۱۵	۲۰۶
وتفسیر مسائل قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ	۱۱۶	۲۰۷
خوب۔ ہندوستان بلکہ تمام جہان بتلائے شرک تھا	״	بضمن ۲۰۷
احادیث جنہیں آنحضرت کو نبی یعنی محض بشریت کا اقرار تعلیم کر کے دنیا کو غلطی سے نکالا	۱۱۷	״

مضمون	صفحہ نمبر	نوٹ نمبر
آٹھویں حدیث کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرتؐ کو بشر من البشر کہا	۱۱۸	۲۰۷
غالی بریلویوں نے آیت کے معنے بدل دیئے	۱۱۹	״
ردّ مغالطات پہلا مغالطہ	۱۲۰	۲۰۸
دوسرا مغالطہ اور اس کا جواب	۱۲۲	بضمن ۲۰۸
یُوْحٰٓی اِلَیَّ کے ایک باریک نکتہ	״	۲۰۹
اِنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ	۱۲۳	۲۱۱
فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا	״	۲۱۲
شرک دو طرح پر ہے جلی اور خفی	״	۲۱۳
ریاکاری کی مذمت کی احادیث	״	بضمن ۲۱۳
خاص اس آخری آیت کے فضائل	۱۲۴	۲۱۴
خاتمہ سورت کہف اور تسلسلِ مضامین	۱۲۵	۲۱۵
غلط نامہ	۱۲۶	
فہرست مضامین	۱۲۷ تا ۱۳۰	برائے اختتام

ناظرین سے گذارش

بادام میں چھلکا بھی ہوتا ہے۔ اور مغز بھی، پھر مغز میں روغن بھی ہوتا ہے، اور کھلی بھی، روغن کم ہوتا ہے۔ اور کھلی زیادہ، قدرت نے روغن کھلی میں اسطرح محفوظ کر رکھا ہے۔ کہ ظاہری آنکھ سے نظر نہیں آتا۔ لیکن حقیقت بین اور خواص شناس دماغ سمجھ لیتا ہے۔ کہ اس کھلی کے اندر ایک مفید و کارآمد جوہر بھی ہے۔ جو اصل مقصود ہے۔ پس ضرور تمند سمجھدار انسان اس بادام کو کھلی سمیت کھاجاتا ہے۔ اور اس پوشیدہ جوہر کا فائدہ حاصل کر لیتا ہے۔

اسیطرح آپ کو اس تفسیر میں میرے الفاظ میں (نہ خدا کے کلام میں) قشر بھی نظر آئیگا اور کھلی بھی دکھائی دیگی۔ لیکن ظاہر میں روغن نظر نہیں آئیگا۔ ہاں مطالعہ کے بعد (خدا کے فضل وکرم سے) اس کا باطنی اثر وکیف آپ کے دماغ کو روشن اور دل کو منور کر دے گا۔ والاستعداد شرط التحصیل الرشاد والجہاد یفتح علیک باب المراد،

خادمِ سنتِ رسول کریمؐ (حافظ) محمد ابراہیم میر سیالکوٹی عفا عنہ اللہ الرحیم

اُس کے کوائف کا اشتہار چھاپکر شائع کیا جاتا ہے۔ وہ ایک ورق سوائے ایک دفعہ دیکھنے کے پھر کسی کام میں نہیں آتا۔ اور بے پرواہی وبے احتیاطی کی وجہ سے اُسکی حرمت ملحوظ نہیں رہ سکتی۔ اسلئے اِس عاجز نے یہ چاہا۔ کہ قرآن مجید کا ایک معتد حصہ چھپوا کر شائع کیا جائے۔ جو نمونہ کا کام بھی دے۔ اور قرأت وتلاوت کئے جانے کی وجہ سے محفوظ بھی رکھا جاسکے۔ فَبِاللّٰہِ اَعْتَصِمُ عَمَّا یَعْصِمُ وَبِہٖ اَسْتَعِیْنُ وَھُوَ نِعْمَ الْمُعِیْنُ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہِ الْمُصْطَفٰی الصَّدُوْقِ الْاَمِیْنِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

فضائلِ سورۃ کہف

صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت ابودرداء صحابی رضؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:۔

مَنْ حَفِظَ عَشْرَ اٰیَاتٍ مِّنْ اَوَّلِ سُوْرَۃِ الْکَھْفِ عُصِمَ مِنَ الدَّجَّالِ ( )	جو شخص سورہ کہف کی ابتدائی دس آیتیں حفظ رکھے گا۔ وہ دجال (کے فتنے) سے محفوظ رہیگا۔

(۲) نیز صحیح بخاری وصحیح مسلم اور جامع ترمذی میں حضرت براء بن عازب رضؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص سورتِ کہف پڑھ رہا تھا اور اسکی ایک جانب اُس کا گھوڑا دو رسّوں سے باندھا ہوا تھا۔ اچانک اُسے بادل (کے سایہ) نے ڈھانپ لیا اور وہ سایہ نزدیک در نزدیک ہوتا گیا۔ اُس کا گھوڑا اس سے ڈر کر بھاگنا چاہتا تھا جب صبح ہوئی تو وہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا۔ اور اس نے آپ سے یہ (واقعہ) ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا تِلْکَ السَّکِیْنَۃُ تَنَزَّلَتْ بِالْقُرْاٰنِ یعنے یہ سکینہ تھا جو (خدا کی طرف سے) قرآن (پڑھنے) کے ساتھ نازل ہوتا ہے۔

(۳) مستدرک حاکمؒ میں حضرت ابوسعید خدریؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص ہر جمعہ کو ایکبار ساری سورتِ کہف پڑھے تو (اس کی) دوسرے جمعہ تک اُس کا دل نور سے منور رہیگا۔

(۴) کنز العمال میں ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی تو اُس کے ساتھ ستّر ہزار فرشتے تھے۔

شانِ نزول

قریش مکہ عام طور پر اُمّی تھے۔ لکھے پڑھے نہ تھے۔ اسلئے وہ باوجود حضرت ابراہیم کی اولاد ہونے کے اخبار واحوالِ انبیاء سے ناآشنا تھے۔ اور عام جہالت وبت پرستی کی وجہ سے الٰہیات ودینیات سے بھی ناواقف تھے۔ اور معاد وقیامت کے بھی قائل نہ تھے۔ اُن کے مقابلہ میں یہود ونصاریٰ جو بہت عرصہ سے ملک شام سے آکر عرب میں آباد ہوچکے تھے اور علاوہ اسکے خاص عرب کے بھی بعض قبائل یہودی اور کئی عیسائی مذہب قبول کرچکے تھے۔ عام طور پر لکھے پڑھے تھے۔ مذہبی کتابوں سے اگرچہ وہ غیر تسلی بخش حالت میں تھیں۔ واقف اور اخبار واحوال انبیاء سے آشنا تھے۔ اِس وجہ سے بھی اُنکو اہل کتاب کے معزز لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ ضرورتوں کے وقت ناخواندہ لوگوں کا رجوع لکھے پڑھے لوگوں کی طرف ہوا ہی کرتا ہے۔ اسلئے عرب کے یہ اُمّی اپنی حاجات ودریافتِ حالات میں اِن اہل کتاب کی طرف رجوع کرتے تھے۔

جب آنحضرت صلعم نے باذن الٰہی اہلِ مکہ شریف میں اعلانِ نبوت کیا۔ اور تبلیغ دین کے سلسلے میں توحید الٰہی کا جھنڈا کھڑا کرکے بت پرستی وغیرہ فاسد عقائد اور اعمال کی قباحت سمجھانی شروع کی۔ تو اہل مکہ نہایت متعجب ہوئے کہ یہ بالکل نئی آواز ہے۔ چنانچہ خدا تعالٰے نے اُن کے اِس تعجب کا ذکر یوں کیا ہے:

أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (پ۲۳ ص)

کیا اس (نبی محمد) نے بہت سے معبودوں کا ایک معبود بنا دیا ہے۔ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے"

کفار مکہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے اعلان توحید کے خلاف کئی ایک تدبیریں کھیلیں۔ لیکن جب کوئی تدبیر کارگر نہ دیکھی تو نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط کو کہ قوم کے سرکردہ لوگوں سے تھے۔ مدینہ شریف میں جو اُن دنوں یثرب کہلاتا تھا۔ علمائے یہود کے پاس بھیجا۔ کہ آپ لوگ اہل توریت ہیں۔ آپ ہمکو ہمارے صاحب (محمدؐ) کی بابت کوئی بات بتائیں۔ اُنہوں نے جواب دیا۔ کہ اُن سے تین باتوں کا جواب پوچھو۔ اگر بتا دیا تو وہ خدا کے نبیؐ اور رسول برحق ہیں۔ ورنہ نہیں؛

اوّل یہ کہ اُن چند نوجوانوں کا واقعہ کس طرح ہے۔ جو آپ سے بہت پہلے اپنے وطن سے بھاگ گئے تھے۔

دوم یہ کہ روح کی حقیقت کیا ہے؟

سوم یہ کہ ذوالقرنین کا قصہ کس طرح ہے؟ جسنے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔

قریش کے ہر دو فرستادہ نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط یہ سوالات سیکھ کر مکہ میں واپس آگئے۔ اور قریش سے کہا۔ کہ علمائے یہود نے ہمکو یہ باتیں سکھلائی ہیں۔

دفع دخل اِن اُمور کا علم معیارِ نبوت ہو سکے یا نہ ہو سکے اسکی ذمہ داری علمائے یہود کے سر ہے۔ جنہوں نے بے پڑھے لوگوں کو ایسی تلقین کرکے دفع الوقتی سے کام لے لیا۔

بہر حال قریش نے آنحضرت صلعم سے یہ تینوں امر دریافت کئے اور خدا تعالےٰ نے ان تینوں سوالوں کے جواب نازل کئے:-

روح کی حقیقت کا سوال اور اُس کا جواب سورت بنی اسرائیل میں یوں ہے؛

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ۭ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ (بنی اسرائیل پ۱۵)

(اے پیغمبر!) تم سے روح کی بابت سوال کرتے ہیں کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور (اے لوگو!) تمکو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے۔

اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کا قصہ مع فوائد متعلقہ کے اِسی سورت کہف میں مذکور ہے۔ جنکو ناظرین مطالعہ کرلینگے (انتہیٰ)

اصحاب کہف کس نبی کے اُمتی تھے؟

عام علماء کا قول تو یہ ہے۔ کہ اصحاب کہف حضرت عیسیٰؑ کی اُمت کے اُس زمانہ کے لوگوں میں سے تھے۔ جب آپ کی اُمت توحید الٰہی پر قائم تھی اور اُن میں آپ کی اُلوہیت کا خیال پیدا نہیں ہوا تھا۔ لیکن حافظ ابن کثیر ؒ کہتے ہیں

قد ذكروا انهم كانوا على دين المسيح عيسى بن مريم فالله اعلم والظاهر انهم كانوا قبل ملة النصرانية بالكلية فانهم لو كانوا على دين

بیان کیا گیا ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰ ابن مریم کے دین پر تھے۔ ٹھیک حال خدا کو معلوم ہے۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ وہ دین نصرانیت سے بہت پہلے تھے۔ کیونکہ اگر وہ دین نصرانیت پر ہوتے تو یہود اُن کے حالات کے حفظ کی پروا نہ کرتے۔ کیونکہ وہ اُن سے بالکل جُدا ہیں۔ اور سابقاً

بیٹیاں قرار دیتے ہیں اور یوں بھی کہ اگر ان امور کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے (معاذ اللہ) **محمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نبوت کی تکذیب ہو سکتی ہے۔ تو اپنے سکھانے والے اہل کتاب سے تو پوچھو دیکھو کہ موسیٰ ؑ ان امور کی حقیقت نہ جاننے کی وجہ سے کس طرح نبی رہے۔ جو ان کو خضر سے پیش آئے،

الغرض اصحاب کہف خواہ موحد عیسائی ہوں۔ خواہ موحد موسائی قرآن کا مقصد بہر دو طرح حاصل ہے (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال)

اصحاب کہف کے نام

بعض علمائے اصحاب کہف کے یہ نام بتلائے ہیں:-

(۱) یمسلیخا (۲) مکسلمینا (۳) مسلینا (۴) مرنوس (۵) دبرنوس (۶) سادنوس (۷) کشفطیوس اور انکے کتے کا نام قطمیر تھا۔

لیکن قرآن شریف نے ان کے نام نہیں بتائے۔ اسلئے کہ قرآن شریف گذشتہ لوگوں کے واقعات عبرت ونصیحت اور ان کے نتائج متعلقہ سے سبق سکھانے کے لئے دہراتا ہے۔ نہ محض قصہ کرنے کے لئے۔ اور ظاہر ہے۔ کہ ان مقاصد میں ناموں کی خصوصیت کو دخل نہیں ہے۔ صاحب واقعہ کا نام کچھ بھی ہو۔ کسی اہم واقعہ سے نصیحت وعبرت کا سبق بہرصورت حاصل ہو سکتا ہے۔ اسی معنے میں ترقی کر کے شیخ سعدی فرماتے ہیں ؎

مرد باید کہ گیرد اندر گوش   ور نوشت است پند بر دیوار

چنانچہ آپ اس سورت میں دیکھ سکتے ہیں کہ اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصے کے ضمن میں جا بجا بڑے بڑے مفید نتائج اور نہایت اہم مطالب اور کار آمد علمی وعملی مسائل اور تمدنی وسیاسی فوائد بھی بکثرت مذکور ہیں۔ جو ہم خدا کے فضل سے ان کے موقع پر ان حواشی میں بیان کرتے جائینگے۔ ھذا واللّٰہ الھادی،

خوشخبری

ہمارے بعض احباب حضرت مولانا حافظ

محمد ابراہیم صاحب

صاحب سیالکوٹی کی

تفاسیر ... سورہ الرحمٰن، سورہ ...

اور سورہ واقعہ بھی طلب ...

...

مفید ہیں۔

لہ اَلْحَمْدُ ذاتی اور اختیاری خوبی کو حمد کہتے ہیں، عام اس سے کہ وہ محمود کسی پر احسان و انعام کرے یا نہ کرے۔ اس موقع پر قرآن کریم کے اتارنے کا ذکر کر کے اپنا لائق حمد ہونا ذکر کیا ہے، کیونکہ قرآن خدا تعالےٰ کا بھاری احسان ہے ورنہ ہم انسانیت کے جامہ میں درندوں اور چرندوں سے بدتر ہوتے + اور اَلْحَمْدُ میں الف لام استغراق جنس کیلئے ہے۔ یعنے ہر طرح کی حمد ۱۲ منہ

لہ۲ اَنْزَلَ خدا تعالےٰ کیلئے جہت علو (اوپر آسمان کیطرف) کی تسلیم فطرت میں رکھی گئی ہے۔ اگرچہ وہ مختص و محصور مکان ہونے سے منزہ ہے جیسا کہ فرمایا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝ (آیت الکرسی) لیکن باوجود اسکے اسی فطری تقاضا سے ہر شخص دعا و التجا اور تضرع و اضطرار کیوقت اپنی باطنی توجہ اور ظاہری چہرہ اور آنکھ اوپر آسمان کیطرف کرتا ہے۔ اسی بنا پر قرآن شریف میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی آنیکو عموماً لفظ اَنْزَلَ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اِنْزَال اوپر سے نیچے بھیجنے کو کہتے ہیں جسے ہماری زبان میں اتارنا کہتے ہیں + نیز اسی لئے آسمان و زمین میں احکام تکوینی جاری ہونیکی نسبت فرمایا یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَھُنَّ (طلاق پ۲۸) یعنے اترتا ہے حکم الٰہی درمیان ان کے ۱۲ منہ

عَلٰی عَبْدِہِ الْکِتٰبَ ۵۳ ۵۴

اوپر اپنے (کامل) بندے (محمدؐ) کے (دیہ) کتاب (قرآن مجید)

۵۳ عُبُودِیَّتْ، تین طرح پر ہے۔ اوّل پیدائش کی وجہ سے۔ اسکے رُو سے سب خدا کے بندے ہیں۔ نیک بھی اور بد بھی، بڑے بھی اور چھوٹے بھی چنانچہ فرمایا اِنْ کُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّا اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم پ۱۶) دوم خریداری کی وجہ سے یہ نسبت خدا تعالےٰ سے نہیں ہو سکتی، کیونکہ وہ مالک بوجہ خالق ہونے کے ہے۔ خریداری سے نہیں ہوا۔ ہاں بندے کو جسے سے ہوتی ہے یعنے ایک انسان دوسرے انسان کو خرید کر اسکا مالک ہوجاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَالصّٰلِحِیْنَ مِنْ عِبَادِکُمْ (نور پ۱۸) سوم فرمانبرداری کی وجہ سے عبودیت کا کمال اسی میں ہے اور یہ جب قربِ منزلت کا ہوتا ہے۔ اسجگہ آنحضرتؐ کو اسی معنے میں عبد کہا ہے اور اسی لئے ہمنے اسکا ترجمہ کامل بندہ کیا ہے۔ یہ لفظ آنحضرتؐ کے لئے جناب الٰہی سے کمال شفقت وعزت کا موجب ہے کیونکہ اسکو تو سب اپنا رب اور مالک کہتے ہیں لیکن وہ کسی کو اپنا بندہ کہے۔ تو بات ہے۔ قرآن میں دیگر انبیاء اور فرشتوں کو عموماً اور خصوصاً عبد اور عباد کہا گیا ہے۔ مثلاً آیت وَلَقَدْ سَبَقَتْ کَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِیْنَ (صفت پ۲۳) میں تمام پیغمبروں کو عباد کہا گیا ہے۔ اور آیت بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ (انبیاء پ۱۷) میں تمام فرشتوں کو عباد کہا گیا ہے۔ اور سورہ صافات پ۲۳ میں حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت الیاسؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارونؑ، علیہم السلام کو عباد مؤمنین میں گنا ہے۔ اور سورہ صٓ پ۲۳ میں حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ، حضرت ایوبؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسحٰقؑ اور حضرت یعقوبؑ کو عبد کہا گیا ہے۔ اور شروع سورت مریمؑ میں حضرت زکریاؑ کو اور سورۂ زخرف میں حضرت خضر کو عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا سے یاد کیا ہے۔ اور دیگر مقامات پر دیگر صلحاء کو بھی عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اور عِبَادُ اللّٰہِ کے معزز لقب سے یاد کیا ہے۔ اِن سب مقامات پر فرشتوں اور انبیاء اور دیگر صالحین کو جو عباد کہا گیا ہے۔ سو اُنکی کمال فرمانبرداری کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ جو اعزاز و شفقت مزید کا موجب ہے۔ نہ کہ معاذ اللہ اُن کی تحقیر کیلئے، جو لوگ آنحضرتؐ کو عبد کہنے سے چڑتے ہیں وہ اِن آیات میں غور کریں، اور اُسکی وجہ یہ ہے کہ گذشتہ لوگوں یہود و نصارےٰ اور مشرکین عرب، اور مشرکین ہند نے انبیا و ملائکہ اور صالحین کو مرتبہ عبودیت سے بڑھا کر درجۂ فرزندی اور اُلوہیت میں مان لیا تھا پس قرآن شریف میں جو پیغام الٰہی کی آخری کتاب ہے، اِس شرک کی جڑ کاٹنے کیلئے انبیاء و ملائکہ و صلحاء سب کو عباد اللہ کہا گیا جیسا کہ فرمایا وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا سُبْحٰنَہٗ بَلْ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ (انبیاء پ۱۷) اور اسی لئے خدا کے آخری پیغمبر محمدؐ نے کلمۂ شہادت میں اپنی رسالت کے اقرار کے ساتھ بلکہ اس سے پیشتر اپنی عبودیت کی شہادت بھی تعلیم کردی، اور نماز میں بھی تعلیم کردیا کہ زمین و آسمان کے جملہ صالحین عباد اللہ ہیں چنانچہ التحیات میں سکھلایا اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ ؀

۵۴ اس جگہ اَلْکِتٰبَ سے مراد قرآن مجید ہے ۱۲ منہ

وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهُ عِوَجًا (۲) قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ

اور نہیں رکھی واسطے اُسکے کوئی کجی ۵ (بلکہ بنایا اسکو) قیّم ۶ تاکہ آگاہ کرے عذاب سخت سے جو (ہونیوالا ہے) اُسکے پاس سے،

وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ

اور بشارت سناوے اُن مومنوں کو جو کرتے ہیں نیکیاں کہ بیشک واسطے اُن کے ہے

اَجْرًا حَسَنًا (۳) مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا (۴) وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ

اَجر بہت اچھا ۷ وہ رہینگے اُسی میں ہمیشہ درہمیشہ ۸ اور (تاکہ) ڈراوے اُن لوگوں کو

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا (۵)

جنہوں نے کہا کہ بنا لیا اللہ نے (کسی کو) فرزند ۹

۵ عِوَج کجی کو کہتے ہیں، قرآن میں کسی قسم کی کجی نہیں، نہ استدلال میں نہ طریق بیان میں، نہ نفس مسائل میں، دوسرے مقام پر فرمایا قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا غَيْرَ ذِيْ عِوَجٍ (زمر ۲۳) یعنی قرآن عربی جو کجی والا نہیں ہے اسی معنے کو لَا رَيْبَ فِيْهِ سے بھی ظاہر کیا ہے۔ عِوَجًا اور رَيْبَ ہر دو کو نکرہ ظاہر کیا ہے کہ اسمیں کسی قسم کے شک کی بات اور کسی قسم کی کجی نہیں ہے ۶ قَيِّم کے دو معنے ہیں۔ اوّل مستقیم، لیکن یہ لَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا میں آگئے ہیں دوسرے محافظ اور یہی یہاں مراد ہیں جس طرح کوئی کسی نابالغ کا قَيِّم (نگارڈین) ہو کر اسکی مصلحتوں کو نگاہ رکھتا اور اسکی مناسب تربیت کر کے اسے حدِ کمال تک پہنچاتا ہے اسی طرح قرآن کریم انسانوں کا روحانی و اخلاقی قیّم ہے اُنکی روحانی و اخلاقی دینی و دنیوی مصلحتوں کی حفاظت اور تربیت کر کے دین و دنیا میں اُنکو کمالِ انسانی و روحانی پر پہنچاتا ہے (مستفاد از کبیر) ۷ لِّيُنْذِرَ عام منکروں اور نافرمانوں کے متعلق ہے اسی لئے اس کا مفعول اوّل حذف کر دیا ہے اور دوسرا يُنْذِرَ خاص اُن لوگوں کے متعلق ہے جو خدا تعالےٰ کیساتھ نسبتِ فرزندی کو جائز جانتے ہیں غرض دوسری دفعہ بطور تخصیص بعد تعمیم کے کہا گیا ہے ۸ اَبَدًا ابد آیندہ کی بے نہایت مدت کو کہتے ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ مومنین صالحین جنت میں ہمیشہ درہمیشہ رہینگے۔ اور نہ انکو وہاں سے نکالا نہیں جائیگا۔ اور نہ وہ اُسکو چھوڑ کر نکلنا چاہینگے جیسا کہ فرمایا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا (کہف ۱۰۸) یعنی وہ اُس (جنت) سے کہیں اور جگہ جانا نہیں چاہینگے۔ ۹ عربی میں لفظ وَلَد جنس مشترک ہے بیٹی بیٹے ہر دو کو وَلَد کہتے ہیں جیسے فارسی میں فرزند اتخاذ ولد یہ کہ اپنا بیٹا نہ ہو تو کسی دوسرے کے بیٹے کو بیٹا بنا لیں، جسے متبنّٰی کہتے ہیں، اس قسم میں ایک دنیا مبتلا ہے۔ یہود حضرت عزیرؑ کو اور عیسائی حضرت عیسٰیؑ کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ مشرکین مکہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اسلئے سب کی مساوی تردید کیلئے مشترک لفظ وَلَد لایا گیا ہے۔ خدا تعالےٰ کی طرف فرزندی کی دونوں نسبتیں حقیقی اور مجازی ناجائز ہیں۔ حقیقی اسلئے کہ خدا تعالیٰ کی ذات توالد و تناسل سے پاک ہے اور مجازی اسلئے کہ متبنّٰی بڑھاپے میں خدمت لینے، کام کاج میں اعتمادی مددگار بنانے اور موت کے بعد میراث سنبھالنے کیلئے اور سب سے بڑھکر یہ کہ اولاد نہ ہونے کی دلشکنی کیوقت دل کا سہارا بنانے کیلئے بنایا جاتا ہے۔ اور یہ باتیں خدا کی شان کے لائق نہیں ہیں۔ کیونکہ وہ صمد و غنیِ مطلق ہے۔ اُسکو ان باتوں میں سے کسی کی

مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ

نہیں انکو اس بات کا کوئی علم اور نہ انکے باپ دادوں کو (تھا) بہت بڑی بات ہے جو نکلتی ہے

مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا ⑥ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ

ان کے مونہوں سے ، نہیں کہتے مگر نرا جھوٹ پس (اے پیغمبر!) ہو سکتا ہے کہ تو گنوا دے جان اپنی

عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ⑦ اِنَّا جَعَلْنَا

افسوس سے اوپر ان کے احوال کے اگر وہ نہ ایمان لاویں اس کلام (قرآن) پر ، بیشک ہمنے بنایا

مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑧

جو کچھ زمین پر ہے زیبائش واسطے اسکے تاکہ ہم آزمادیں کہ کونسا ان میں سے بہتر ہے عمل میں

ف۱۰ کذب خلاف ضمیر اور خلاف واقعہ کے اظہار کو کہتے ہیں۔ خدا تعالے کیطرف نسبت فرزندی بہر دو وجہ کذب ہے کیونکہ نہ تو کسی کی ضمیر اسکی شہادت دیتی ہے۔ اور نہ واقعہ میں یہ درست ہے کہ خدا تعالے نے کسی کو فرزند بنایا ہو۔ اسلئے قرآن نے اسے نرا جھوٹ قرار دیا۔ اسی لئے فرمایا تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ یعنے یہ قول محض منہ کی بات ہے ضمیر میں اسکی تصدیق نہیں ہے۔ صدق اور حق وہ بات ہوتی ہے جسکی شہادت ضمیر دے اور وہ واقعہ میں درست ہو ۱۲ منہ ،

ف۱۱ اسجگہ لفظ لعل (شاید) خدا تعالے کے علم کی نسبت نہیں ہے۔ بلکہ آنحضرت صلعم کو لوگوں کے ایمان لانے کی وجہ سے از روئے شفقت جو افسوس وغم ہوتا تھا اسکے نتیجہ کی ایک امکانی صورت سمجھائی ہے کہ اے پیغمبر ممکن ہے کہ اس غم سے تمہاری جان پر صدمہ گذر جائے اسی لئے ہمنے اسکا ترجمہ ہو سکتا ہے کیا ہے نبی کے دل میں لوگوں کی خیر خواہی اُس خیر خواہی سے بہت زیادہ ہوتی ہے جو والدین کو اولاد کیلئے ہوتی ہے

ف۱۲ اس آیت کا بامحاورہ ترجمہ یوں ہے "پس (اے پیغمبر!) اگر یہ کفار اس کلام (قرآن) پر ایمان نہ لائیں تو ہو سکتا ہے کہ تم ان کے پیچھے (شدت) غم سے اپنی جان گنوا دو" پس اس میں آنحضرت کی تسلی ہے۔ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا شرط مؤخر ہے۔ اور فَلَعَلَّكَ الآیہ اسکی جزا مقدم ہے۔ اَسَفًا۔ بَاخِعٌ کی تمیز ہے۔ جو رعایت فواصل کیلئے آیت کے اخیر میں لائی گئی ہے۔ ۱۲ منہ ،

ف۱۳ امام راغب نے کہا کہ جب اِبْتِلَاء کا لفظ خدا تعالے کیطرف منسوب ہو۔ تو اس سے تعرف حال مراد نہیں ہوتا۔ کیونکہ خدا تعالے علام الغیوب ہے۔ بلکہ جس شخص کو مبتلا کیا گیا ہے۔ اُسکی جودت ورداءت کا ظہور مراد ہوتا ہے۔ یعنے خدا تعالے نعمتوں اور مصیبتوں میں اسلئے مبتلا کرتا ہے۔ کہ شاکر و صابر کا شکر و صبر ظاہر کرے۔ اور غیر شاکر یعنے کافر نعمت کی ناشکری اور غیر صابر کی بے حوصلگی اور بے ثباتی ظاہر کرے چنانچہ فرمایا۔ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً (پ۱۷ انبیاء)

حاصل کلام یہ کہ جملہ ابتلاآت چاہے نعمت کے ہوں۔ چاہے مصیبت کے ہوں سب شاکر و کافر اور صابر و غیر صابر میں تمیز کرنے کے لئے ہوتے ہیں۔ ورنہ خدائے تعالے کو اپنے علم کیلئے اسکی ضرورت نہیں۔ چونکہ ایسا امتیاز عملیات ہی میں ہو سکتا ہے دماغی تخیلات اور زبانی مقولات اسمیں کافی نہیں ہیں۔ اسلئے احسن کے ساتھ عملاً کو بطور تمیز ذکر کیا۔ فافہم

ف۱۴ آنحضرت کے افسوس وغم کیبعد دنیا کی پیداوار کو اسکی زینت کہکر آپ کے غم کو ہلکا کرنا چاہا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی کا تصور ایک عارف کی تسلی کے لئے کافی ہے۔ ۱۲ منہ

وَإِنَّا لَجَاعِلُونَ مَا عَلَيْهَا صَعِيدًا جُرُزًا ﴿۹﴾ أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ

اور بیشک ہم (ایکدن) بنانے والے ہیں اُسکو جو اُسکے اوپر ہے زمین بنجر ۹ (اے پیغمبر!) کیا تو نے گمان کیا کہ غار والے

وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا ﴿۱۰﴾ إِذْ أَوَى الْفِتْيَةُ إِلَى الْكَهْفِ

اور تختی والے ہمارے نشانات (قدرت) میں سے کوئی عجیب نشانی تھے جب ان چند جوانوں نے اُس غار میں جگہ پکڑی

فَقَالُوا رَبَّنَا آتِنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۱﴾

تو کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار دے ہمکو اپنے پاس سے رحمت اور مہیا کر واسطے ہمارے ہمارے کام کی بھلائی

فَضَرَبْنَا عَلَىٰ آذَانِهِمْ فِي الْكَهْفِ سِنِينَ عَدَدًا ﴿۱۲﴾

پس تھپکے کھا ہمنے اُن کے کانوں پر اُس غار میں کئی سالوں تک

ف۱۵ جُرُزًا اسکے معنے ہیں بے زراعت افتادہ زمین قیامت کے دن پہاڑوں کو اڑا کر زمین کے نشیب فراز برابر کردیئے جائینگے اور زمین ایک ہموار اور صاف میدان ہوجائے گی۔ جیساکہ سورۃ طٰہٰ میں فرمایا: وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّي نَسْفًا ۝ فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ۝ لَا تَرَىٰ فِيهَا عِوَجًا وَلَا أَمْتًا ۝

ف۱۶ رَقِیم کے معنے میں مختلف اقوال ہیں ایک یہ کہ اِس کے معنے تختی یا کتبہ کے ہیں جسپر کچھ رقم کیا ہو یعنی لکھا ہوا ہو۔ لوگوں نے غار کے منہ پر ایک پتھر پر اصحاب کہف کے نام لکھ دیئے تھے اسلئے اُنکو اصحاب الکہف والرقیم کہا گیا ہے یعنی غار والے اور تختی والے۔ منہ

ف۱۷ مطلب یہ کہ اصحاب الکہف کا واقعہ ہماری قدرت کے نشانوں میں سے تو ہے لیکن ہماری قدرت کے سامنے کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ ایک معمولی بات ہے زمین پر اُسکی رونق وزینت کے جو سامان پیدا کر رکھے ہیں کیا کم تعجبناک ہیں۔ ۱۲ منہ

ف۱۸ خدا تعالیٰ پر توکل کرکے اور اُس سے فضل و رحمت طلب کرکے وطن مالوف کو خیرباد کہکر نکل کھڑے ہوئے جیسا کہ حضرت موسٰی نے فرعون کے علاقہ سے نکلنے وقت کہا تھا۔ عَسَىٰ رَبِّي أَنْ يَهْدِيَنِي سَوَاءَ السَّبِيلِ (پ۲۰ القصص)

ف۱۹ ضرب علی الآذان کے معنے ہیں کانوں پر مارنا۔ یہ محاورہ سُلا دینے کے معنے میں ہے جیسے ہمارے ہاں بھی کان تھپکنا کہتے ہیں۔ بلکہ مائیں بچوں کو سُلانے کیوقت اُن کے کان تھپکتی ہیں۔ تو وہ سو جاتے ہیں۔ چونکہ یہ سب کچھ قدرتی طور پر ہوا اسلئے اسے خدا نے اپنی طرف نسبت کیا کہ ہمنے اُنکے کان تھپکے یا اُنپر نیند وارد کرکے اُن کو سُلا دیا۔ اسیطرح جنگ بدر اور جنگ اُحد میں صحابہ کرام پر اونگھ وارد کرکے اُنکو آرام و آسائش پہنچائی تو اسے بھی اپنی طرف نسبت کیا۔ چنانچہ فرمایا۔ إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ (انفال پ۹) یعنی جب ڈھانپتا تھا تمکو اونگھ سے امن دینے کیلئے اپنے پاس سے اور جنگ اُحد وغیرہ میں فرمایا ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمَنَةً نُعَاسًا (آل عمران پ۴) یعنی پھر خدا نے تمپر غم کے بعد امن کی صورت یعنی اونگھ اتاری۔ مولانا ابوالکلام صاحب نے ترجمان القرآن میں اسجگہ ضرب علی الآذان کے معنے خلاف محاورہ یہ کئے ہیں۔ "اُن کے کان دنیا کی طرف سے بند کردیئے"۔ حالانکہ صحیح بخاری میں ہے۔ فَضَرَبَ اللّٰهُ عَلَىٰ آذَانِهِمْ فَنَامُوا یعنی خدا نے اُن کے کان تھپکے تو وہ سوگئے۔ اسکی تائید میں وَهُمْ رُقُودٌ جو اگلے رکوع میں ہے یاد رہے۔

ف۲۰ سِنِينَ عَدَدًا ان سالوں کی گنتی نمبر صفحہ ۲۰ میں آئیگی یعنی تین سو اور ۹ برس۔ ۱۲ منہ

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ نَحْنُ نَقُصُّ

پھر ہم نے انکو اٹھایا تاکہ ہم دیکھ لیں کہ ہر دو گروہوں میں کس کو وہ مدت معلوم ہے جو وہ ٹھہرے ہیں (۱۲) (اے پیغمبر) ہم تمہیر انکی خبر

عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾

سچ سچ بیان کرتے ہیں کہ تحقیق وہ چند جوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے تھے اور ہم نے انکو ہدایت میں زیادہ کیا تھا،

ف۲۱ علم الٰہی محیط کل ہے وہ ہر شے کو اُسکے واقع ہونے سے پیشتر بھی ویسے ہی جانتا ہے جیسے اُسکے ظہور کیوقت کیونکہ اسکا علم حضوری ہے حصولی اور محتاجِ آلہ نہیں ہے لیکن چونکہ سب حوادث زمانی ہیں یعنے ہر حادثہ کیلئے زمانہ لازم ہے اور حادثہ زمانہ سے منفک نہیں ہو سکتا، اسلئے خدا تعالےٰ کے علم کا تعلق جو وقوعِ حادثہ پر اُس حادثہ سے ہوتا ہے۔ زمانی کہلاتا ہے۔ ورنہ صفتِ الٰہی ہونیکی حیثیت سے وہ زمانہ سے مبرا ہے۔ یا بالفاظ دیگر یوں سمجھئے کہ یہاں تین امر ہیں علم الٰہی اور حدوث حادثہ اور اِس حادثہ سے علم الٰہی کا تعلق اور ظاہر ہے کہ تینوں الگ الگ ہیں حوادث تو سب کے سب زمانی ہیں۔ اور علم الٰہی ازلی ہے باقی رہا حادثہ کے حدوث کیوقت اُس سے علم الٰہی کا تعلق سو بوجہ اس حادثہ کے زمانی ہونے کے زمانی کہلاتا ہے ورنہ اپنی ذات میں وہ قدیم ہے اسکی نظیر یہ ہے کہ خدا تعالےٰ کی ایک صفت خالقیت ہے اور صفاتِ فعل میں سے ہے فعل حادث ہوتا ہے۔ اسلئے اسکے لئے زمانہ ضروری ہے۔ حالانکہ فعل خلق سے پیشتر خدا تعالےٰ صفتِ خالقیت سے موصوف ہے کیونکہ جبتک وہ پیشتر سے موصوف نہ ہو اُس سے فعل صادر نہیں ہو سکتا پس اسکا حل اسطرح ہے کہ صفتِ خالقیت بلحاظ ذاتِ خدا سے متعلق ہونیکے قدیم ہے لیکن فعلِ خلق باعتبار صدور کے حادث ہے ایک خاص زمانہ میں خدا تعالےٰ نے خلقت کو اپنے ارادہ و اختیار سے پیدا کیا اِس نکتہ کو آریوں نے نہ سمجھکر صفتِ خالقیت کے اِن دونوں اعتباروں میں فرق نہ کیا تو وہ اس سلسلہ کی قدامت کے قائل ہو گئے۔ اِس مشکل کو سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ نے اسیطرح حل کیا ہے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔
كَانَ اللّٰهُ خَالِقًا قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَ (فقہ اکبر) یعنے خدا تعالےٰ فعلِ خلق کرنے سے پیشتر صفت خالقیت سے موصوف تھا۔ فافہم وتدبرہ فانہ لطیف و دقیق جدًا۔

ف۲۲ بظاہر یہ خیال گذر سکتا ہے کہ انکی مدتِ اقامت کا علم کوئی ایسا بڑا امر نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اسطرح کیوں فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ یعنے ہم نے انکو اُٹھایا تاکہ ہم دیکھ لیں" ایک معمولی بات کیلئے اتنے اہم اور عجیب نشانِ قدرت کے واقع کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ سو اسکا جواب یہ ہے کہ وقت کا تصور مشتمل ہوتا ہے اُن امور کے تصور پر بھی جو اُسمیں واقع ہوتے ہیں چنانچہ فصیح محاورات میں واقعات کے یاد کرانے کیلئے اُسوقت کو یاد کرایا جاتا ہے۔ جس میں وہ واقع ہوتے ہیں چنانچہ کہا جاتا ہے "وہ وقت یاد کرو جب ایسا ایسا ہوا تھا" اور "جب ہم نے تمسے ایسا ایسا سلوک کیا تھا" قرآن شریف اس طرز بیان سے بھرا پڑا ہے۔ آیات وَاِذْ قُلْنَا اور وَاِذْ جَعَلْنَا اور اِذْ اَرْسَلْنَا وغیرہ اسی قبیل سے ہیں پس حاصل مطلب آیت زیر تفسیر کا یہ ہوا کہ جب حیص بیص اور تحقیقات سے معلوم ہو گا کہ اصحاب کہف تین سو سال بلکہ زیادہ عرصہ تک سوئے رہنے کے بعد اُٹھے تو اسبات کا تصور بھی ساتھ ہی آ جائیگا۔ کہ اِس مدت مدید تک بے آب و دانہ زندہ رہنا بھی عجائباتِ قدرت سے ہے۔ اور اسکے ساتھ یہ بھی کہ خدا تعالےٰ اپنے دستور وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ سے اپنی توحید کے شیدائیوں کو ضائع نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو عجیب و غریب مخفی اسبابوں سے ظالموں کے ظلم سے محفوظ رکھتا ہے۔ اور یہ بھی کہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم دربارہ بعثت بعد الموت یعنے موت کے بعد قیامت کے دن زندہ ہونا بالکل حق ہے چونکہ یہ سب امور ایمانیات میں سے ہیں اور ایمانیات کا ذکر قرآن شریف کے خصوصی مقاصد میں سے ہے۔ اسلئے اِن خدا پرست نوجوانوں کو ان امور کے ظہور کیلئے اِتنی مدت کے بعد اٹھا کھڑا کیا۔ والحمد للہ۔ مولنا ابو الکلام نے اَحْصٰى کو اسم تفضیل سمجھا ہے (صفحہ ۳۷۶) اور یہ غلط ہے بلکہ یہ فعل ماضی ہے (کشاف وغیرہ) پھر اسکی جو تاویل کی ہے وہ اِس سے بھی لایعنی ہے۔ جو یہ ہے۔ "کون گروہ تھا جسنے اس عرصہ میں نتائج عمل کا بہتر اندازہ کیا (صفحہ ۳۹۴) رکوع نمبر ۳ میں اسکی تغیر وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ الآیہ آ چکی ہے جہاں یہ مولنا کی تاویل چل نہیں سکتی۔"
قاسم۔

وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ

اور ہمنے (ثابت قدمی کی) گرہ لگادی اُنکے دلوں پر جب وہ بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے۔ پس وہ کہنے لگے کہ ہمارا ربّ تو آسمانوں اور

وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا

زمین کا ربّ ہے۔ ہم ہرگز نہیں پکاریں گے اُس کے سوا کسی اور کو معبود۔

۲۴ رَبْطٌ عَلَی الْقَلْبِ دل پر گرہ دینے کا مطلب یہ ہے کہ وہ کافر بادشاہ دقیانوس کے سامنے پیش ہوئے تو مطلقاً نہیں گھبرائے بلکہ نہایت استقلال و استقامت سے توحید پر قائم رہے۔ اور اُس جابر بادشاہ کے سامنے کلمۂ توحید کے اقرار اور شرک کی تردید سے نہیں جھجکے، حدیث پاک میں فرمایا۔ اَفْضَلُ الْجِهَادِ مَنْ قَالَ كَلِمَةَ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ (مشکوٰۃ ص ۳۱۴) یعنے افضل جہاد اُس شخص کا ہے۔ جو کسی ظالم بادشاہ کے سامنے کلمہ حق کہے۔

۲۵ اِذْ قَامُوْا اِستعلق ہے۔ رَبَطْنَا کے یعنے جب وہ بادشاہ کے سامنے سوال وجواب کیلئے کھڑے ہوئے تو ہمنے اُن کے دلوں پر استقامت کی گرہ لگادی، چونکہ استقامت خدا کی توفیق سے ہوتی ہے اسلئے اِس ربط کو اپنی طرف نسبت کیا، کہ ہمنے گرہ لگائی۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کی والدہ کے متعلق فرمایا اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِيْ بِهٖ لَوْلَاۤ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰى قَلْبِهَا (قصص پ۲۰) یعنے قریب تھی کہ وہ اُسے (موسیٰ) کو ظاہر کردے (کہ وہ میرا بیٹا ہے) اگر ہم اُسکے دل پر گرہ نہ لگاتے یعنے اُسکے دلکو نہ تھامتے۔

۲۶ اِذْ قَامُوْا کے رَبَطْنَا سے متعلق ہونے کی بنا پر فَقَالُوْا کی ف فصیحیہ ہے جسکے یہ معنی ہیں۔ کہ اِس ربط قلب کے اثر سے جابر بادشاہ کے سامنے وہ کلمہ توحید رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے اقرار پر قائم رہے اور انہوں نے عبادت مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے بیزاری ظاہر کی۔

۲۷ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ خدا تعالےٰ کو رَبَّنَا ماننے کی دلیل ہے کیونکہ ہماری پیدائش اور پرورش اُن اسباب سے ہوتی ہے۔ جو زمین وآسمان کی تاثیر و تاثر سے مربوط ہیں اور ظاہر ہے۔ کہ زمین وآسمان کی مالکیت اور اُنمیں اسباب کی پیدائش اور پھر اُن کا مؤثر کرنا سب کچھ اُسی کے ہاتھ میں ہے۔ پس سب کا ربّ وہی ہے۔ جس کے ہاتھ میں سب کی پرورش کے اسباب ہیں۔ پس ہم (مسلمان) صرف اُسی کو اپنا ربّ تسلیم کرتے ہیں جس کی یہ شان ہے۔ جب حضرت موسیٰ اور ہارون نے فرعون کے سامنے کہا اِنَّا رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ اور فرعون نے پوچھا کہ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ تو موسیٰ نے کہا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ پروردگار آسمانوں کا اور زمین کا اور ہر اُس شے کا جو اُن دونوں کے درمیان ہے۔ یہ مضمون قرآن مجید میں اثبات توحید میں بکثرت موجود ہے۔ ۱۲ منہ،

۲۸ لَنْ نَّدْعُوَا کی واؤ کے بعد الف مثل کئی ایک دیگر مواضع کے لکھنے میں تو آتا ہے۔ لیکن پڑھنے میں نہیں آتا اِسلئے ہمنے کتابت میں یہ التزام کیا ہے۔ کہ قرآن شریف میں جہاں جہاں ایسے الف آتے ہیں اُن کے اوپر نشان تقاطع (x) لکھ دیا ہے۔ اِس الف کے لکھنے کی وجہ یہ ہے کہ حرف واو جب طرف کلمہ میں واقع ہو اور اُس کے ماقبل پر ضمہ ہو تو اِس واو کو ثابت رکھنا اور اُسے ہمزہ سے بدلنا ہر دو امر جائز ہوتے ہیں۔ پس واؤ تو اصل کے لحاظ سے لکھی گئی۔ اور ہمزہ بصورت الف تبدیل ہوجانے کی صورت دکھانے کیلئے لکھا گیا۔ لیکن جب واؤ پڑھی جائیگی۔ تو الف نہیں پڑھا جائیگا۔ اور اگر اُسے تبدیل کرکے ہمزہ پڑھا جائے۔ تو واو نہیں پڑھی جائیگی۔ اِسی طرح آیت وَاَنْ اَتْلُوَا الْقُرْاٰنَ (نمل پ۲۰) اور آیت لِتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ (رعد پ۱۳) وغیرہا میں ہے، ۱۲ منہ،

لَقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ط

(اگر ہم ایسا کریں) تو ہم نے نہایت ہی بیہودہ بات کہی[۲۹] یہ جو ہماری قوم کے لوگ ہیں، انہوں نے بنا رکھے ہیں اُسکے سوا کئی معبود۔

لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۢ بَيِّنٍ ط فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

کیوں نہیں لاتے اُن (کے معبود ہونے) پر کوئی روشن دلیل (جب ایسا حال ہے[۳۰]) تو اُس سے کون بڑا ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ

كَذِبًا[۳۲] ﴿۱۵﴾ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗٓا اِلَى الْكَهْفِ

باندھے[۳۲] اور یہ کہکر وہ وہاں سے رخصت ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ جب تم اِن لوگوں سے اور اُن بتوں سے جنکو وہ خدا کے سوا پوجتے ہیں کنارہ

يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾[۳۱]

تمہارا رب تمہارے لئے اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیگا۔ اور تمہارے لئے تمہارے کام میں (ہر طرح کی) آسانی مہیا کر دے گا۔[۱]

[۲۹] شططاً کے معنے ہیں حق سے دوری اور دروغ (قاموس وغیرہ) غیر اللہ کو معبود گرداننے سے بڑھکر کونسی بات ناحق اور دروغ ہوگی۔ چنانچہ فرمایا وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ (احقاف)
اسی کا ترجمہ حضرت شیخ عطار صاحب یوں فرماتے ہیں کہ ہر کہ خواند غیر حق را اے پسر ۔ کیست در دنیا از و گمراہ تر ۱۲

[۳۰] شرک کی کوئی دلیل نہیں نہ الہامی نہ عقلی جو کچھ اس کے ثبوت میں کہا جاتا ہے سب توہمات و اباطیل کا مجموعہ ہے ۱۲ منہ

[۳۱] یہ بات اُنہوں نے خدا کے فضل کی اُمید اور اُسکی وعدوں کی تصدیق سے کہی کیونکہ مہاجرین سے خدا نے ایسی ہی وعدہ کئے ہیں چنانچہ فرمایا وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً (پ۵ النساء) نیز فرمایا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ه الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ (نحل)

[۳۲] خدا کے سوا کسی اور کو معبود بنانا افترا بھی ہے اور کذب بھی ہے۔ افترا اسلئے ہے کہ غیر اللہ کی عبادت صرف خدا کے نام کے دھوکے پر کیجاتی ہے یعنے اسلئے کیجاتی ہے کہ یہ خدا کے مقبول و مقرب لوگ ہیں ہماری عرض داشتیں خدا کے حضور پیش کرتے ہیں اور خدا تعالیٰ اِن کی عبادت اور ان کے نام کے وظیفے اور اِن کے نام کی نذر نیاز اور چڑھاوے سے خوش ہوتا ہے اور یہ ہمارے اور خدا تعالےٰ کے درمیان واسطہ اور وسیلہ ہیں خدا تعالےٰ نے ایسی افترا اسلئے کہا۔ کہ خدا نے اِس امر کی اجازت کسی نبی کی زبانی نہیں دی کہ میرے سوا کسی نبی ولی یا فرشتے کی عبادت کی جائے یا اُسکے نام کا وظیفہ پڑھا جائے یا اُس کے نام کا نعرہ پکارا جائے یا اُس کے نام کی نذر نیاز دیجائے۔ چنانچہ قرآن شریف میں ایسی ہی مواقع میں شرک کی تردید میں مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اسی معنے میں کہا گیا ہے۔ اور کذب اسلئے ہے کہ واقعہ میں ایسا نہیں ہے۔ کہ من دون اللہ کی عبادت خدا کی عبادت ہو سکے۔ یہ بالکل سفاہت اور نادانی ہے۔ چنانچہ فرمایا وَمِنْ اٰيٰتِهِ الَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (حم سجدہ پ۲۴) یعنے رات اور دن اور سورج اور چاند (جنکے عوارض سے بحکم خدا دن اور رات پیدا ہوتے ہیں) خدا کے نشانات ہیں۔ تم نہ تو سورج کو سجدہ کرو اور نہ چاند کو بلکہ خدا کو سجدہ کرو جس نے اِن کو (اس حالت پر) پیدا کیا ہے۔ اگر تم اُسی (خدا) کی عبادت کرتے ہو۔

وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَّزَوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا

اور (اے پیغمبر) اسی وجہ سے (تم سورج کو دیکھتے ہو کہ جب وہ نکلتا ہے تو ہٹکر نکلجاتا ہے) اُن کی غار سے دائیں طرف کو، اور جب ڈوبنے لگتا ہے

غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ ؎ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِّنْهُ ۚ ذَٰلِكَ مِنْ آيَاتِ اللَّهِ ۗ

تو کتر جاتا ہے اُن سے بائیں طرف کو اور وہ اُس غار کی فراخی میں ہیں، یہ بات خدا کی نشانیوں میں سے ہے

مَن يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۖ وَمَن يُضْلِلْ ؎ فَلَن تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿١٨﴾

جسے خدا ہدایت بخشے وہ (اس نشانی سے) ہدایت پا جاتا ہے۔ اور جس سے وہ توفیق ہٹالے تو (اے پیغمبر!) تم اسکے لئے کوئی دوست کارساز اور راہ پر لانے والا نہیں

؎٣٣ اِس صورت میں غار کا مُنہ شمال کو تھا یعنی بنات النعش کے سامنے (کشاف) اور تزٰوَر وغیرہ مضارع کے صیغے حکایت حال ماضی کیلئے ہیں۔ ١٢ منہ

؎٣٤ اِس فراخی کا ذکر دو وہموں کو دُور کرنے کے لئے ہے۔ اوّل یہ کہ کوئی کہ سکتا ہے کہ اِس صورت میں غار کی تنگی معلوم ہے دُوم یہ کہ جب تنگ ہوئی تو ہوا اور روشنی جو صحت کیلئے ضروری ہی اُسکا کیا انتظام تھا، سو فرمادیا کہ وہ غار کشادہ بھی اُسکا مُنہ ایسی جانب میں تھا کہ دھوپ اُسکے اندر نہیں جا سکتی تھی۔ اور کہف کہتے ہی وسیع غار کو ہیں (دیکھو تفسیر کبیر و کشاف)

؎٣٥ ھدایت اور ضلالت دو متضاد لفظ ہیں۔ ھدایۃ کے معنے ہیں راہ دکھانا اور راہ پر لے آنا۔ اور ضلالت کے معنے ہیں بے راہ ہو جانا۔ جب لفظ اضلال (مزید فیہ) کی اسناد خدا تعالےٰ کیطرف ہو تو اُسکے معنے گمراہ کرنے کے نہیں ہوتے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ ابتداءً نہ تو کسی کو گمراہی پر پیدا کرتا ہے۔ اور نہ بعد ازاں گمراہ کرتا ہے۔ ورنہ انبیاء کا بھیجنا۔ اور کتابوں کا نازل کرنا اور دیگر اسباب ہدایت عقل۔ فکر۔ سمع۔ بصر کا عطا کرنا بالکل مُہمل و بیکار ہوگا۔ معاذ اللہ منہا بلکہ اُس سے دو معنے دیگر مراد ہوتے ہیں۔

اوّل خِذلان، جیسا کہ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ اکبر میں فرمایا اِضلالُہٗ خِذلانُہٗ یعنے خدا تعالےٰ ہر طرح کی حجت پوری کرنے کے بعد ضدی اور متمرد نافرمان سے اپنی توفیق ہٹاکر اُسکو اُسکے حال پر چھوڑ دیتا ہے۔ یعنے آدمی خود گمراہی اختیار کرتا ہے۔ اور خدا تعالےٰ کی ہدایت کے مقابلہ میں ضد اور اصرار کرتا ہے۔ تو خدا تعالےٰ اُسکی دستگیری چھوڑ دیتا ہے۔ اور اُسے گمراہی میں رہنے دیتا ہے، جیسا کہ سورتِ نوح میں ہے کہ حضرت نوح نے خدا تعالےٰ سے شکایت کی وَاَصَرُّوْا یعنے میری قوم میرے وعظ و نصیحت کے مقابلے میں اصرار کرتی رہی ہے اسکے بعد اُن پر بد دعا کی اور کہا وَلَا تَزِدِ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا ضَلٰلًا یعنے اِن ظالموں کو ضلالت ہی میں زیادہ کر۔ نیز سورۂ اعراف میں فرمایا وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ یعنے اُن کو اُنکی سرکشی ہی میں چھوڑ دیتا ہے اور سورۂ بقرہ میں فرمایا فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا یعنے اُن کے دل میں ایک بیماری ہے پس اللہ تعالےٰ ان کو بیماری میں زیادہ کرتا ہے۔ اِس حالت کو قرآن شریف میں امہال بھی کہا گیا ہے یعنے خدا تعالےٰ اُن کی رسی ڈھیلی کر دیتا ہے۔ تو اُن کے لئے گمراہی کے اسباب اور زیادہ ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا یعنے ہم ان کو یہ مُہلت اِس لئے دیتے ہیں کہ وہ گناہوں میں زیادتی کرلیں۔ جب اُن کا کاسہ لبریز ہو جائے تو اُن کو ہلاک کریں۔ اِس تفصیل سے معلوم ہو گیا کہ یہ سب کچھ انسان کے اپنے اختیار کردہ ضلالت کی سزا میں کیا جاتا ہے،

دوسرے معنے یہ ہیں کہ باب افعال کا ہمزہ کبھی نسبت بماخذ کیلئے بھی آتا ہے۔ (نور الاصول) پس اِسکے معنے یہ ہونگے، کہ خدا تعالےٰ اپنی حجت پوری کرنے کے بعد ضدی اور متمرد لوگوں پر ضلالت و گمراہی کا فتوےٰ عائد کر دیتا ہے۔ یعنے وہ لوگ خدا کے نزدیک گمراہ قرار دیئے جاتے ہیں۔ پھر اُن پر ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ کا علم اور فتوےٰ غلط نہیں ہو سکتا۔

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُودٌ ۖ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَذَاتَ الشِّمَالِ

اور تو دیکھے پر ان کو سمجھے ہو کہ وہ جاگتے ہیں - حالانکہ وہ سوتے ہیں اور ہم انکی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں داہنی جانب اور بائیں جانب

وَكَلْبُهُم بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ ۚ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ

اور انکا کتا پھیلائے ہوئے ہے اپنے دونوں بازو چوکھٹ میں (اے پیغمبر!) اگر تم ان کو جھانک کر دیکھو تو البتہ تم ان سے

فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٩﴾

بھاگ کر پیٹھ پھیر لو اور البتہ تم ان سے رعب سے بھر جاؤ ﴿۱۹﴾

بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷ لیکن جس کی نسبت وہ کہدے کہ وہ گمراہ ہے - تو دوسرا شخص اگر یہ کوشش کرے کہ اُسے ہدایت پر لے آوے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے - کیونکہ خدا تعالے کا علم و فتوی کامل اور صحیح ہے - اور خطا و غلطی سے پاک ہے - اس بات کو ہم انسانی محاورے میں سمجھاتے ہیں - اس کے لیے ملاحظہ ہوں آیات ذیل :- وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ حَتَّىٰ يُبَيِّنَ لَهُم مَّا يَتَّقُونَ (توبہ پ ۱۱) (۲) نیز فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ (اعراف پ ۸) جب ایسے شخص پر ہدایت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے - تو اُسے ختم اور طبع اور لعنت سے تعبیر کیا جاتا ہے - ورنہ اللہ تعالے ابتداءً کسی کے دل پر مہر نہیں لگاتا یہ حالت وہ ہوتی ہے کہ انسان خدا کی درگاہ سے بالکل راندہ جاتا ہے - اور ہمیشہ کیلئے رحمت سے محروم کر دیا جاتا ہے جیسے أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فَأَصَمَّهُمْ وَأَعْمَىٰ أَبْصَارَهُمْ (پ ۲۶ محمد) نیز ایک جگہ فرمایا وَقَوْلِهِمْ قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَلْ طَبَعَ اللَّهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ (پ ۶ النساء) اور دوسری جگہ فرمایا وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۚ بَل لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ (بقرہ پ ۱) اول تو ہر دو جگہ کفر کو سبب طبع اور لعنت کا بتایا دیگر یہ کہ طبع کی بجائے لفظ لعنت ذکر کرکے بتا دیا کہ طبع و ختم سے مراد خدا کی لعنت یعنی اُسکی رحمت سے محرومی ہے - فافہم ولا تغفل

حواشی صفحہ ھذا ۳۶ وَتَرَى الشَّمْسَ سے نُقَلِّبُهُمْ تک سب صیغے فعل حال کے ذکر کئے ہیں - اور کلبھم باسط کی صورت بھی بمعنی فعل حال ہے حالانکہ حکایت زمانہ ماضی کی ہے - اسکی دو وجہیں ہیں - اول یہ کہ ہو سکتا ہے کہ ابھی تک اصحٰب کہف اسی حال میں ہوں - دوم یہ کہ کبھی زمانہ ماضی کے واقعہ کو بھی فعل حال میں ذکر کرتے ہیں مثلاً خواب کا واقعہ بعض دفعہ ماضی میں اور عموماً فعل حال میں بیان کیا جاتا ہے - اسی کو حال ماضی کہتے ہیں یعنی گذشتہ واقعہ کو اس طرح بیان کرنا کہ وہ اسوقت واقع ہو رہا ہے - کیونکہ ذہن میں اُسکی صورت بصورت واقعہ سامنے ہو جاتی ہے - پس اُسے اس طرح بیان کرنا کہ وہ اسوقت واقع ہو رہا ہے - بجا ہے - اور یہ بھی قواعد فصاحت میں داخل ہے ۱۲ منہ

۳۷ یہ سب غیبی سامان ہیں جو خدا تعالے نے ان کی حفاظت کے لئے پیدا کر دیئے تھے - پس جو دعا انہوں نے ہجرت کرنے کے وقت کی تھی یعنی رَبَّنَا آتِنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً وَهَيِّئْ لَنَا مِنْ أَمْرِنَا رَشَدًا وہ قبول ہو گئی اور جو حسن ظنی ذات خداوندی کی نسبت کی تھی یعنے يَنشُرْ لَكُمْ رَبُّكُم مِّن رَّحْمَتِهِ وَيُهَيِّئْ لَكُم مِّنْ أَمْرِكُم مِّرْفَقًا وہ بھی پوری ہو گئی - ایسے قدرتی رعب کے سامانوں کی نسبت مولنا روم صاحب حضرت عمرؓ کے اس واقعہ میں لکھتے ہیں جو قیصر روم کے قاصد کے متعلق ہے ؎

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت آں مرد صاحب دلق نیست

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ؕ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ

اور (جس طرح ہمنے اُنکو اتنی مدت سلائے رکھا) اسی طرح ہمنے انکو جگا بھی اٹھایا۔ کہ وہ آپس میں دریافت کریں (چنانچہ) اُنمیں سے ایک نے کہا کہ تم (یہاں) کتنی مدت ٹھیرے

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا

(بعض) نے کہا کہ ہم ٹھیرے ایک پورا دن یا دن کا کچھ حصہ (پھر علامات سے سمجھکر بعض) کہنے لگے تمہارے ٹھیرنے کی مدت تمہارا رب ہی خوب معلوم ہے۔ پس

اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

اِس ذکر کو چھوڑو کر اپنے میں سے ایک کو اپنی اس نقدی کیساتھ شہر میں بھیجو پس وہ دیکھے اُن میں سے کون زیادہ پاکیزہ کھانا رکھتا ہے پس تمہارے لئے اس سے روزی لائے

سوال ۳۶: صرف اقامت کی مدت معلوم کرانے کیلئے اتنا اہم اور عجیب واقعہ صادر کرنیکی کیا ضرورت تھی؟

جواب: یہ محض اسلئے نہ تھا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دریافت کرنے پر جب اُن کو معلوم ہوگا۔ کہ ہم عرصہ دراز تک یہاں پر سوئے رہے ہیں اور بے آب و دانہ اتنی مدت زندہ رہے ہیں تو اُن کو خدا تعالیٰ کی قدرت یاد آئیگی۔ اور جب خدا تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق واقعات سے پائینگے تو اُن کا ایمان زیادہ ہوگا۔ اور ان کا یہ واقعہ دیگر لوگوں کو معلوم ہوگا۔ تو ان کے لئے قیامت کے امکان کا ایک ثبوت ظاہر ہوگا۔ چونکہ ان سب امروں کی چابی یہی دریافتِ حالات کے سوال و جواب ہیں اِس لئے اِسی کو ذکر کیا اور باقی سب امور جو اس سے پیدا ہوسکتے تھے اُن کو ذہن کی رسائی کیلئے حذف کر دیا۔ اِس لئے کہ حذف میں حظِّ دماغی ہوتا ہے۔ اور موقع مناسب پر حذف بہ نسبت ذکر کے فصیح و بلیغ گنا جاتا ہے (دیکھو کتب بلاغت)

لفظ **اَزْكٰى** ذاتی، شرعی اور صنعتی ہر طرح کی پاکیزگی پر شامل ہے۔ ذاتی یہ کہ وہ کھانیکی چیز اپنی ذات کے لحاظ سے طیب و پاک ہو خبیث و پلید نہ ہو۔ آنحضرت کی شان میں کتب سابقہ کے حوالہ سے فرمایا وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ (اعراف پ ۹) یعنی وہ نبی آخرالزمان حلال کریگا واسطے اُنکے طیب چیزیں اور حرام کریگا خبیث چیزیں۔ شرعی پاکیزگی دو طرح پر ہے۔ اول یہ کہ وہ شے ذاتی طور پر پاک ہونیکے علاوہ شرع میں بھی حلال ہو۔ مثلاً بکری کا گوشت اپنی ذات میں پاک ہے۔ پکایا بھی جائے پانی پاک سے اور پاک برتن میں! اُسمیں گھی اور مسالے بھی حلال ڈالے جائیں۔ لیکن وہ بکری اسلامی طریق پر خدا کے نام پر ذبح نہ کی جائے بلکہ جھٹکا کر کے یا گلا گھونٹ کر ماری جائے یا خدا کے سوا کسی اور کے نام سے ذبح کی جائے یا شرک میں پھنسے ہوئے جاہل مسلمان نے غیر اللہ کے نام پر یا غیر اللہ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے نیاز پکائی ہو تو ایسا کھانا بدلیل آیت وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ (انعام پ) نیز بدلیل آیت وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ (بقرہ پ) حرام ہوگا۔ صحیح مسلم، سنن نسائی اور مسند امام احمد میں حضرت علیؓ سے مروی ہے۔ کہ آنحضرتؐ نے چار چیزیں لعنت کی ذکر کیں۔ ایک اُن میں سے یہ فرمائی وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ (صحیح مسلم جلد ۲ صفہ ۱۶۱) یعنے خدا نے اُس شخص پر بھی لعنت کی ہے۔ جو خدا کے سوا کسی اور کے لئے ذبح کرے امام نوویؒ وغیرہ شارحین حدیث نے فرمایا کہ مراد یہ ہے کہ جسنے غیر اللہ کا قرب حاصل کرنے کیلئے ایسا کیا اُسپر لعنت ہے اور یہ بھی کہا کہ برابر ہے کہ وہ ذبح کرنیوالا کوئی مسلمان ہو یا نصرانی ہو یا یہودی ہو اور یہ بھی کہا کہ اگر وہ پہلے سے مسلمان ہے تو اسطرح ذبح کرنیوالا مرتد ہو جائیگا۔ (اَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ) حنفی مذہب کی کتب مثل در مختار اور اسکی شرح رد المحتار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ اور اِس مسئلہ میں علمائے اہلحدیث اور شافعیہ اور حنفیہ سب کا اتفاق ہے۔ عبارات بخوفِ طوالت نقل نہیں کی جاسکتیں دوسری صورت شرعی حلت کی یہ ہے کہ کھانیکی وہ چیز حلال وجہ سے حاصل کی گئی ہو یا حلال کمائی سے حاصل کی گئی ہو۔ رشوت۔ غضب۔ چوری ڈاکہ اور ٹھگ بازی وغیرہ باطل وجوہ سے حاصل نہ کی گئی ہو۔ اور **صنعتی** پاکیزگی یہ ہے کہ وہ کھانا پاک برتن اور پاک پانی سے تیار کیا گیا ہو۔ اور بعد تیاری کے پاک و صاف برتن میں رکھا گیا ہو۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابو ثعلبہ خشنیؓ نے عرض کیا کہ حضور! ہم اہل کتاب قوم کی سرزمین میں رہتے ہیں تو کیا ہم اُن کے برتنوں میں کھا لیا کریں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ مگر اس صورت میں کہ ان کے سوا تمکو دوسرے برتن نہ ملیں۔ تو انکو دھو لیا کرو۔ (بلوغ المرام صفہ) اسکی وجہ یہ تھی کہ اہل کتاب لوگ خلاف شرع شراب پیتے اور خنزیر کھاتے تھے۔ جیسا کہ اب بھی کرتے ہیں۔ پس ایک مسلمان کو بحیثیت پیغمبر آخرالزمان کا امتی ہونے کے اِن باتوں کا لحاظ ضرور کرنا چاہیے۔

وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا ﴿٢٠﴾ إِنَّهُمْ إِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ

اور چاہئے کہ یہ کام چپکے سے کرے اور تمہاری خبر کسی کو نہ بتائے ۔ ضرور ہے اگر وہ تم سے آگاہ ہو گئے تو

يَرْجُمُوكُمْ أَوْ يُعِيدُوكُمْ فِي مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوا إِذًا أَبَدًا ﴿٢١﴾

قتل کر دینگے یا تمکو اپنے مذہب میں واپس کر لینگے۔ اور پھر تم کبھی کبھی نجات نہ پاؤ گے

وَكَذَٰلِكَ أَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوا أَنَّ وَعْدَ اللَّهِ حَقٌّ

اور اسیطرح ہمنے (لوگوں کو) ان پر واپس کر دیا۔ تاکہ وہ جان لیں کہ خدا کا وعدہ حق ہے

؃ وَلْيَتَلَطَّفْ پر تے، اور لام کے درمیان تعداد حروف کے لحاظ سے نصف قرآن ختم ہو جاتا ہے۔

؃ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا میں راز داری کا سبق ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ کے ذکر میں فرمایا۔ کہ اُن کی ماں نے اپنی بیٹی سے کہا کہ تو اس صندوق کے پیچھے پیچھے چلی جا فَبَصُرَتْ بِهِ عَنْ جُنُبٍ وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ (پ ٢) اسی طرح مسلمانوں کو سمجھایا وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنْبِطُونَهُ مِنْهُمْ (النساء پ ٥) یعنے جب ان کو امن یا خوف کی خبر ملتی ہے۔ تو اسکی عام اشاعت کر دیتے ہیں۔ اگر یہ لوگ اس خبر کو رسول اللہ صلعم کیطرف اور اپنے میں سے مختار کاروں کی طرف لوٹاتے۔ تو ان میں سے جو تحقیق کرنے والے ہیں وہ اُسکی اصلیت معلوم کر لیتے،

افسوس! باوجود ان تصریحات کے مسلمان ایسے ناعاقبت اندیش اور بے حوصلہ ہو گئے ہیں کہ بڑے بڑے اہم کاموں میں بھی رازوں کو محفوظ نہیں رکھتے، کام کرنا یا اُسے شروع کرنا تو بڑی بات ہے ابھی پختہ یا خام مشورہ بھی نہیں ہونے پاتا۔ کہ ڈھول پیٹ دیتے ہیں اور غضب یہ ہے کہ پھر کرتے کراتے کچھ بھی نہیں جس سے ہوا اُکھڑ جاتی ہے۔ اور غیروں کے سامنے خفت حاصل ہوتی ہے فَإِنَّا لِلَّهِ الخ اس کے مقابلے میں برادران وطن کو دیکھئے کہ سب کام ایسے راز سے کرتے ہیں۔ کہ ہوا تک نہیں نکلتی۔ بلکہ با اوقات سب کچھ ہو چکنے کے بعد بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ یہ کام کسی کیا۔ اور کس طرح ہو گیا۔ قرآن کریم نے نظام قومی کے جو اصول بتائے ہیں وہ عمل کے متعلق ہیں انہیں ہندو، مسلمان۔ عیسائی۔ وغیرہ مذہبی امتیازوں کا لحاظ نہیں ہے۔ جو بھی اُن پر عمل کرے گا۔ وہ کامیاب ہو جائیگا مسلمانو! ہوش کرو۔ اور وقت کی نزاکت کو سمجھو، اور محض منہ کی ہوائیاں چھوڑ چھوڑ کر اپنی ہوا نہ بگاڑو،

؃ رجم کے معنے سنگسار کرنے کے بھی ہیں اور مطلق قتل کرنے کے بھی (مصباح) امام رازی اور زمخشری وغیرہ نے اس جگہ رجم کے معنے قتل ہی کے کئے ہیں

؃ ارتداد سے سب سابقہ اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اسلئے کہا کہ پھر تم کبھی نجات نہ پاؤ گے ١٢ منہ

؃ وکذالک یعنے کھانے کی حاجت پیدا کرنے اور شہر میں بھیجنے سے ہمنے اُس شہر کے لوگوں کو اُنپر آگاہ کر دیا مفسرین نے لکھا ہے کہ جو شخص کھانا لینے کے لئے شہر میں گیا تھا۔ جب اسنے کھانے کی قیمت دی، تو چونکہ وہ سکہ پرانا تھا۔ اس لئے شہریوں نے سمجھا کہ اُس نے کہیں سے پرانا دفینہ پایا ہے اُس شخص نے کہا کہ میں اِسی شہر کا رہنے والا ہوں۔ اور میں کل یہیں تھا۔ لوگ اُسکو حاکم شہر کے پاس لیگئے تو اُسنے اپنا سارا قصہ کہہ سنایا۔ حاکم مع اہل شہر کے اُسکے ساتھ غار پر گیا۔ تو اُس شخص نے کہا پہلے مجھے اندر جانے دو۔ وہ اندر گیا تو خدا تعالےٰ نے غار کے اندر جانے کے رستے کو اُن تمام لوگوں پر مخفی کر دیا اور وہ اندر نہ جا سکے۔ آخر انہوں نے غار کے منہ پر ایک مسجد تعمیر کر دی (جامع البیان)

وَأَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا إِذْ يَتَنَازَعُونَ بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا

اور (نیز) یہ کہ قیامت کے وقوع میں شک نہیں ہے ۔ جب وہ اپنے امر میں آپس میں تنازع کرتے تھے تو (بعض) کہنے لگے

ابْنُوا عَلَيْهِم بُنْيَانًا ۖ رَّبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ

کہ ان پر ایک عمارت بنا دو ۔ انکا رب (آئندہ) حال سے بہتر واقف ہے جو لوگ (آخرکار) اپنے امر میں غالب آئے انہوں نے

لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم مَّسْجِدًا ﴿۲۲﴾ سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ

کہا کہ ہم ان پر ایک مسجد بنا ئیں گے ۔ البتہ (بعض) تو کہینگے کہ (وہ) تین تھے چوتھا انکا کتا تھا اور (بعض) کہینگے کہ (وہ) پانچ تھے

سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۖ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ

چھٹا انکا کتا تھا ۔ (یہ ہر دو گروہ) غیب سے پتھر چلاتے ہیں ۔ اور (بعض) کہینگے کہ وہ سات تھے اور آٹھواں انکا کتا تھا ۔

قُل رَّبِّي أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۚ

(اے پیغمبر!) تم کہو میرا رب بہتر جانتا ہے انکی گنتی کو ۔ نہیں جانتے ان کو مگر تھوڑے

ف اس واقعہ سے امکان قیامت کا ثبوت اس طرح ہے ۔ کہ تین سو نو سال تک سوئے رہنا اور بے آب و دانہ زندہ رہنا اور ان کے جسموں کا قائم رہنا عام عادت کے خلاف ہے جو انسان کے مشاہدے اور تجربے میں ہے ۔ پس جس طرح خدا نے یہ کام کر دکھایا ۔ اسی طرح مردوں کو بھی زندہ کریگا ۔ کیونکہ قیامت کی زندگی بھی عام عادت کے خلاف ہے ۔ ورنہ یہ محال عقلی نہیں ہے ۔ اور محال عادی اور محال عقلی میں فرق ہوتا ہے محال عادی ممکن بالذات ممتنع بالغیر ہوتا ہے ۔ اور محال عقلی ممتنع بالذات ہوتا ہے ۔ فافہم ۱۲ منہ

ف ان کا تنازع امکان قیامت کے متعلق تھا ۔ یا عمارت کی نوعیت کے متعلق جو وہ وہاں کھڑی کرنی چاہتے تھے ۔

ف اصحاب کہف کی گنتی میں کئی قول ہیں جیسا کہ متن قرآن میں مذکور ہے ۔ قرآن شریف نے نہایت لطیف طور پر اشارہ کر دیا ہے ۔ کہ وہ سات تھے ۔ علامہ زمخشری رح نے کہا پہلے دو قولوں کے ساتھ واؤ نہیں آئی ۔ اور تیسرے کے ساتھ واؤ آئی ہے ۔ اور ایسے مواقع میں واؤ تاکید لصوق اور ثبوت و استقرار کے لئے آتی ہے ۔ پس تیسرا قول یعنے سات والا قول درست ہے ۔ نیز یہ کہ پہلے دو قولوں کی نسبت فرمایا کہ وہ غیبی پتھر چلاتے ہیں ۔ اور اس تیسرے قول کیساتھ فرمایا مَا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ اور حضرت ابن عباس رض فرماتے ہیں کہ ان قلیل میں سے جو انکی تعداد جانتے ہیں ۔ میں بھی ہوں اور وہ یہ ہے کہ وہ سات تھے ۔ اور ایسا ہی حضرت علی رض سے بھی منقول ہے ۔ کہ اصحاب کہف کی گنتی سات تھی ۔ باوجود اس کے خدا تعالے نے اس امر میں خوض کرنے اور دلچسپی سے جھگڑا کرنے سے منع کر دیا ۔ کیونکہ مہاجرین کے لئے خدا کی نصرت اور امکان قیامت کا جو ثبوت اس واقعہ میں ہے ۔ وہ کسی خاص تعداد سے تعلق نہیں رکھتا ؛

ف یعنے حقیقت واقعی کے اظہار کیلئے حق حق بیان کر دینا ضروری ہے ۔ سو کر دیا اس سے بڑھکر زیادہ کاوش کرنے کی ضرورت نہیں ۔ لہذا ایسے امور میں صرف سرسری گفتگو کافی ہے ۔ مسلمانو! دیکھو قرآن شریف لایعنی باتوں کی موشگافیوں سے کیسے عجیب طریق سے منع کرتا ہے ۱۲ منہ

فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم مِّنْهُمْ أَحَدًا ﴿٢٣﴾

پس (اے پیغمبر!) اِنکے بارے میں جھگڑا نہ کرنا مگر محض سرسری طور پر اور ان کے بارے میں ان لوگوں میں سے کسی سے بھی کچھ دریافت نہ کرنا

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاىْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا ﴿٢٤﴾ إِلَّا أَن يَشَآءَ اللَّهُ

اور کسی اَمر کی نسبت یہ ہرگز نہ کہنا کہ میں اِسے کل کرنے والا ہوں ۲۴ مگر (ساتھ اِس قول کے یہ کہ) چاہے اللہ

ف۴۹ جب اہل کتاب کے پاس سوائے ظن اور تخمین اور رجم بالغیب کے کچھ ہے ہی نہیں تو اُن سے دریافت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ پوچھیں اُس سے جس کے پاس علم یقینی ہو۔ سو وہ وحی خدا ہے۔ جو پیغمبر اسلام پر آئی اور اہل کتاب کے پاس نہیں ہے مسلمانو! اس میں بھی تمہارے لئے نصیحت ہے۔ کہ ظن و تخمین اور اٹکل اور قیاس سے فتوے دینے والے سے مسئلہ نہ دریافت کیا کرو۔ بلکہ صرف اُس سے پوچھو جسے قرآن وحدیث کا علم ہے۔ کیونکہ یہ ہر دو وحی خدا ہیں۔ اسی معنے میں آنحضرت ص نے فرمایا کہ (اخیر زمانہ میں) علم قبض ہو جائیگا۔ تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار مقرر کر لینگے۔ پس وہ اُن کو بغیر علم کے فتوے دینگے۔ وہ خود بھی گمراہ ہونگے۔ اور اوروں کو بھی گمراہ کرینگے۔ (صحیح بخاری ملخصاً کتاب العلم)

ف۵۰ اِس جگہ لفظ شیءٍ کا رسم الخط اِس طرح ہے۔ لِشَاىْءٍ یعنے ش اور ی کے درمیان الف زیادہ کیا جاتا ہے

ف۵۱ شان نزول اِس طرح ہے۔ کہ جب کفار مکہ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے حقیقت روح اور اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصے کی نسبت سوال کیا۔ تو آپ نے وحی الٰہی کے اعتماد پر کہدیا۔ کہ کل بتادوں گا۔ اور آپ کو انشاء اللہ کہنا بھول گیا۔ چند روز وحی نہ آئی۔ تو آپ کو نہایت غم ہوا خدا تعالےٰ نے سوالات کے جواب بھی نازل فرمائے اور ساتھ ہی یہ بھی ہدایت فرمائی۔ کہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔ کہ جو کام کل کرنا ہو۔ اُسکی بابت بغیر انشاء اللہ کہنے کے کہدو کہ کل کرونگا اگرچہ یہ نسیان تھا جیسا کہ اسجگہ فرمایا وَاذْكُر رَّبَّكَ إِذَا نَسِيتَ۔ لیکن حافظ ابن حزم رح نے کہا ہے۔ کہ ہم اُمتی لوگوں کو نسیان پر گرفت نہیں ہوتی لیکن انبیاء علیہم السلام کو اس پر بھی گرفت و تنبیہ ہوتی ہے۔ اگرچہ وہ عمداً خدا کی مرضی کے خلاف کرنے سے بالکل معصوم ہوتے ہیں۔ اُنسے صغیرہ یا کبیرہ کسی قسم کا گناہ عمداً سرزد نہیں ہوتا۔ لیکن نسیان یا خطائے اجتہادی سے (بعض وقت بدرجہ شُذ و نُدرت) اُن سے لغزش ہو جاتی ہے۔ اُن کے علو مرتبت کے لحاظ سے اُن کو اسپر بھی جناب الٰہی سے عتاب ہوتا ہے سچ ہے "مقربان را بیش بود حیرانی" پس قرآن وحدیث میں جس جس لغزش یا خطا کا ذکر ہے۔ اُسکی حقیقت ایسی ہی ہے۔

عصمتِ انبیاء کے متعلق ہماری سابقہ تین کتابیں ہیں۔ عصمتِ انبیاء عیسائیوں کی کتاب بیگناہ نبی کا جواب ۱۹۱۳ء کئی سال سے ختم ہے اب نہیں مل سکتی۔ عصمت النبی قصہ غرانیق کے متعلق عیسائیوں کا اعتراض اور اسکا ابطال۔ دفتر اہلحدیث امرتسر سے بقیمت ۲؍ مل سکتی ہے عصمت و نبوت۔ عیسائیوں کی زہریلی کتاب (معاذ اللہ) "عدم معصومیت محمد" کا جواب ۱۹۲۶ء کئی سال سے ختم ہے۔ اب نہیں مل سکتی، ۱۲ منہ اس کا حاشیہ صفحہ ۲۱ پر نمبر ف۴۸ میں دیکھو،

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ ۵۲ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا

اور یاد کر رب اپنے کو جب تو بھول جائے ۵۲ اور کہہ کہ امید ہے کہ میرا رب مجھے ایسے امر کی ہدایت کرے جو زیادہ قریب ہے اس

رَشَدًا ۵۳ ﴿۲۵﴾ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۶﴾

(قصہ سے) ہدایت میں ۵۳ اور ٹھیرے رہے وہ اپنی غار میں تین سو سال تک اور (قمری حساب) سے نو سال اوپر ۵۴

قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ۚ لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ

تو کہہ خدا بہتر جانتا ہے اس (مدت) کو جو وہ رہے اسی کو معلوم ہے غیب آسمانوں کا اور زمین کا (سبحان اللہ) وہ کیسا دیکھنے والا اور

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۡ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿۲۷﴾

نہ تو اُسکے سوائے انکا کوئی کارساز ہے اور نہ وہ اپنے حکم میں کسی اور کو شریک بناتا ہے ۵۵

۵۲ اگر کسی موقع پر انشاء اللہ کہنا بھول جائیں تو جب یاد آوے تب کہہ لیں۔ اسی بنا پر حدیث میں وارد ہوا ہے۔ مَنْ نَّسِيَ صَلٰوةً فَلْيُصَلِّهَا اِذَا ذَكَرَهَا الحدیث (منتقٰی ص ۴۱) جو نماز بھول جائے چاہئے کہ اُسے پڑھ لے جب اُسکو یاد کرے۔

۵۳ مطلب یہ معلوم ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم) کہ اے پیغمبر! آپ جو اس موقع پر انشاء اللہ کہنا بھول گئے ہیں تو بعض لوگ اس پر اعتراض کرینگے۔ اور آپ کو بھی غم ہوگا۔ تو آپ اس کے جواب میں کہیں اور خود بھی سمجھیں، کہ اس بھول جانے کی وجہ سے جو جو ہدایات خدا نے آپ پر نازل کیں، ان میں آپ کے لئے بہت بھلائی ہے۔ پس یہ بھول موجب حرمان فیض نہیں۔ بلکہ مزید حسنات و خیرات کے حاصل ہونے کا باعث ہے۔ اسی معنے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں بھولتا نہیں بلکہ بھلایا جاتا ہوں۔ کہ میں تم اُمتیوں کے لئے طریقہ تلافی کی بنیاد رکھوں۔ اِس سے معلوم ہوسکتا ہے۔ کہ مقربین کی لغزش میں بھی خدا کی حکمت ہوتی ہے۔ اور وہ دیگر لوگوں کے لئے موجب برکات ہوتی ہے۔ ۱۲ منہ

۵۴ تین سو نو سال اکٹھے ذکر نہیں کئے، بلکہ دو ٹکڑوں میں ذکر کئے۔ تین سو الگ اور نو الگ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سال کے دنوں کی گنتی دو طرح پر ہے۔ سورج کے حساب سے اور چاند کے حساب سے، چاند کا سال سورج کے سال سے قریباً دس دن چھوٹا ہوتا ہے۔ اس حساب سے تین سال میں ایک ماہ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اور ایک سو سال میں تین سال کا۔ پس تین سو سال میں نو سال کا فرق ہوا یعنے شمسی حساب سے تین سو سال ہوئے۔ اور قمری حساب سے نو اسپر زیادہ کرلو۔ تو تین سو نو سال ہوئے سبحان اللہ! ۱۲ منہ

۵۵ یہاں پر اصحاب کہف کا قصہ ختم ہوگیا ہے۔ اس کے بعد وَاتْلُ سے ذوالقرنین کے قصے تک دیگر نتائج و فوائد مذکور ہیں۔ جن کو اس قصے سے تعلق و مناسبت ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ

اور (اے پیغمبر!) تو پڑھا کر جو وحی کیا گیا تیری طرف تیرے رب کی کتاب سے اُسکی باتوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہے

وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۸﴾ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ

اور تو اُس کے سوائے ہرگز کوئی بھی جائے پناہ نہیں پائیگا۔ اور جمائے رکھ دل اپنا اُن لوگوں کے ساتھ جو

يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ

پکارتے رہتے ہیں اپنے پروردگار کو صبح اور شام - چاہتے ہیں اُسکی ذات کی رضامندی

ف۵۴ جب آیاتِ سابقہ میں لایعنی باتوں میں جھگڑا کرنے سے اور اُن لوگوں سے جنکے پاس وحی آسمانی نہیں ہے کوئی بات دریافت کرنے سے منع کردیا اور صرف وحی خدا پر اعتماد کرنے کا حکم کیا۔ اور نسیان ہوجانے کے بعد جب یاد آجاوے، اُسی وقت خدا کا اسم ذکر کرلینے کا حکم کیا تو اسکے بعد قرآن شریف کی تلاوت کا حکم کیا۔ جو ہر جہت سے سب سے افضل ہے۔ کسی بُری عادت کو عملی طور پر چھوڑانے کے لئے مؤثر طریق یہ ہے۔ کہ اسکی بجائے کوئی نیک شغل تعلیم کرکے اسپر عمل کرایا جائے۔ قرآن شریف میں اس طریق کا لحاظ بکثرت ہے۔ اسی کے مطابق لایعنی باتوں کا شغل چھوڑانے کے لئے یہاں پر قرآن شریف کی تلاوت کا حکم کیا فافہم ۱۲ منہ

نیز اسکی تلاوت سے دلپر اس بات کا گہرا اثر پڑیگا۔ کہ خدا پرست دیندار اگر ایک وقت مظلوم و مقہور ہیں حتّٰی کہ وہ ترکِ وطن پر بھی مجبور ہوگئے ہیں۔ تو خدا کی نصرت اُن کے شاملِ حال ہی رہتی ہے۔ انجام کار وہی مظفر و منصور ہوتے ہیں۔ اور ظالم بیدین صفحۂ ہستی سے نابود ہوجاتے ہیں۔ یہ خدا کے وعدے ہیں، جو قرآن شریف کی تلاوت سے معلوم ہوتے رہتے ہیں۔ اور وہ بالکل اٹل ہیں کوئی نہیں جو اُن کو ٹال سکے۔ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ کے یہی معنے ہیں یہ اثر اصحابِ کہف کے قصّے کی جان ہے۔ اور اس سُورت کے نزول کا زمانہ ہجرت حبشہ کے بعد اور ہجرت مدینہ سے چندے پیشتر کا ہے۔ جو مسلمانوں پر نہایت تنگی کا زمانہ تھا۔ چنانچہ ہجرتِ مدینہ کے بعد خدا کے سب وعدے پورے ہوگئے۔

ف۵۵ یعنے اصلی جائے پناہ صرف خدا تعالےٰ ہی ہے۔ پس مصائب کے وقت اُس کا دامن چھوڑ کر کسی دیگر کی پناہ تلاش کرنی لاحاصل ہے اُسکے سوا کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا وَھُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْہِ (مومنون پ۱۸) یعنے وہ سبکو پناہ دیتا ہے اور اُسکی پکڑ پر کوئی بھی پناہ نہیں دے سکتا۔ سچ ہے ؎ ہیں تیرے سوا سارے سہارے کمزور۔ اور سب ہیں اپنے لئے اور تو سب کے لئے۔

ف۵۶ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اصحابوں میں بعض نہایت غریب آدمی بھی تھے۔ مثلاً حضرت سلمان فارسیؓ اور بلال حبشیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم۔ اگر خدا تعالےٰ نے اِدھر اِن کو دنیوی مال میں کم حیثیت بلکہ بے حیثیت رکھا تھا۔ تو دوسری طرف شہنشاہِ کونین کی پاک صحبت کے فیوض و برکات سے مالامال بھی کر رکھا تھا۔ اِن کی اس ظاہری خستہ حالی کو دیکھکر بعض مالدار کفار نے آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ ہم آپ کی مجلس میں تو آئیں لیکن ان لوگوں کے کپڑوں کی بدبو کی وجہ سے نہیں آسکتے۔ اگر آپ کسی وقت اپنی مجلس کو اُن سے فارغ رکھیں تو ہم آسکتے ہیں خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو حکم دیا کہ ان خدا یاد لوگوں کی صحبت کو لازم پکڑے رکھنا۔ اور اپنی آنکھ ان سے ہرگز نہ ہٹانا کیونکہ "کند ہمجنس با ہم جنس پرواز" انگریزی زبان میں بھی ایک مثل ہے جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "کہ آدمی اپنے ہمنشین سے پہچانا جاتا ہے۔" غرض خدا تعالےٰ نے آنحضرتؐ کو اہل دنیا کی صحبت اور اُن کی باتوں میں آنے سے منع فرمایا۔ خصوصًا اُن کی اِس ذہنیت کی سخت مذمت کی کہ وہ صالحین و خدا یاد فقراء کو نظرِ حقارت سے دیکھتے ہیں۔ (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۵ پر)

وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ

اور نہ ہٹیں آنکھیں تیری اُن سے کہ چاہے تو زینت دُنیاوی زندگی کی اور نہ کہا مان

مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا (۲۸)

اس شخص کا جسکا دِل ہمنے اپنے ذکر سے غافل کر دیا اور پیچھے لگا وہ اپنی خواہش کے اور ہے معاملہ اسکا حد سے بڑھا ہوا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴ - اور خود یادِ خدا سے ایسے غافل ہیں کہ اسکا نام تک نہیں لیتے اِس مضمون کی آیات دیگر بھی بہت ہیں۔ مثلاً (عجرٰب) و (طٰہٰ پ) اور سورۃ انعام پ ۷) حضرت نوح کو بھی اُن کی قوم کے کفار نے یہی کہا تھا - کہ آپ کے تابعدار رذیلے لوگ ہیں اور اب بھی متکبر دنیادار خستہ حال صالحین کو ایسا ہی کہتے اور ذلیل جانتے ہیں لیکن خدا کے ہاں جو عزت صالحین کی ہے - وہ بے دین دنیاداروں کی نہیں ہے ؎ گدایاں را ازیں معنے خبر نیست کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز -

آنحضرت صلعم کو مساکین سے کمال محبت تھی اور خود بھی مسکنت پسند تھے - چنانچہ آپ کی دُعا ہے - اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَّ اَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا وَّ احْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَةِ الْمَسَاكِيْنِ الحدیث (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۷) یعنے خداوندا! مجھے حالتِ مسکینی ہی میں زندہ رکھ اور حالتِ مسکینی ہی میں موت دینا اور (قیامت کے دن) مسکینوں ہی کے زمرے میں میرا حشر کرنا ؟

(۲) نیز لوگوں کو آپ کا ارشاد تھا اِبْغُوْنِيْ فِيْ ضُعَفَائِكُمْ فَاِنَّمَا تُرْزَقُوْنَ اَوْ تُنْصَرُوْنَ بِضُعَفَائِكُمْ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۷) یعنے مجھے تلاش کرو یا میری رضا تلاش کرو - اپنے ضعیف الحال لوگوں میں کیونکہ بات یہی ہے - کہ تم رزق دیئے جاتے ہو - یا (فرمایا) مدد دیئے جاتے ہو اپنے ضعیف الحال (صلحا) لوگوں کی وجہ یا برکت سے ؟

(۳) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں ہمنے ستر اصحاب صُفہ کو دیکھا اُن میں سے ہر شخص کی ایک ہی چادر تھی - یا تہ بند تھا - یا اوپر کی چادر - جن کے سرے اُنہوں نے گردنوں سے باندھ رکھے تھے - بعض اُن میں سے نصف پنڈلیوں تک پہنچتے تھے - اور بعض ٹخنوں تک پس وہ اُسے اپنے ہاتھوں سے تھامے رکھتا تھا - اِس ڈر سے کہ کہیں اسکا پردہ ننگا ہو کر دکھائی نہ دے رواہ البخاری (مشکوٰۃ صفحہ ۴۳۹)

قرآن شریف میں آنحضرتؐ کو اس موقع پر ان ضعفاء مہاجرین سے دل لگانے رکھنے کا حکم اسلئے ذکر کیا - کہ اسے اصحاب الکہف کے قصّے سے مناسبت ہے -

حاشیہ صفحہ ۲۵ ۵۹ - دل لطیفہ غیبی اور اسرار اور معرفت الٰہی کا خزینہ ہے - لیکن دنیا اور اُسکی لذائذ کی ناجائز محبت کی وجہ سے اسپر پردہ آجاتا ہے - تو وہ خدا کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے حالانکہ خدا کی طرف متوجہ ہونا اسکی فطرت میں رکھا ہوا ہے - کھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکا تیرا - یہ پردہ گاڑھا ہو ہو کر آخر کار زنگ کی صورت میں جم جاتا ہے - جیسا کہ فرمایا - كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ (تطفیف) یعنے انکے بُرے اعمال کی وجہ سے انکے دلوں پر زنگ آگیا ہے یہ مضمون آیات و حدیث میں بکثرت مذکور ہے - اعاذنا اللّٰہ منہا ۱۲ منہ

ف غافل کرنے کو خدا نے اپنی طرف نسبت کیا ہے اسکی وجہ ایک تو وہی ہے جو ہمنے سابقاً حاشیہ نمبر صـــ میں لکھی ہے - دیگر یہ کہ ذاتِ حق ہر امر میں علت العلل ہے - اور جملہ افعال کی تاثیریں اور نتائج اُسی کی طرف منسوب ہیں غفلت فعل انسان کا ہے - اور اسپر اسکا نتیجہ مترتب کرنا خدا کا کام ہے - اسلئے نتیجہ کے لحاظ سے خدا کی طرف منسوب کیا - یہ خدا تعالےٰ کا نہایت درجہ کا غضب ہے - کہ کسی کی بدعملیوں کی وجہ سے ارحم الراحمین اُسکے ساتھ ایسا سلوک کرے - اسلئے اظہارِ غضب کیلئے اس فعل کو اپنی طرف نسبت کیا - اور واسطے اظہارِ جلال کے بصیغہ جمع فرمایا یعنی اَغْفَلْنَا جن دنیاداروں کے دلوں پر دُنیا کی ناجائز حُب کی چربی چڑھ گئی ہے - اور اُسپر اعتقادیوں اور بدعملیوں کی کثافت بیٹھ بیٹھ کر اُن کے دلوں پر کھنڈ جم گئے ہیں یا قرآنی محاورہ کے رُو سے اُن پر زنگ آگیا ہے اُنکو خدا تعالےٰ کے ایسے بُرے اور غضبناک

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ

اور (اے پیغمبر!) کہو حق تمہارے رب کی طرف سے (ثابت ہو چکا) ہے پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کرلے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ؕ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا

ہمنے ظالموں کیلئے آگ تیار کر رکھی ہے۔ جن کے خیمے ان کو گھیرے ہونگے ۶۳ اور اگر وہ پانی مانگیں گے

يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ؕ بِئْسَ الشَّرَابُ ؕ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ﴿۳۰﴾

تو مثل تلچھٹ کے پانی دیا جائیگا۔ جو چہروں کو بھی جھلس دیگا۔ بہت برا ہوگا جو ان کو پینے کو ملیگا۔ اور بہت برا ہوگا انکا ٹھکانا ۶۵

(بقیہ حاشیہ ص ۲۵) ایسے لوگ خواہش کے پیرو ہو کر عقل اور شرع کے نزدیک بھی نہیں پھٹکتے، اُن کے سب کام حد شرع سے باہر ہوتے ہیں اور خواہش نفسانی کا انجام ہلاکت ہوتا ہے۔ حدیث ابی ہریرہ رضؓ میں فرمایا۔ کہ تین مہلکات ہیں ایک انمیں سے هَوًى مُّتَّبَعٌ فرمایا یعنے خواہش نفسانی جسکی پیروی انسان کرے۔ وہ مہلک ہے۔ (مشکوٰۃ ص ۴۲۶)

حاشیہ صفحہ ھذا ۶۲ خدا بیزاد لوگوں کو حقیر جاننے والوں اور خدا کی یاد سے غفلت کرنیوالوں کی تباہی کا بیان کرنے کے بعد فرمایا کہ حق خدا کی طرف سے ظاہر ہوچکا ہے۔ اب کوئی ایمان لائے تو اپنے اختیار سے، اور کفر کرے تو اپنے اختیار سے اِس سے جتا دیا، کہ ایمان لانے یا کفر پر مصر رہنے کے لئے جو اختیار دیا گیا ہے۔ اُس کے معنے یہ نہیں۔ کہ دونوں کا انجام برابر ہے۔ بلکہ اس میں امیر غریب کی تمیز نہیں۔ کہ امیروں کی امیری کا لحاظ کرکے اُن کے لئے الگ مجلس قائم کی جائے۔ اور غربا کو اس میں داخل نہ ہونے دیا جائے، اسمیں برہمن اور شودر کی تمیز نہیں اور نہ کالے اور گورے کا امتیاز ہے۔ کہ یوروپین گرجوں میں کالے عیسائی نہ جاسکیں اور اتم جاتی کے ہندوؤں کے مندروں میں اچھوت لوگ داخل نہ ہوسکیں۔ بلکہ یہ رب العلمین کا فیض عام ہے۔ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ۔ لیکن یہ یاد رہے کہ ایمان سے رکنے والے ظالم ہیں جنکے لئے ہمنے دوزخ تیار کر رکھا ہے ۱۲ منہ

۶۲ ظلم کہتے ہیں بیجا کرنے اور حق تلفی کرنے کو، یہ خدا کی جانب میں بھی ہوتا ہے۔ اور خلقت کی جانب میں بھی اُن ہر دو قسم کے مختلف مدارج ہیں خدا کے حق میں سب سے بڑی بے انصافی شرک ہے۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ (لقمان ۲۱) کم و بیش سب ظلموں کا انجام جہنم ہے۔ چنانچہ حدیث صحیحین میں ہے۔ اَلظُّلْمُ ظُلُمٰتٌ يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (مشکوٰۃ ص ۴۳۶) یعنے ایک ظلم قیامت کے دن کئی ظلمتوں کا موجب ہوگا۔

۶۳ خیمہ کا ذکر ہر طرف سے گھیرنے کی مناسبت سے کیا گیا ہے ۱۲ منہ

۶۴ يَشْوِى الْوُجُوْهَ دوزخیوں کیلئے دوزخ کے کھولتے پانی کا موجب عذاب ہونا قرآن شریف میں کئی طرح پر آیا ہے۔ اول تپش سے چہروں کو جھلس دینا جیسے اسجگہ۔ دوم کھولتا پانی سر پر سے ڈالنا جس سے پیٹ کے اندر کی چیزیں اور چمڑے گلجائینگے۔ (سورت حج پ ۱۷) سوم یہی کھولتا پانی پینے کو بھی دیا جائیگا جس سے انتڑیاں گل جائینگی (سورت محمد پ ۲۶) خدا ہمیں سب قسم کے عذاب سے بچائے۔ آمین۔

۶۵ مُرْتَفَقًا، اِس کا اشتقاق اِرتفاق سے ہے۔ اِسکے اصل معنے ہیں کہنی کو رخسارے کے نیچے رکھکر لیٹنا پھر اس کا استعمال عام ٹکانا کرنے میں ہوگیا۔ (فتح البیان مع الزیادۃ)

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ مَنْ أَحْسَنَ عَمَلًا ﴿٣١﴾

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک اعمال بھی کئے تو ہم انکو ضرور جزائے خیر دینگے کیونکہ جو نیک عمل کرے ہم اسکی مزدوری

أُولَٰئِكَ لَهُمْ جَنَّاتُ عَدْنٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا

ان کے لئے ہمیشگی کے باغات ہوں گے۔ جنکے نیچے سے نہریں بہتی ہونگی ان میں ان کو

مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَيَلْبَسُونَ ثِيَابًا خُضْرًا مِنْ سُنْدُسٍ وَإِسْتَبْرَقٍ

سونے کے کنگن پہنائے جائینگے۔ اور وہ ریشم اور استبرق کے سبز کپڑے پہننگے

مُتَّكِئِينَ فِيهَا عَلَى الْأَرَائِكِ ۚ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا ﴿٣٢﴾ وَ

(در آنحال) کہ تختوں پر تکیہ لگائے ہونگے یہ بہت عمدہ بدلہ ہے۔ اور بہت اچھا ٹھکانا ہے۔ ۳۲۔ اور

اضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا رَجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ

(اے پیغمبر) ان کی (عبرت) کیلئے بیان کرو دو شخصوں کا حال کہ ایک کیلئے ہمنے دو باغ انگوروں کے بنائے تھے

وَحَفَفْنَاهُمَا بِنَخْلٍ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٣﴾ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ آتَتْ

اور انکو گھیر رکھا تھا کھجوروں سے، اور ہمنے ان دونوں کے درمیان کھیتی بھی بنائی تھی تو وہ دونوں باغ اپنا اپنا پھل (پورا)

ف ۷۶ دوزخیوں کے ذکر کے بعد صالح اعمال والے مومنوں کے نیک اجر کا ذکر کیا کہ ان کے لئے نہروں والے باغات اور پہننے کو سونے کے زیورات اور ریشمی پارچات ہونگے۔ جہاں وہ شاہانہ شان میں تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہونگے یہ سب کچھ ان کو نیک اعمال کی جزا میں ملیگا۔ اس سے اسجگہ یہ سمجھایا ہے کہ اگر آج اس دنیا دار الابتلا میں کافر عیش و آرام کے اسباب سے متمتع ہیں اور مومن و صالحین کم مایہ یا نادار ہیں تو کل عالم جزا میں ایسا نہیں ہوگا۔ بلکہ وہاں حالت دگرگوں ہوگی۔ کہ کفار و فساق طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونگے اور مومن و صالحین انواع و اقسام کی نعمتوں سے بہرہ ور ہونگے پس انجام پر نظر رکھنی چاہیئے نہ کہ ظاہر پر:۔ مرد آخر بین مبارک بندہ ایست ٭ یہ سب نعمتیں حقیقۃً ملینگی قرآن حدیث سے یہی ثابت ہے۔ صحابہ و خیار تابعین اور سب بزرگان دین اسی طرح مانتے چلے آئے ہیں۔ اس مضمون کو ہم تفسیر واضح البیان فی تفسیر ام القرآن میں زیر آیت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّينِ دلائل عقلی و نقلی سے بوضاحت بیان کر دیا ہے۔ اور نیچریوں اور آریوں اور دیگر ملحدین منکرین حشر جسمانی کے شبہات دور کر دیئے ہیں طالب تفصیل اسکا مطالعہ کرے۔ واللہ الہادی۔

ف ۷۷ قیامت کی جزا سزا کے ذکر کے بعد دو شخصوں کا ایک واقعہ بطور مثال کے فرمایا کہ بعض وقت قیامت سے ادھر دنیا میں بھی خدا سے پھرے ہوئے شخص پر وبال آجاتا ہے۔ جیسا کہ اس قصہ سے ظاہر ہے نظر بظاہر کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ ضرب المثل ہے جسکے لئے واقعہ لازم نہیں ہے لیکن یہ درست نہیں ہے بلکہ ایک واقعہ ہے جیسا کہ اگلی تفصیل سے ظاہر ہے کہ احسان فراموش اور منکر قیامت شخص پر وبال آگیا۔ اور وہ حسرت و افسوس سے ہاتھ ملنے لگا۔ لیکن اسوقت اسکا کوئی یار و مددگار نہ ہو سکا۔ اسی طرح سے قارون کی تباہی بیان کیگئی ہے۔ (سورۃ القصص ع ۸) پس جس طرح قارون کی تباہی ایک واقعہ ہے اسی طرح یہ بھی ایک واقعہ ہے جس سے خدا تعالٰے عبرت دلانی چاہتا ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۴﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ

دیتے تھے۔ اور اُس میں کچھ بھی کمی نہ کرتے تھے اور اُن کے بیچوں بیچ ہمنے نہر بھی چلا دی تھی اور ایک موقع پر جب اُسکا

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ

تو اُس نے اپنے ساتھی سے اثنائے گفتگو میں کہا کہ میں تجھ سے اولاد میں زیادہ ہوں اور نوکروں کی وجہ سے زیادہ معزز ہوں ۳۵ اور وہ اپنے

جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۶﴾

باغ میں گیا۔ دل خیال کہ وہ (متکبرانہ خیالات سے) اپنی جان پر ظلم کر رہا تھا اور کہنے لگا میں گمان نہیں کرتا کہ یہ (باغ) کبھی بھی برباد ہوگا ۳۶

وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا

اور نہ مجھے یہ گمان ہے کہ قیامت برپا ہوگی۔ اور قسم ہے کہ اگر (بالفرض) مجھے اپنے رب کی طرف لوٹنا بھی پڑا تو البتہ میں اِس سے

مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۷﴾ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِىْ

زیادہ اچھی جگہ پاؤنگا، ۳۷ اُس کے ساتھی نے اُس سے مخاطب ہو کر کہا کیا تونے ناشکری کی اُس ذات

خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۸﴾

جسنے تجھے پیدا کیا خاک سے پھر نطفہ سے پھر تجھے مرد بنا کر برابر کیا ۳۸ ؎۷۰

؎۶۸ اسجگہ جعلنا اور حففنا اور فجرنا سب فعلوں کی اضافت اپنی طرف کی ہے کیونکہ یہ سب کچھ اُسکی داد تھی اور اس باغ کی سب رونق وبہار اُسی کے فضل سے تھی۔ چنانچہ فرمایا:۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ یعنے تمہارے پاس جو بھی نعمت ہے سو خدا کی طرف سے ہے۔

؎۶۹ لفظی ترجمہ لوٹنے کی جگہ کیونکہ منقلب اسم ظرف کا صیغہ ہے۔

؎۷۰ انسانی پیدائش کا سلسلہ دوسرے موقع پر یوں بیان فرمایا ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ ——— الی قولہ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ (مومنون ع۱) یعنے ہمنے انسان کو مٹی کے خلاصے سے بنایا پھر ہمنے اُسے ایک محکم قرارگاہ یعنے رحم مادر میں نطفہ کی صورت میں (بحفاظت تمام) رکھا، پھر ہمنے اُس نطفے کا لوتھڑا بنایا۔ پھر ہمنے اُس لوتھڑے کو مضغۂ گوشت بنایا۔ پھر اُس مضغہ کی ہڈیاں بنائیں پھر ہمنے اُن ہڈیوں پر گوشت چڑھایا۔ پھر ہمنے اُس (انسان) کو ایک دوسری پیدائش (کی صورت میں) بنا کھڑا کیا پس خدا تعالےٰ جو سب سے بہتر صورتیں بنانے والا ہے۔ وہ بڑا ہی صاحب برکت ہے اور عالی ذات ہے ؏

مطلب یہ کہ عام آدمیوں کی پیدائش ابتداءً مٹی سے ہے کہ اُس سے غذا پیدا ہوتی ہے۔ جو آدمی اور دیگر حیوانات کھاتے ہیں۔ پھر اُس غذا کے آخری نچوڑ سے نطفہ بنتا ہے۔ جو رحم مادر میں اُن صورتوں میں بدلتا رہتا ہے۔ جو آیت میں مذکور ہیں مٹی اور غذا اور نطفہ کی ظاہری حالت کو دیکھا جائے تو بغیر واقعہ دیکھنے کے انسان سمجھ نہیں سکتا کہ یہ وضع قطع اور ہیئت وشکل جواب میری ہے اس مٹی اور غذا اور نطفے سے بن سکتی ہے۔ اسی معنے سے اس صورت شکل کو ایک بالکل نئی اور دوسری پیدائش کہا ہے۔ انسان کے مٹی سے پیدا ہونے کی دوسری صورت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کا بت بغیر ان حالات میں منتقل کرنے کے مٹی سے بنایا گیا۔ پھر اس میں روح پھونکی گئی۔ پھر اُن کی اولاد میں پیدائش کا وہ سلسلہ جاری کیا۔ جو آیت میں مذکور ہے۔ پس جملہ بنی آدم بوجہ آدمؑ کے مٹی سے پیدا ہونے کے مٹی کی پیدائش

تفسیر ہے۔ فافہم ۱۷ منہ۔

لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ

لیکن میری تو یہ بات ہے کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے۔ اور میں اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتا ملہ اور جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تو تو نے

قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ

کیوں نہ کہا ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ ملہ اگر تو نے مجھے اپنے سے کمتر دیکھا تھا

مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾ فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَيُرْسِلَ عَلَيْهَا

مال میں اور اولاد میں ملہ پس امید ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے بہتر عطا کر دے اور (تیرے) اِس (باغ) پر

حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿۴۰﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا

آسمان سے آفت بھیج دے تو یہ (باغ) صاف میدان ہو جائے ملہ یا اسکا پانی زیرِ زمین نگہ جا رہے

فَلَنْ تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿۴۱﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى

تو تو اسکی طلب نہ کر سکے۔ ملہ اور اسکے پھل کو (عذاب خدا نے) آگھیرا پس وہ ملنے لگا ہاتھ اپنے اوپر

ملہ لفظ لٰكِنَّا باثون مشدد مع الف کے قرآن شریف میں چار جگہ آیا ہے۔ ایک اسجگہ سورۂ کہف میں دوسرا سورۂ طٰہٰ پ۱۶ میں یعنی لٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اور تیسرا اور چوتھا سورۂ قصص پ۲۰ میں یعنی لٰكِنَّآ اَنْشَاْنَا قُرُوْنًا اور لٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ سورۂ کہف میں نون مشدد کے بعد کا الف تلفظ میں نہیں پڑھا جاتا کیونکہ یہ اصل میں لٰكِنْ اَنَا تھا۔ اَنَا (ضمیر واحد متکلم) کے ہمزہ کو حذف کر کے نون کو نون میں ادغام کیا تو لٰكِنَّا ہو گیا (بخاری)

چونکہ اَنَا (ضمیر واحد متکلم) میں الف پڑھنے میں نہیں آتا کیونکہ یہ اَنْ تغیریہ سے امتیاز کرنے کے لئے لکھا جاتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ اَنَا کا نون ساکن نہیں ہے۔ بلکہ مفتوح ہے۔ اسلئے یہاں لٰكِنَّا میں بھی نہیں پڑھا جاتا اور جو سورۂ طٰہٰ اور قصص میں ہے وہ برابر پڑھا جاتا ہے۔ کیونکہ انکا اصل لٰكِنْ اِنَّا بصیغہ جمع ہے۔ اور ہمزہ کو حذف کر کے کاف مکسور کو نون مشددہ سے ملا کر پڑھا اور لکھا گیا۔ اور لٰكِنْ کے نون ساکن کی ضرورت کتابت و قرارت ہر دو میں نہ رہی اور نون مشدد کے بعد کا الف بوجہ ضمیر جمع متکلم کے ساتھ ہونے کے برابر پڑھا گیا۔ جیساکہ وہ اپنی اصلی صورت میں یعنی اِنَّا (جمع) میں برابر پڑھا جاتا ہے ۱۲ منہ

ملہ اس کلمہ کے لفظی معنے یہ ہیں "جو چاہا اللہ نے (سو پیدا کیا) نہیں قوت مگر خدا کی توفیق) سے" یہ کلمہ نظر بد سے اور دیگر آفتوں سے مال و جان، تندرستی اور خوبصورتی غرض ہر پیاری چیز کے لئے تعویذ ہے۔ اس کے پڑھنے سے جملہ اثرات زائل ہو جاتے ہیں اسی طرح لکھ کر پاس رکھنے سے بھی حضرت امام مالکؒ نے یہ کلمہ اپنے مکان کے دروازے پر لکھوا رکھا تھا۔ ۱۲ منہ

ملہ ایسے واقعات عموماً ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن عبرت والے آنکھ کان اور خدا سے ڈرنے والے دل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایسے ہی موقع پر فرمایا اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ــــ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِىْ فِى الصُّدُوْرِ پ۱۷

مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ

اُس شئے کے جو وہ اُس باغ میں خرچ کرچکا تھا اور وہ باغ گر رہا تھا اپنی ٹٹیوں پر اور کہنے لگا کاش نہ اپنے پروردگار کے

بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ﴿۴۲﴾ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ

ساتھ شریک بنایا ہوتا کسی کو (اسوقت) اُس کے لئے کوئی گروہ ایسا نہ ہوا جو خدا کے سوا اُسکی مدد کرتا اور نہ وہ خود

مُنْتَصِرًا ﴿۴۳﴾ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ

بدلہ لے سکا ایسے موقع پر نصرت و مدد (صرف) خدائے برحق کے اختیار میں ہے۔ وہ ثواب میں بھی بہتر ہے۔ اور انجام

عُقْبًا ﴿۴۴﴾ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

کے لحاظ سے بھی بہتر ہے اور (اے پیغمبر) (اسکے بعد ان لوگوں) سے دُنیاوی زندگی کی مثال بھی بیان کرو جو مثل پانی کے ہے جسے ہم آسمان کی

لہ اس مقام پر یہ سوال ہوسکتا ہے کہ جب اس شخص پر اسکے عذاب آنے کی وجہ خدائے واحد سے شرک کرنا ہے تو جب اُسنے اپنے شرک پر اظہارِ ندامت و حسرت کیا۔ تو اُسکی سزا ٹل کیوں نہ گئی۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ عذاب کے وقت کا ایمان منظور نہیں کرتا۔ چنانچہ فرمایا:۔ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا ، سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ (مومن پ) یعنے جب وہ ہمارے عذاب کو دیکھکر ایمان لائے۔ تو ایمان اُن کے لئے نفع کے لائق ثابت نہ ہوا۔ خدا تعالےٰ کا جو دستور اسکے بندوں میں جاری رہا ہے وہ یہی ہے۔ کہ وہ ایسا ایمان قبول نہیں کرتا۔ جیسا کہ فرعون سے نہ کیا ۱۲ منہ

لہ اس سے پہلے خاص دو شخصوں کا قصہ بطور مثال بیان کیا۔ کہ مومن صالح خواہ وہ تنہا اور تنگدست ہو خدا سے ثواب پانے اور نیک انجام کے لحاظ سے اس مالدار اور صاحب اولاد سے بہتر ہے۔ جو خدا کا منکر ہو۔ یا اُسکی نعمتوں کا غیر شاکر ہو۔ یا جو اپنے مال و اولاد کی وجہ سے نیک بخت درویشوں پر فخر و تکبر کرے۔ اور اُن کو حقیر جانے جیسے کہ کفار مکہ نے فقرا صحابہ کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے کہا تھا۔ اسی معنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا مَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِّمَّا كَثُرَ وَاَلْهٰى۔ یعنے قلیل مال جو کفایت کرے بہتر ہے اُس کثیر سے جو خدا سے غافل کر دے۔ اب اس آیت میں دنیاوی جاہ و حشمت کی مثال بیان کی۔ کہ بارش کے اثر سے زمین ہری بھری اور بارونق ہو جاتی ہے۔ اور کچھ عرصہ تک اپنی تازگی اور رونق سے باعث سرور و خوشی بن جاتی ہے۔ لیکن چند روز کے بعد سب سبزہ خشک ہوکر چورا ہو جاتا ہے۔ جسے ہوا اڑا لیجاتی ہے۔ اسی طرح دنیا کی سب رونقیں عارضی اور وقتی ہیں آخر کار سب کچھ فنا ہو جائیگا۔ اور رہیگا نام خدا کا پس ایسی فانی چیز پر مغرور ہوکر نیک بخت درویشوں پر فخر و تکبر کرنا جن کے دامن دائمی نعمتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اہل عقل و دانش کا کام نہیں؛

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

تو اسکی وجہ سے زمین کی روئیدگی (خوب گھنی ہو کر، اور پھول کر) خوب گتھ جاتی ہے پھر (کچھ مدت کے بعد) وہ چورا ہو جاتی ہے جسے ہوائیں اڑا لیجاتی ہیں۔ اور

عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا ﴿۴۶﴾ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

خداتعالےٰ ہر شے پر قادر ہے ۝۴۶ مال اور بیٹے دُنیاوی زندگی کی رونق ہیں۔

وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ﴿۴۷﴾ وَيَوْمَ

اور باقی رہنے والی یعنے نیکیاں تیرے رب کے نزدیک ثواب میں بھی بہتر ہیں اور امید میں بھی بہتر ہیں ۝۴۷ اور جس دن

نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿۴۸﴾

ہم پہاڑوں کو (ان کے مقام سے) چلا دینگے تو تو زمین کو بالکل ننگی دیکھیگا، اور ہم ان سب کو (اپنے حضور) جمع کرینگے تو ان میں سے کسی کو بھی باقی نہیں چھوڑینگے

ف۵ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ سبزیاں پانی سے سیراب ہو کر پھولتی ہیں تو گویا پانی ان میں مخلوط ہو گیا۔ دیگر یہ کہ سیرابی کے سبب وہ خوب پھولتی اور پھیلتی ہیں تو انکی شاخیں آپس میں ایک دوسری سے لپٹ جاتی ہیں تو گویا پانی نے انکو سیراب کر کے ایک دوسری سے ملا دیا۔

ف۶ اس موقع پر ہر شے پر قادر ہونے کا ذکر اسلئے کیا ہے کہ ایجاد و فنا سب کچھ خدا کے اختیار میں ہے جس طرح تم زمین کی روئیدگی کو دیکھتے ہو کہ خدا اسے پیدا بھی کرتا ہے۔ اور خشک کر کے فنا بھی کر دیتا ہے۔ اسی طرح اپنے مال و دولت کا حال بھی سمجھو۔ دیگر یہ کہ کسی کو غنی اور کسی کو فقیر کرنا خدا کے اختیار میں ہے، کسی کے اپنے زور کی بات نہیں ہے، پس ایسے امر پر جو اپنا اختیاری نہیں ہے مغرور ہونے کے کیا معنے؟ یا یہ کہ خداتعالےٰ غنی کو فقیر اور فقیر کو غنی کر دینے پر قادر ہے کیونکہ سب انقلابات اُسی کے اختیار میں ہیں پس اس لحاظ سے بھی اپنے غنا پر اترانا اور فقرا کو حقیر جاننا عقلمندی نہیں ہے۔ کوئی بھی صورت ہو مقصود ایک ہی ہے۔

ف۷ اَلْبَاقِيَاتُ الصَّالِحَاتُ خَيْرٌ کی ترکیب یوں ہے کہ الباقیات مبتدا۔ الصالحات اسکا عطف بیان خیر اسکی خبر۔ باقیات صالحات کی تفسیر میں کئی ایک امور ذکر کئے گئے ہیں مثلاً کلمات تسبیح سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولاحول ولاقوۃ الا باللہ اور پنجگانہ نمازیں اور حج اور عمرہ اور رمضان کے روزے اور دیگر پاک کلمات، ایسے سب اعمال اس لفظ میں مندرج ہیں کیونکہ ہر عمل صالح باقیات صالحات میں سے ہے۔ چنانچہ حضرت قتادہ نے کہا کل شیءٍ فی طاعۃ اللہ فھو من الباقیات الصالحات (فتح البیان)، حاصل یہ کہ نیکی کو پائداری اور بقا ہے۔ باقی سب کچھ فانی ہے پس فانی کو باقی پر مقدم کرنا نادانی ہے۔ اسی طرح صدقات جاریہ اور اولاد صالح بھی باقیات صالحات ہیں۔ (مشکوٰۃ ص)

ف۸ پہاڑوں کا اڑایا جانا بھی فنائے عالم میں سے ہے۔ اس کا ذکر بھی قرآن شریف میں کثرت سے ہے۔ جیسا کہ فائدہ ۱۵ میں سورت کے ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے۔ اور چلانے کے معنے یہی ہیں کہ پہاڑ اڑ جائینگے۔ درخت و نباتات سب خشک ہو کر فنا ہو جائینگے یعنے اس کے اوپر کی چیزیں پہاڑ اور درخت اور نباتات و مکانات جو اوپر سے اُسکو ڈھانپے ہوئے ہیں سب فنا ہو جائینگی تو زمین ننگی اور افتادہ بے کاشت رہ جائیگی۔ اسی مضمون کو دیگر مقامات پر دوسرے دوسرے الفاظ میں بیان کیا ہے کہ لَا تَرٰى فِيْهَا عِوَجًا وَّلَاۤ اَمْتًا (پ۱۶)، اسیطرح جاسکے اندر کی چیزیں بھی باہر آ جائینگی۔ مثلاً مدفون مُردے وغیرہم چنانچہ فرمایا:۔ وَاَلْقَتْ مَا فِيْهَا وَتَخَلَّتْ (پ۳۰) نیز فرمایا:۔ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا (پ۳۰) غرض زمین اندر باہر سے خالی ہو کر ایک صاف چٹیل میدان ہو جائیگی۔

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ۭ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ

اور پیش کئے جاینگے تیرے رب کے سامنے صف باندھکر (پس اُنسے کہا جائیگا) بیشک تم ہمارے حضور میں اسی طرح بے مال و دولت اکیلے آئے ہو جسطرح

زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ

تمنے تو یہ گمان کر رکھا تھا کہ ہم (تمہاری باز پرس کیلئے) ہرگز کوئی وعدہ مقرر نہیں کرینگے اور رکھی جائیگی کتاب پھر تم اے پیغمبر! مجرموں کو دیکھو گے کہ وہ

مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ

اُس سے جو اُس (کتاب) میں (درج ہے) ڈر رہے ہیں اور کہینگے ہائے ہلاکت ہماری! یہ کتاب کیسی ہے۔ کہ یہ چھوڑتی نہیں

صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ

کوئی چھوٹا اور نہ بڑا (گناہ) مگر گھیر رکھا ہے اُسے۔ اور پائینگے وہ اپنے اعمال کو حاضر،

وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۝۵۰

اور (اے پیغمبر!) تمہارا رب کسی پر بھی ظلم نہیں کرتا ۵۱

۵۰ ہمنے اسجگہ دو محذوف نکالے ہیں۔ "ایک "بے مال و دولت" اور دیگر "اکیلے" سو یہ ہر دو سورت انعام کی آیت میں مذکور ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ ہم قیامت کے دن انترا پردازوں سے کہینگے۔ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ (انعام پ) یعنے اور البتہ تحقیق تم ہمارے حضور میں اکیلے آئے ہو۔ جس طرح ہمنے تمکو (دنیا میں) پہلی دفعہ پیدا کیا تھا۔ اور (وہ مال) جو ہمنے تمکو عطا کیا تھا۔ اپنے پیچھے (دنیا ہی) میں چھوڑ آئے ہو۔ چنانچہ اس جگہ یعنے سورت کہف میں سابقاً مالدار کفار مکہ کا غریب صحابہ سے نفرت کی وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس وعظ و نصیحت میں شامل نہ ہونا مذکور ہے پھر ایک ایسے سرمایہ دار کا ذکر ہے۔ جو مال و دولت کی فراوانی اور اعوان و انصار کی کثرت کی وجہ سے ایک کم مایہ صالح الاعمال مومن پر فخر و تکبر کرتا تھا۔ اور اُس کے مال و دولت کی تباہی اور اسپر عذاب خدا کا نزول ہونا صراحتاً مذکور ہے۔ اسکے بعد سمجھایا کہ دنیا کی یہ زینت و سدلوح بالکل عارضی و فانی ہے یہ عاقبت میں کام آنیوالی چیز نہیں ہے وہاں جو چیز کارآمد ہے اور اُسے زوال نہیں بلکہ اُسے ہمیشہ کا بقا ہے۔ وہ ایمان و اعمال صالحہ ہیں پس بیکار و فانی شئے پر فخر کرنا اور کارآمد اور لازوال دولت کو حقیر جاننا دماغ کی خرابی اور ذہنیت کے فساد کا نتیجہ ہے پس ہر دو مقام کا مضمون ایک سلک میں منسلک ہے ایک جگہ مذکور ہے ایک جگہ محذوف ہے یایوں کہ ایک جگہ مجمل ہے اور دوسری جگہ مفصل۔ فَسُبْحَانَ اللّٰهِ مَآ اَحْكَمَ كِتَابَهٗ ۱۲ منہ،

۵۱ اسجگہ الکتاب سے مراد اعمالنامہ ہے جس کا ذکر قرآن و حدیث میں بکثرت ہے وہ رجسٹر یا دفتر ہے جس میں کراماً کاتبین فرشتے انسان کے نیک اور بد اعمال لکھتے ہیں۔ یہ اعمالنامہ قیامت کو ہر انسان کے سامنے کیا جائیگا اور اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ۭ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (بنی اسرائیل پ) یعنے اپنا اعمال نامہ پڑھ لے، آج تیرا اپنا نفس ہی تیرا محاسب بننے کیلئے کافی ہے۔ (کہ تیری نیکیاں کتنی ہیں۔ اور بدیاں کتنی) نیز خدا تعالے فرمائیگا هٰذَا كِتٰبُنَا يَنْطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّا كُنَّا نَسْتَنْسِخُ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (جاثیہ پ۲۵) یعنے یہ ہے ہماری نوشت جو تمکو (تمہارے اعمال) سچ سچ سنا دیگی۔ بیشک ہم تمہارے اعمال جو تم کرتے تھے۔ لکھواتے جاتے تھے۔ (اِن سب آیات اور ان جیسی دیگر آیات میں کتاب سے مراد اعمالنامہ ہے)

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ

اور (اے پیغمبر! یاد کرو وہ وقت) جب کہا ہمنے فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو پس (سب نے) سجدہ کیا۔ مگر ابلیس نے

۵۸۲ **ارتباط بماقبل** سابقہ رکوعات میں عاقبت فراموش کردہ مغرور امراء کا ذکر مسلسل آرہا ہے اب سرچشمۂ غرور و نافرمانی یعنے شیطان کا ذکر کیا،

دیگر مواضع ابلیس اور آدم کا قصہ قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے۔ سورت بقرہ پ۱ میں، سورت اعراف پ۸ میں، سورت حجر پ۱۴ میں، سورت بنی اسرائیل پ۱۵ میں، اس سورت کہف پ۱۵ میں، سورت طٰہٰ پ۱۶ میں اور سورت ص پ۲۳ میں، ہر جگہ موقع و محل کی مناسبت کے لحاظ سے مقصود جُدا جُدا ہی چنانچہ آپ انشاء اللہ اس تفسیر میں ہر جگہ کی مناسبت میں دیکھ لینگے، اس مقام پر اسکا ذکر اس مناسبت سے ہے۔ کہ سابقاً گذر چکا ہے۔ کہ کفار امرائے قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غریب صحابہؓ کے پھٹے پرانے کپڑوں اور خستہ حالی کو دیکھکر ان کو نظرِ حقارت سے دیکھا اسی طرح ایک صاحب باغات و زراعات کا ذکر حال بھی بیان کیا جسنے ایک بے مایہ و خستہ حال مومن کی بے سامانی دیکھکر کہا تھا۔ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا (کہف رکوع ۵) ان سب کے بعد فرمایا کہ یہ اور ان جیسے دیگر سب متکبر شیطان کے پیرو ہیں جسنے آدمؑ کی خاکی پیدائش دیکھکر انہیں حقیر جانا۔ کہ خاک تیرہ اور کثیف ہے۔ اور اس کے جوہر نورانی پر نظر نہ کی۔ اور اپنے آپ کو آگ سے پیدا شدہ جانکر کہ وہ روشن اور لطیف ہے شریف و عزیز سمجھا اور اپنی باطنی خباثت کو نہ دیکھا۔ اسی طرح کفار قریش بھی اپنے حسب و نسب اور مال و دولت کی وجہ سے تکبر کرتے ہوئے فقرائے صحابہؓ بلالؓ حبشی اور صہیب رومیؓ۔ اور سلمان فارسیؓ وغیرہم کو انکی خستہ حالی کی وجہ سے حقیر و ذلیل شمار کرتے ہیں۔ اور اپنی باطنی خباثتوں یعنے بداعتقادیوں اور بدکرداریوں کو نہیں دیکھتے اور ان ایماندار فقراء کو ایمان و صلاحیت کی وجہ سے رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضوری کا جو شرف اور ان کو آپ کی پاک مصاحبت و مجالست سے جو انوار و برکات حاصل ہوتے ہیں وہ تو ان کے خیال میں بھی نہیں آسکتے جنکے سامنے ان کی حسب و نسب اور ان کے فارونی فخر نے بالکل ہیچ و بے قیمت ہیں ؎

گدایاں را ازیں معنے خبر نیست ۔ کہ سلطانِ جہاں با ماست امروز

۵۸۳ **اعراب**، وَ، واو عاطفہ مضمون سابق کو مضمونِ آئندہ سے ملانے کیلئے ہے جیسا کہ عنوانِ ارتباط بماقبل کے بیان سے معلوم ہوگیا اِذْ متعلق ہے اُذْكُرْ محذوف کے یعنے اے پیغمبرؐ! ان متکبروں کا حال سمجھنے کے لئے وہ وقت یاد کرو۔ جب ہمنے فرشتوں کو حکم کیا کہ آدمؑ کو سجدہ کرو۔ تو سب نے تعمیل کی، مگر شیطان نے تکبر کی وجہ سے انکار کر دیا ؛

۵۸۴ لِلْمَلٰٓئِكَةِ یہ فرشتے جن کو سجدہ کرنے کا حکم ہوا، کتنے تھے؟ اسمیں مختلف قول ہیں۔ کوئی کہتا ہے صرف آسمان کے فرشتوں کو حکم ہوا۔ کوئی کہتا ہے۔ صرف زمین کے فرشتوں کو حکم ہوا قرآن شریف میں فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ (پ۱۴ حجر) (ص پ۲۳) کے ہوتے صرف زمین یا صرف آسمان کی تخصیص کے کچھ معنے نہیں ہیں۔

لفظ ملائکہ جمع ہے مَلَكٌ کی۔ اس کا اصل ہے اَلُوْكٌ بمعنے پیغام، اور صورتِ صیغہ بزیادتی میم مَاْلَكٌ بروزن مَفْعَلٌ ہے۔ اور ہمزہ تخفیفاً حذف کیا گیا۔ تو مَلَكٌ رہ گیا۔ یا اس کا اصل لَاَكٌ بتقدیم لام ہے۔ بمعنے رسالت اور میم اس صورت میں بھی زائد ہے۔ اور ہمزہ حذف شدہ ہے ہو (لسان العرب وغیرہ کتب لغت)

چونکہ فرشتے خدا کی وحی پیغمبروں کے پاس لاتے ہیں۔ اس لئے ان کو ملائکہ کہتے ہیں (بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴ پر دیکھو)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳) اور ہو سکتا ہے۔ کہ لفظ فرشتہ بھی فارسی لفظ فرستہ (بمعنی بھیجا ہوا) سے بنگیا ہو۔ سین غیر معجمہ اور شین معجمہ کی آپسمیں تبدیلی بعید نہیں،

حدیث کے رُو سے فرشتوں کی پیدائش نور سے ہے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۲) ذکوریت (مرد ہونا) اور انوثیت (عورت ہونا) کی علامات سے پاک ہیں وہ توالد و تناسل سے نہیں بلکہ عالمِ امر کی مخلوق ہیں۔ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں، خدا کی یاد اُن کا مایۂ حیات ہے۔ خدا کے ذکر سے نہ تھکتے ہیں نہ اُکتاتے ہیں۔ عصیان و نافرمانی سے پاک ہیں۔ خدا تعالےٰ کا جو بھی حکم ہو۔ فوراً بجالاتے ہیں۔[1] جیسا کہ اسی واقعہ سے معلوم ہو جائیگا جس کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو لوگ ان کے نوری اجسام کے وجود سے منکر ہیں اور ان کو انسانی طبائع کے ملکات و قویٰ سمجھتے ہیں۔ وہ بے بصیرت اور علم عربی سے کورے ہیں۔ ملکہ بمعنے قوت کی میم اصلی ہے۔ اور ملاک بمعنے فرشتہ کی میم بتصریح علمائے لغت زائد ہے پس ہر دو لفظ ایک نہیں ہیں۔ اور اُن کے معنے بھی ایک نہیں ہیں۔

قرآن شریف کی تصریحات ہیں۔ کہ فرشتے انبیاء کے پاس آتے رہے، جنگوں میں مومنوں کی مدد کرتے رہے۔ اللہ کے بعد اللہ کا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) سب سچوں سے سچا ہے۔ وہ بالتصریح کہتا ہے۔ کہ فرشتے میرے پاس آتے ہیں، خدا کا پیغام لاتے ہیں آنحضرت صلعم کے صحابہ رضہ گواہی دیتے ہیں۔ کہ ہم اُن کو دیکھتے تھے۔ ان کے بعد اصحابِ کشف اولیاء اللہ جو اُن سے روحانی مناسبت رکھتے ہیں وہ بھی یہی شہادت دیتے ہیں، ہم ایسے پاک باز سچوں کی مانیں یا ان بے بصیرت۔ بے علم، کج فہم، نیچریوں کی۔ جو دل کے اندھے۔ عقیدے کے گندے۔ علم سے کورے اور انوارِ روحانیہ سے بالکل بے بہرہ ہیں ⊙

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ آدمؑ اور یوسفؑ کو سجدہ کرنے کے متعلق علماء کے بہت سے قول ہیں ایک یہ کہ یہ سجدہ تحیت و سلام کا تھا۔ نہ کہ عبادت کا، شرائع سابقہ میں تحیت کا سجدہ بزرگوں کو کرنا جائز تھا۔ اور عبادت کا سجدہ غیر اللہ کو کرنا سب شریعتوں میں حرام ہے۔ لیکن شریعت محمدیہ صلعم میں غیر اللہ کو تحیت کا سجدہ بھی منع ہے۔ پس یہ منسوخ شدہ ہے دیگر یہ کہ لغت میں سجدہ کے معنے تواضع سے سر زمین پر رکھنا بھی ہیں اور ادب سے سیدھا کھڑا ہونا بھی چنانچہ قاموس میں ہے۔ سَجَدَ خَضَعَ وَانْتَصَبَ ضِدٌّ یعنے سجد کے معنے یہ بھی ہیں۔ کہ اُس نے تواضع کی اور وہ جھکا، اور یہ بھی ہیں کہ وہ سیدھا کھڑا ہوا یعنے یہ لفظ لغات الاضداد میں سے ہے۔ اور لسان العرب میں ہے۔ اَلسَّاجِدُ الْمُنْتَصِبُ فِیْ لُغَةِ طَیٍّ نیز مصباح میں ہے۔ کُلُّ شَیْءٍ ذَلَّ فَقَدْ سَجَدَ وَسَجَدَ اِنْتَصَبَ فِیْ لُغَةِ طَیٍّ . . . . وَسَجَدَ الرَّجُلُ وَضَعَ جَبْهَتَهٗ بِالْاَرْضِ دیگر یہ کہ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ میں لام بمعنی اِلٰی ہے۔ یعنے آدمؑ کی طرف منہ کرکے سجدہ کرو۔ اِس صورت میں سجدہ خدا کو تھا۔ اور آدمؑ و یوسفؑ بمنزلہ قبلہ کے تھے۔ اور لام جارہ بمعنے الیٰ قرآن شریف میں دوسرے مقام پر مذکور ہے۔ چنانچہ سورت لقمان پ۲۱ میں گردش ستارگان اور سورج و چاند کا انسانوں کے فائدہ کے لئے پیدا کرنے کی نسبت فرمایا:۔ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّى (لقمان پ۲۱) اور اسی امر کو سورت زمر رکوع اول پ۲۳ میں فرمایا: وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى (زمر پ۲۳)

"حافظ عماد الدین ابن کثیر رح نے سورت بقر کی تفسیر میں اس امر کے متعلق جو لکھا ہے اسکا ترجمہ ہم ذیل میں لکھ دیتے ہیں:۔

"قتادہ رح (تابعی) نے خدا تعالےٰ کے قول وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ میں کہا کہ طاعت (تعمیل حکم) خدا تعالیٰ "

"کی تھی اور سجدہ آدمؑ کو تھا۔ خدا تعالےٰ نے اُسے اپنے ملائکہ سے سجدہ کرایا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ سجدہ تحیت اور سلام "

[1] فرشتوں کی یہ صفات متفرق آیات و احادیث میں مذکور ہیں جو بخوف طوالت نقل نہیں کی گئیں ۱۲ منہ

(بقیہ حاشیہ ص۳۴) اور تعظیم کا تھا۔ جیسا کہ اللہ تعالےٰ نے (حضرت یوسفؑ کے ذکر میں) فرمایا:۔ "وَرَفَعَ
اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا
رَبِّيْ حَقًّا (یوسف پ۱۳) اور یہ گذشتہ امتوں میں جائز تھا۔ لیکن ہماری امت (محمدیہؐ) میں منسوخ ہوگیا۔ (جیسا کہ آنحضرتؐ
کی خدمت میں) حضرت معاذ رضؓ نے عرض کیا۔ کہ میں ملکِ شام میں گیا۔ تو ان لوگوں کو دیکھا۔ کہ وہ اپنے پیر پادریوں اور علماءؒ
کو سجدہ کرتے ہیں۔ تو یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ اس بات کے زیادہ حقدار ہیں۔
کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ اسپر آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اگر میں کسی دوسرے بشر کو حکم کرنے والا ہوتا۔ کہ وہ
دوسرے بشر کو سجدہ کرے۔ تو البتہ میں عورت کو حکم کرتا۔ کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کیا کرے۔ کہ اُسکا اسکے ذمے بڑا حق ہے"
"حافظ عماد الدین ابن کثیر کہتے ہیں کہ) اس وجہ کو امام رازیؒ ترجیح دیتے ہیں۔ اور بعض نے کہا کہ سجدہ تو خدا تعالےٰ ہی کو
تھا۔ آدمؑ صرف (بطور) قبلہ تھے۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے فرمایا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (بنی اسرائیل پ۱۵)
"حافظ ابن کثیرؒ کہتے ہیں کہ اس آیت کو مثال بنانے میں نظر ہے) اور اظہر یہ ہے۔ کہ پہلا قول اولیٰ ہے۔ اور سجدہ آدمؑ کے
اکرام و اعظام اور احترام و سلام کیلئے تھا۔ اور یہ خدا تعالےٰ کی اطاعت ہے۔ کہ اسمیں خدا تعالےٰ کے حکم کی تعمیل ہے۔ اور
اسی بات کو امام رازیؒ نے اپنی تفسیر میں قوی کہا ہے۔ اور دیگر دونوں قولوں کو ضعیف کہا ہے۔ اور وہ یہ کہ آدمؑ کو قبلہ
بنایا گیا۔ کیونکہ اسمیں (آدم علیہ السلام کا شرف نہیں ہے۔ دیگر یہ کہ سجدہ سے مراد صرف تواضع ہے۔ نہ کہ جھکنا۔ اور
پیشانی کا زمین پر رکھنا۔ اور یہ بھی ضعیف ہے۔ جیسا کہ انہوں (امام رازی رحؒ) نے کہا (ابن کثیر جلد اوّل ص۱۳۲)"

تنبیہ۔ حضرت معاذ رضؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں نصاریٰ شام کا دستور عرض کرکے جو اجازت سجدہ کی چاہی
تو اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ انہوں نے تعظیم و اکرام اور تحیت و سلام کے سجدہ کی اجازت چاہی تھی۔ نہ کہ سجدۂ عبادت کی۔
کیونکہ حضرت معاذؓ مجتہد صحابہ میں سے ہیں۔ جو اصول دین سے بخوبی واقف ہیں۔ پس جب آنحضرت صلعم نے اپنے لئے اس سجدہ کی
بھی اجازت نہیں دی۔ جو اولادِ آدم کے سردار ہیں تو دیگر فقیروں کے لئے اگرچہ وہ سچے اولیاء اللہ اور واقعی قابلِ احترام بزرگ
ہوں۔ کس طرح اجازت ہوسکتی ہے۔ کیونکہ وہ بہرحال آنحضرتؐ کے خادم اور پیرو ہیں۔ اور ان ملمع پیروں اور فقیروں کا تو
نام ہی نہ لو۔ جو عقائد و اعمال ہر دو میں حدودِ شرع سے متجاوز ہوکر جہال کو ٹھگتے پھرتے ہیں۔ پس جس امر کی شریعت سابقہ میں
اجازت تھی۔ وہ اس خاتم الشرائع شریعت میں منسوخ ہوگیا۔ تو اب کسی کیلئے اجازت نہ رہی۔ یہی تمام ائمہ و مجتہدین اور فقہا
و محدثین اور مشائخ اہل سنت کا مذہب ہے۔ حضرت یوسفؑ کے سجدہ کا بھی یہی حال ہے۔ کہ وہ سجدہ تحیت و سلام کا تھا نہ کہ سجدۂ عبادت؛
چنانچہ **لسان العرب** میں آیت وَخَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا کے متعلق زیر لفظ سَجَدَ لکھا ہے۔ ھذا سجودُ اعظامٍ لا سجود
عبادۃ لان بنی یعقوب لم یکونوا لیسجدون لغیر اللہ عزوجل یعنے یہ سجدۂ تعظیم کا تھا نہ سجدۂ عبادت کا،
کیونکہ حضرت یعقوبؑ کی اولاد غیر اللہ کو سجدۂ (عبادت) کرنے والی نہ تھی؛

كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ

وہ جنات میں سے تھا ۔ پس باہر ہو گیا اپنے رب کے حکم سے ، تو کیا تم (اے انسان ، آدم زاد ہو کر) پکڑتے ہو اسکو اور اسکی اولاد

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴿۵۱﴾

کو دوست سوا میرے حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں بہت برا ہے واسطے ظالموں کے یہ بدل

مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۪ وَمَا كُنْتُ

نہیں حاضر کیا تھا میں نے ان کو وقت پیدا کرنے آسمانوں کے اور زمین کے اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت) اور نہ تھا میں

۸۶ كَانَ مِنَ الْجِنِّ ۔ شیطان کی پیدائش کی نسبت علماء کے مختلف اقوال ہیں کہ کس شئے سے ہے؟ جو کہتے ہیں کہ آگ سے ہے ۔ انکی دلیل یہ آیت ہے کہ وہ جنات میں سے ہے ۔ اور جنات کی پیدائش آگ سے ہے ۔ جیسا کہ فرمایا وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (حجر پ۱۴) نیز فرمایا :- وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ (الرحمٰن پ۲۷) دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فرشتوں کی ایک جماعت پیدا کی گئی جنمیں سے ایک کا نام ابلیس تھا (شیطان) ...

۸۷ وَذُرِّيَّتَهٗ ۔ کسی کی ذریت اصل میں اُسے کہتے ہیں جو اُس سے پیدا ہو جیسے اولاد ۔ اور مجازاً اتباعداروں اور پیرو کو بھی کہہ لیتے ہیں ۔

۸۸ لَكُمْ عَدُوٌّ ۔ شیطان اور اُسکی ذریت کی دشمنی بنی آدم سے اسی سجدہ کیوقت سے ہے ۔ اُسیوقت خدا تعالےٰ نے آدم کو کہہ دیا تھا اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ (طٰہٰ پ۱۶) یعنی اے آدم یہ ابلیس جس نے میرے حکم پر بھی تجھے سجدہ نہیں کیا) تیرا بھی اور تیری بیوی کا بھی دشمن ہے ۔ اِس کے علاوہ دیگر آیات میں بھی شیطان کو دشمنِ اولادِ آدم کہا گیا ہے جیسے اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا (فاطر پ۲۲) یعنی شیطان تمہارا دشمن ہے ...

۸۹ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا اس مقام پر خدا تعالےٰ یہ یاد کرا کے کہ وہ تمہارا دشمن ہے اور اُسکی ذریت بھی تمہاری دشمن ہے سمجھاتا ہے کہ میں وہ ہوں جو تمہارا خالق و رازق و پروردگار ہوں میں نے تمہارے باپ آدمؑ کو فرشتوں سے سجدہ کرا کر عزت بخشی ، اور شیطان وہ ہے جس نے تمہارے باپ کی تعظیم نہ کی ۔ تو کیا تم مجھکو چھوڑ کر انکو دوست گردانتے ہو ۔ تمہارا یہ تبادلہ بہت ہی برا اور بیجا ہے ۔ دوستی کا محل میں ہوں ۔ نہ کہ شیطان ، لیکن تم مجھے چھوڑ کر اُن کو دوست بناتے ہو بہت برا اور بیجا کرتے ہو ۔ ؏ بہ بیں از کہ بریدی و باکہ ساختی " ۱۲ منہ

۹۰ خلق ہر دو جگہ ظرفیت کے سبب منصوب ہے ۱۲ منہ

۹۱ وماکنت الخ مراد یہ ہے ۔ خدا تعالےٰ نے سلسلہ پیدائش عالم میں کسی قسم کی امداد نہیں لی ۔ چہ جائیکہ ان گمراہ کن شیطانوں کو وہ اپنا بازو بنائے ۔ چنانچہ اسی مضمون کو دوسری جگہ یوں بیان فرمایا قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ الخ (سبا پ۲۲)

۹۲ مقصود ان آیات سے یہ ہے کہ شیطان ، اور اُسکی ذریت کو میری خدائی میں کسی قسم کا بھی تعلق نہیں ۔ خالقیت میں حصہ دار ہونا تو کجا ، یہ تو زمین و آسمان کی پیدائش کے وقت موجود ہی نہ تھے ۔ اور نہ ان اپنے پجاریوں کی پیدائش کے وقت اور نہ میں نے ان سے اس امر میں کوئی کام ہی لیا تھا ۔ تو پھر ان مشرکوں کا شیطان کی اطاعت کرنا اور اُسکو اور اُس کے پیروں کو میرے مقابلہ میں دوست بنانا سراسر جہالت و نادانی ہے ۔ اور اگر یہ خیال ہے کہ انکو دوست و مددگار سمجھتے ہیں کہ یہ آئندہ زندگی میں ہمارے کام آئینگے تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ ہم اُس دن ان مشرکوں کو بطور الزام کے کہینگے کہ جنکی بابت تمہارا خیال تھا کہ انکا ہماری خدائی میں کسی قسم کا حصہ یا دخل ہے ۔ اُن کو پکارو کہ آج وہ تمہاری مدد کریں اور تمکو ہمارے عذاب سے چھوڑائیں ، تو وہ انکو اپنے گمان کے مطابق پکارینگے تو سہی ۔ لیکن شنوائی کہاں ؟ ہم ان سب شیطانوں اور اُن کے پجاریوں کو دوزخ میں دھکیل دینگے ۔ اُسوقت اُن کو حقیقتِ امر معلوم ہو جائیگی ۔ کہ خدا کو چھوڑ کر غیروں پر آس دھرنے کا کیا نتیجہ ہے ۔

مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ﴿۵۲﴾ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ

بنانیوالا گمراہ کرنے والوں کو اپنا بازو ۵۲ اور جس دن خدا فرمائیگا کہ بلاؤ میرے شریکوں کو جو تمنے گمان کر رکھے

فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۳﴾ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ

تھے تو وہ اُن کو پکاریں گے - تو وہ نہ قبول کرینگے اُن کی بات کو اور کردینگے ہم درمیان اُنکے جگہ ہلاکت کی ۵۳ اور دیکھینگے مجرم لوگ دوزخ کو

فَظَنُّوْا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ﴿۵۴﴾ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

تو یقین کرلینگے کہ وہ اُسمیں پڑنے والے ہیں - اور نہ پائینگے اس سے بچنے کی جگہ ۵۴ اور بیشک ہمنے تو پھیر پھیر کر بیان

۵۹۳ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا اِس آیت سے مقصود یہ ہے کہ ہمنے قرآن شریف میں حق اور باطل کی شناخت ہر مناسب طریق سے کردی ہے اسپر بھی ضدی النسان بالطبع جدال ہی پر تُلے رہتے ہیں۔

تصریف آیات کا مضمون قرآن شریف میں متعدد مقامات پر مذکور ہے۔

اوّل یہی آیت جسکی تفسیر لکھی جا رہی ہے۔ (کہف پ۱۵)

دوم - اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ (انعام پ۷ ع)

سوم اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (انعام پ۷)

چہارم وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ؕ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا (بنی اسرائیل پ۱۵)

پنجم وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (بنی اسرائیل پ۱۵)

ششم وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا (طٰہٰ پ۱۶)

ہفتم وَلَقَدْ صَرَّفْنٰهُ بَيْنَهُمْ لِيَذَّكَّرُوْا فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا (فرقان پ۱۹)

ہشتم اِن آیات کے علاوہ ایک جگہ لفظ ضَرَبْنَا بھی آیا ہے۔ اُسے ہم مثلاً پر رکھتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔
وَلَقَدْ ضَرَبْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (زمر پ۲۳)

تصریف - آیات سے مراد ہے ایک مضمون کو کئی ایک طریق پر پھیر پھیر کر بیان کرنا - تاکہ ہر طبقہ اور ہر سمجھ کا آدمی اپنے اپنے مذاقِ طبع اور قابلیت فہم سے بات کو سمجھ سکے امام رازی رح سورت کہف کی اِس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ والتصریف یقتضی التکریر والامر کذالک لانہ لقد اجاب عن شبھتھم التی ذکروھا من وجوہ کثیرۃ ومع ذالک الجوابات الشافیۃ الامثلۃ المطابقۃ فھولاء الکفار لایترکون المجادلۃ الباطلۃ فقال وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا اَیْ اکثر اشیاء التی یتاتی منھا (کبیر جلد ۵ ص)

اور ضرب مثل سے مراد ہے - ایک بات کو بلحاظ مناسبت کسی پر چسپاں کرنا - تاکہ کم فہم لوگوں کی سمجھ میں بھی آجائے - حاصل دونوں لفظوں کا ایک ہی ہے - یعنے سمجھنے کیلئے سہولت پیدا کرنا اور یہ بات قرآن شریف میں خاص طور پر ملحوظ ہے چنانچہ فرمایا وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (القمر پ۲۷) یعنے ہمنے قرآن کو نصیحت کیلئے بہت ہی آسان کیا ہے کوئی نصیحت لینے والا ہے ؟

فِي هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۝

اس قرآن میں ہر بات ' اور انسان سب چیزوں سے بڑھکر جھگڑالو ہے ۵۵ ۹۴

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۶) آیاتِ محولہ بالا میں تصریف آیات (تکرار بیان کرنا) اور ضرب مثل کے اغراض و فوائد حسب ذیل بالتصریح بیان کئے گئے ہیں (۱) لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ (آیت نمبر ۳ میں) یعنے تاکہ یہ لوگ گہری سمجھ حاصل کرسکیں۔ (۲) لِيَذَّكَّرُوْا لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (آیات ۱و۲ میں) یعنے تاکہ یہ لوگ نصیحت حاصل کرسکیں (۳) لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (آیت ۵ میں) یعنے تاکہ یہ لوگ مقام تقوی یعنے پرہیزگاری حاصل کرسکیں (۴) اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا (آیت نمبر ۶ میں) یعنے یا اسلئے کہ یہ (تکرار آیات) ان کے لئے نصیحت کو تازہ رکھ سکے۔ انہی آیات میں بعض میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ باوجود اِن سب امور کے اکثر لوگ ضد و نفرت اور کفر و انکار پر اڑے رہتے ہیں اور نصیحت کو ہٹے رہتی ہیں مثلاً ان میں سے آیت نمبر ۲ میں فرمایا ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ (انعام پ۷) یعنے باوجود مکرر سہ کرر سمجھانے کے پھر بھی یہ لوگ پرے ہی پرے رہتے ہیں۔ اور آیت ۱ میں فرمایا وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا یعنے ہمنے تو اس قرآن میں انکی نصیحت کیلئے کئی کئی طریق سے بیان کیا ہے۔ لیکن انکو نفرت ہی نفرت بڑھتی ہے۔ اور آیت ۵ میں فرمایا فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا یعنے باوجود ان سب امور کے اکثر لوگوں نے سوائے کفر کرنے کے سب امروں سے انکار کردیا یعنے ایمان نہیں لاتے۔ اور کفر اختیار کرتے ہیں۔ اور اس آیت میں جسکی تفسیر ہو رہی ہے۔ فرمایا:۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا یعنے باوجود ہر طرح سے سمجھانے کے (ضدی) انسان (بالطبع) جدال ہی پر تلے رہتے ہیں۔

اسی مضمون کو دوسرے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے۔ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا (اعراف پ۹) یعنے یہ لوگ ایسے ضدی ہیں کہ اگر ہر نشانِ صداقت کو اپنی آنکھ سے بھی دیکھ لیں تو پھر بھی ایمان نہ لائیں اور طریقِ ہدایت (کی بھلائی) کو آنکھ سے دیکھ لیں تو اُسے اختیار نہ کریں لیکن اگر گمراہی کی راہ (کی خرابی) کو آنکھ سے بھی دیکھ لیں۔ تو اُسے اختیار کرلیں۔ اور اُسی راہ پر چلیں۔ نیز فرمایا وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ (یونس پ۱۱ ع)

حاصل مطلب یہ کہ چاہے تفہیم و تذکیر کے کتنے طریق اختیار کئے جائیں، ضدی اور جھگڑالو انسانوں کو کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ جیسا کہ کہا گیا ہے ؎ تہیدستانِ قسمت راچہ سود از رہبرِ کامل ٭ کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ می آرد سکندر را

پنجابی زبان میں اسی شعر کے مضمون کو یوں نظم کیا گیا ہے ؎

لدھا آب حیات سکندر کر کرکے تجویزاں ٭ قسمت باجھ نہ تک بھر پیتا شاہ عراق عجم دے

(حاشیہ صفحہ ھذا ۹۴) جَدَلًا۔ لغت میں جدال کے معنے ہیں دلیری اور بیباکی۔ اور جھگڑے کو جدال اسلئے کہتے ہیں کہ جھگڑا عموماً دلیر اور بیباک آدمی کرتا ہے۔ امام رازیؒ نے سورۂ غافر کی تفسیر میں کہا ہے۔ کہ جدال دو قسم پر ہے۔ ایک حق کو ثابت کرنے میں دیگر باطل کی تائید میں۔ اثباتِ حق میں جدال کرنا تو انبیاء کا کام ہے۔ جیسا کہ خدا تعالےٰ نے آنحضرت صلعم کو فرمایا۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نحل پ۱۴) لیکن جو باطل کے ثابت کرنے میں ہو۔ وہ مذموم ہے۔ اور یہی اس آیت میں مراد ہے۔ چنانچہ فرمایا۔ مَا يُجَادِلُ فِيْ اٰيٰتِ اللّٰهِ اِلَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (مومن پ۲۴) یعنے خدا کی آیات میں بجز کفار لوگوں کے دیگر کوئی بھی جھگڑا نہیں کرتا۔

باقی حاشیہ دیکھو صفحہ ۳۹ پر

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ

اور نہیں روکا لوگوں کو کہ وہ ایمان لاویں جبکہ آگئی انکے پاس ہدایت اور کہ وہ بخشش مانگیں اپنے رب سے

اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۶﴾

مگر اس بات کے انتظار نے کہ آوے اُنپر طریقہ پہلوں کا یا آوے اُن پر عذاب سامنے اُن کے ۵۶

بقیہ حاشیہ ص۳۸ نیز امام رازیؒ نے فرمایا کہ محاورہ جدال فی الشیٔ کے معنے ہیں جدال بالباطل اور جدال عن الشیٔ کسی کی حمایت اور مدافعت میں جدال کرنا۔ امام رازیؒ کی عبارت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اگر خلاف میں جدال ہو تو اسکا صلہ فے آتا ہے۔ جیسے آیات یجادلون فی ایاتنا (شوریٰ پ۲۵) اور یجادلون فے ایات اللہ (مومن پ۲۴) اور یجادلون فے الحق (انفال پ۹) میں؛

اور اگر کسی کے حق و حمایت میں ہو تو اسکا صلہ عن آتا ہے۔ جیسے آیات وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ (النساء پ۵) میں ؛

اور جس چیز کو دستاویز بنائیں اور اُس سے حجت پکڑیں۔ تو جدال کا صلہ اُس چیز کے ساتھ ب آتا ہے۔ جیسے اسی آیت کے آگے ہے۔ وَجَادَلُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ (کہف پ۱۵) یعنے ان منکروں نے باطل کو دستاویز بنا کر جدال کیا۔ تاکہ اُس باطل کے ساتھ حق کو دور کردیں؛ اور جس طریق سے جدال کیا جائے۔ اُس کے ذکر کے ساتھ بھی اُسکا صلہ ب آتا ہے۔ جیسے آیت وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (نحل پ۱۴) میں اور آیت وَلَا تُجَادِلُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ (عنکبوت پ۲۱) میں۔

(حاشیہ صفحہ ھٰذا) ۹۵ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ۔ اسجگہ لفظ انتظار محذوف ہے (فتح البیان) اسکی نظیر یہ آیت ہے۔ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا سُنَّتَ الْاَوَّلِيْنَ ۰ (فاطر پ۲۲) یعنے یہ لوگ کفار مکہ اگلے لوگوں کے دستور کے سوا کسی اور امر کے منتظر نہیں ہیں؛ نیز آیت فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ (یونس پ۱۱) یعنے پس نہیں انتظار کرتے یہ داخل مکہ مگر مثل اُن لوگوں کے ایام کی جو اُن سے پہلے گذر گئے ؛

۹۶ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ؛ یعنے خدا کا وہ دستور عذاب جو اگلے کفار کی نسبت گذر چکا ہے۔ اسجگہ لفظ سُنَّت کو لوگوں کی طرف مضاف کیا ہے۔ اسلئے کہ وہ لوگوں پر وارد ہوئی۔ گویا مفعول کیطرف مضاف ہے۔ اور بعض جگہ اسے اللہ کیطرف مضاف کیا ہے۔ مثلاً سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ (حم سجدہ پ۲۴) یعنے دستور خدا کا جو اسکے بندوں میں گذر چکا ہے۔ یہ اسلئے ہے کہ خدا اس کا فاعل ہے اور بعض جگہ انبیاء علیہم السلام کی طرف مضاف کیا ہے۔ مثلاً آیت سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا (بنی اسرائیل پ۱۵) یعنے دستور اُن لوگوں کا جنکو بھیجے ہم نے (اے پیغمبرؐ) تجھسے پہلے رسول بنا کر بھیجا ؛ یہ اسلئے ہے کہ خدا کا یہ دستور عذاب انبیاء علیہم کے انتقام میں جاری ہوتا رہا۔ اور ہر مقام پر اس سے مراد عذاب الٰہی ہے چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے:۔ وَسُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ هُوَ اَنَّهُمْ اِذَا لَمْ يُؤْمِنُوْا عُذِّبُوْا عَذَابَ الْاِسْتِئْصَالِ یعنے پہلوں کا دستور یہ کہ جب وہ ایمان نہ لائے تو بیخ کنی کے عذاب سے معذب ہوئے ؛

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ

اور نہیں بھیجتے ہم (داہیتے) پیغمبروں کو مگر بشارت دینے والے اور ڈر سنانے والے کرکے اور جھگڑا کرتے ہیں وہ جو

كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿۱۰﴾

کافر ہوئے باطل (طریق) سے تاکہ زائل کریں ساتھ اسکے راستی کو اور بنایا انہوں نے میری آیتوں کو اور میرے ڈراوے کو ٹھٹھا

۹۷ اِس آیت کا مطلب صاف ہے کہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے کہ ہم رسولوں کو دو طرح بھیجتے ہیں۔ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ایمان لانے پر نیک انجام اور رضائے الٰہی کی خوشخبری سنائی جائے، تاکہ انکو ایمان کی طرف رغبت ہو۔ اور انکار و نافرمانی کرنے پر برے انجام اور خدا کے غضب کی خبر دیجائے۔ تاکہ وہ کفر و عصیان سے باز رہیں۔ اسپر بھی بعض لوگ کفر پر مُصر رہتے ہیں بلکہ جدالی طبیعت سے باطل کی حمایت میں حق کو زائل کرنے کے لئے ہمارے رسولوں سے مجادلہ کرتے ہیں۔ اور میرے احکام کو اور ڈراوے کی خبروں کو ٹھٹھے مخول میں اڑانے کی کوشش کرتے ہیں جو ہم بواسطہ اپنے پیغبروں کے نازل کرتے ہیں۔

ارتباط ۹۸ پہلی آیت میں جنس انسانوں کو بالطبع جھگڑالو کہا تھا۔ اب اس آیت میں ذکر فرمایا کہ ایسے لوگ ہمارے رسولوں کے مقابلے میں حق کو زائل کرنے کیلئے اسی بری خصلت پر پیچھے بھی عمل کرتے رہے ہیں اور اب یہ کفار مکہ بھی اسی پر عمل کر رہے ہیں کہ ہمارے پیغمبر محمدؐ کی نبوت کے انکار میں لایعنی سوالات پیش کر رہے ہیں۔ کہ روح کی حقیقت بتاؤ۔ اصحاب کہف کا قصہ سناؤ اور ذوالقرنین کا ذکر بیان کرو۔ ورنہ تم نبی نہیں ہو۔

نکتہ عجیبہ۔ قادیانی لوگ مرزائے قادیانی کو نبی بنانے کیلئے اس امر سے انکار کرتے ہوئے کہ نبوت آنحضرتؐ پر ختم کردی گئی آیت ؔ خاتم النبیین ؔ اور حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وغیرہ نصوص صریحہ کے مقابلہ میں غلط استدلالوں کو دستاویز بنا کر مجادلۃ بالباطل کے طریق پر مجادلہ کرتے ہیں اور جہاں کہیں پیغمبروں کے بھیجنے کا ذکر بصیغہ مضارع آیا ہے۔ وہاں کہتے ہیں۔ کہ اگر پیغمبری ختم ہوگئی ہوتی تو صیغہ ماضی کا آتا۔ نہ کہ مضارع کا۔ اسکا ایک جواب یہ ہے۔ کہ ایسے مفہوم جو نص صریح کے مقابلہ میں ہوں۔ علم اصول کے رو سے باطل ہوتے ہیں۔ دیگر یہ کہ صیغہ مضارع اختیار کرنے کی یہ وجہ ہے۔ کہ یہ صیغہ حال اور استقبال دونوں میں مشترک ہے اور نبوت ختم ہوجانے کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرتؐ کے بعد کوئی شخص نبی نہیں بنایا جائیگا۔ چونکہ آنحضرتؐ کی حیات طیبہ میں سلسلہ وحی جاری تھا اور منقطع نہیں ہوا تھا۔ اسلئے مضارع کا لفظ فرمایا گیا۔ جو حال کیلئے بھی آتا ہے۔ جب حال کے لئے مقرر ہوگیا۔ اور آنحضرتؐ کی حیات میں نزول قرآن بزمانہ حال تھا۔ تو اس کے معنے استقبال کے جاتے رہے کیونکہ مضارع کے حال اور استقبال ہر دو کیلئے ہونیکے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ ہر جگہ اور ہر وقت باہم دونوں کیلئے آتا ہے۔ بلکہ اس کے یہ معنے ہیں کہ کبھی یہ حال کیلئے آتا ہے۔ اور کبھی استقبال کیلئے، حال کے لئے مقرر ہوگا۔ تو اسجگہ استقبال نہ رہیگا۔ اور استقبال کیلئے مقرر ہوگا۔ تو اسجگہ حال کے لئے نہیں رہیگا۔ فافهم ولا تکن من القاصرین۔ مسلمان مناظر مرزائیوں کے ایسے استدلالات کے لئے اس نکتہ کو خوب سمجھکر یاد کرلیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا ؀۹۸

اور کون بڑا ظالم ہے۔ اُس سے جس کو نصیحت کیگئی اُسکے ربّ کی آیتوں سے، تو اُسنے منہ پھیر لیا اُن سے، ؀۹۸

؀۹۸ حاصل مطلب یہ ہے۔ کہ جس شخص کو خدا تعالےٰ کے احکام سُناکر نصیحت کی جائے، اور وہ اُس سے منہ پھیر دے وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ کیونکہ اوّل تو نصیحت بذاتِ خود نظر انداز کرنے کی چیز نہیں۔ دُوم یہ کہ جب نصیحت میں خدا تعالےٰ کے احکام سُنائے جایئں تو اُنکی خلاف ورزی سے بہت شرم کرنی چاہیے۔ کیونکہ وہ ہر طرح کی ضرورتیں پوری کرتا۔ اور آسائشیں پہنچاتا ہے پس جو شخص اپنے خالق و مالک اور رازق و پروردگار کے احکام سے منہ موڑتا ہے۔ اور اُنکی پرواہ نہیں کرتا۔ وہ بڑا ہی بے شرم ہے اِسی لئے یہاں پر ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ میں اسم رَبّ استعمال کیا گیا ہے اور چونکہ مُنعم کا حق ہے کہ احکام کی خلاف ورزی پر پُرسش کرے اور سزا دے اسلئے اُسکے عذاب سے ڈرنا بھی چاہیئے۔ اور جو نہیں ڈرتا وہ سیاہ دل ہے۔ سوم یہ کہ وہ احکام الٰہی خدا کے پیغمبر کی زبانی سُنائے جاتے ہیں جسکی زندگی کا ہر لمحہ ظاہراً و باطناً عملاً و اعتقاداً، اخلاقاً و معاملتہً اُن احکام کی عملی تصویر ہے۔ اور ہر پہلو سے بے لَوث ہے۔ ایسی مقدس ہستی کی زبانی جو بھی نصیحت سُنی جائے۔ اُسے ضائع نہیں جانے دینا چاہیے۔ بلکہ دل میں جگہ دینی چاہیئے، خصوصاً جبکہ وہ خداوند تعالےٰ کے احکام سے ہو۔ چہارم یہ کہ خدا کا پیغمبر نہایت درجے کا شفیق اور بے طمع خیر خواہ ہوتا ہے۔ پس جو بدقسمت خدا کے پیغمبر کی نصیحت سے جو خدا کے احکام کی تبلیغ ہوتی ہے۔ منہ پھیر لیتا ہے۔ وہ ان سب واجب اللحاظ امور مذکورہ کو نظر انداز کرتا ہے۔ اسلئے وہ اپنے صیغہ میں سب سے بڑا ظالم ہے۔

نکتہ قرآن مجید میں مَنْ اَظْلَمُ کا حکم چند قسم کے لوگوں پر آیا ہے۔ اوّل الٰہی احکام کی نصیحت سے منہ موڑنے والوں پر جیسا کہ اس آیت میں ہے اِسی طرح کی دوسری آیت سورت آلٓمّٓ سجدہ پ۲۱ میں ہے۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ یعنے اُس سے بڑھکر ظالم کون ہے؟ جسے خدا کی آیات سے نصیحت کی جائے، پھر وہ اُن سے منہ پھیرے۔ ہم ضرور ضرور اِن مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں؟

اس قسم کے لوگوں کے اَظْلَمُ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا تعالےٰ سب سے بڑا ہے۔ اور اس کا استحقاق بھی سب سے بڑا ہے۔ پس جسنے اُس کے احکام کی نصیحت سے منہ موڑا، اُس نے سب سے بڑی ہستی کی شان کی تحقیر و حق فراموشی کی پس وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ دوم جھوٹے مدعیانِ نبوت پر، جیسے سورتِ صف (پ۲۸) میں فرمایا وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُوَ يُدْعٰٓى اِلَى الْاِسْلَامِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ معنے اور کون بڑا ظالم ہے اُس سے جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ حالانکہ اُسے بلایا جاتا ہے طرف اسلام کی اور اللہ نہیں ہدایت کیا کرتا ظالموں لوگوں کو

اِسی طرح سورتِ انعام پ۷ میں فرمایا۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ (انعام پ۷) اور کون بڑا ظالم ہو اُس سے جو باندھے خدا پر جھوٹ یا کہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے حالانکہ اُسکی طرف کچھ بھی وحی نہیں کیا گیا۔ اور جو کہے میں ضرور اُتارونگا مثل اسکی جو اُتارا خدا نے یعنی قرآن جیسا معجزہ

(بقیہ حاشیہ صا۴) اِس قسم کے لوگوں کے اَظْلَمُ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس ہستی پر جھوٹ باندھا جائے جتنے لوگ اُس کے اثر میں ہوں، اُتنے ہی لوگوں کو اُس کا دھوکا لگ سکتا ہے چونکہ خدا تعالےٰ کی ہستی سب سے بڑی ہے۔ اور اُسکا اثر ساری دنیا پر ہے۔ اسلئے خدا پر جھوٹ باندھنے والے یا جھوٹا دعویٰ نبوت کرنیوالے یا کوئی مسئلہ از خود بنا کر اُسے شریعت میں داخل کرنیوالے سے ساری دُنیا کو دھوکا لگ سکتا ہے۔ اسلئے وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ اِسی معنے میں آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔ اِنَّ كَذِبًا عَلَيَّ لَيْسَ كَكَذِبٍ عَلٰى اَحَدٍ فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ فِي النَّارِ (مقدمہ صحیح مسلم صے) یعنے مجھ پر جھوٹ باندھنا کسی دوسرے پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے۔ جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنائے؛

امام نووی نے اِسکی شرح میں فرمایا۔ یہ اسلئے ہے کہ اس کا فساد عظیم ہے۔ کیونکہ وہ مسئلہ قیامت تک شریعتِ مستمرہ بنجائے گا۔ بخلاف اُس جھوٹ اور شہادت کے جو آپ کے غیر پر ہو کیونکہ اُس کا فساد کم ہے عام نہیں ہے۔ (انتہٰی مترجماً صش)

سوم اُن لوگوں پر مَنْ اَظْلَمُ کا لفظ آیا ہے۔ جو خدا کی مسجدوں سے خدا کا ذکر کرنے والوں کو روکیں۔ چنانچہ پہلے پارہ میں فرمایا:۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا (پ بقر)

اور کون بڑا ظالم ہے اُس سے جو منع کرتا ہے۔ خدا کی مسجدوں سے اسبات سے کہ ذکر کیا جائے اُن میں نام اُسکا اور سعی کرتا ہے اُن کے اُجاڑنے میں؛

اِس قسم کے لوگوں کے اظلم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ذکر ہمیشہ تابع مذکور کے ہوتا ہے۔ یعنے جس شخص کا ذکر کیا جائے جو شان اُسکی ہوگی وہی شان اُس کے ذکر کی ہوگی چونکہ اللہ سب سے بڑا ہے اسلئے اُسکا ذکر بھی سب سے بڑا ہے۔ چنانچہ فرمایا وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (پ۲۱ آیت اول) یعنے اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ پس جو شخص خدا کے ذکر سے منع کرتا ہے۔ خاصکر مسجد سے روکتا ہے وہ سب سے بڑا ظالم ہے؛

سوال۔ مذکورہ بالا تفصیل سے معلوم ہوا کہ اِن ہر سہ قسم کے لوگوں کو بڑا ظالم کہا گیا ہے یہ کسطرح ہو سکتا ہے سب سے بڑا صرف ایک ہی ہوجانا ہے۔

جواب۔ اِسکے جواب دو ہیں۔ اوّل یہ کہ جس طرح امتحانات میں کامیابی کے تین درجے ہوتے ہیں اوّل درجے میں پاس ہونے والے متعدد طالب علم ہوتے ہیں اُن کے نمبر بھی کم و بیش ہوتے ہیں پھر بھی کہا جاتا ہے۔ کہ وہ سب فرسٹ ڈویژن یا فرسٹ کلاس (اوّل درجے) میں پاس ہوئے ہیں۔ پس یہ اظلمیت بلحاظ درجے کے ہے نہ کہ بلحاظ افراد کے۔ **دوم** یہ کہ جب وہ امور جنکی بنا پر اُنکو اَظْلَم کہا گیا ہے۔ الگ الگ نوع کے ہیں۔ تو ہر ایک نوع کے ماتحت متعدد گناہ ہیں اور ہو سکتے ہیں تو ہر نوع میں سے اِن تین قسم کے لوگ اوّل نمبر کے گنہگار ہیں۔ اور قرآن کی اِن تین قسم کی آیات کو بغور دیکھنے سے صاف نظر آتا ہے کہ یہ تینوں گروہ خدا کی نصیحت اور اُسکی آیات سے مُنہ موڑنے والے ہیں۔ پس یہ تینوں انواع ایک ہی **جنس** کے ماتحت ہیں۔ چنانچہ جس آیت کی تفسیر ہو رہی ہے۔ اُس میں تو آپ نے دیکھ لیا۔ کہ اُنکو خدا کی آیات سے مُنہ موڑنے والے کہا ہے۔ دوسری قسم کی آیت نمبر(۱) میں اسی بات کو يَصُدُّوْنَ عَنِ الْاِسْلَامِ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ اسی قسم کی دوسری آیت کے اخیر میں کہا گیا ہے وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ (انعام پ۷) یعنے اِن جھوٹے مدعیان نبوت کی جان کنی کے وقت خدا کے فرشتے اُن سے کہینگے۔ کہ ایسا سخت سلوک ہم تم سے اسلئے کر رہے ہیں کہ "تم خدا کی آیات سے تکبر کرتے تھے"۔ اور تیسری قسم کی آیت میں یعنے مسجدوں میں سے ذکر الٰہی کے منع کرنے والوں کو جو اظلم کہا گیا ہے۔

وَلِتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ

وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ ۗ

اور بھلا دے وہ اپنے وہ (اعمال) جو آگے بھیجے اسکے ہاتھوں نے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۲) وہ بھی بالکل صاف ہے کہ ایسا شخص خدا کے ذکر کی تحقیر و بے قدری کرتا ہے۔ اور خدا کی مسجدوں کا احترام نہیں کرتا۔ جو منجملہ اسکے قابلِ تعظیم نشانات کے ہیں۔ چنانچہ شعائر اللہ یعنی نشانات الٰہی کی تعظیم کرنے والوں کی نسبت فرمایا۔ وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج پ۱۷) یعنی جو کوئی خدا کے نشانات کی تعظیم کرتا ہے پس یہ امر دلوں کے تقویٰ کی وجہ سے ہے۔ پس جس طرح قرآن شریف آیات اللہ یعنی نشاناتِ الٰہیہ میں سے ہے۔ اسی طرح مسجدیں بھی خدا کے نشانات میں سے ہیں۔ پس ہر دو کی بے قدری کرنیوالے ایک ہی قسم کے گنہگار ہیں یعنی اَظْلَم ہیں۔ فافہم و تدبر ولا تغفل فانہ لطیف جداً والحمد للہ الملہم

سوال: ظُلم بے انصافی اور حق تلفی کو کہتے ہیں جن لوگوں کو اَظْلَم کہا گیا ہے۔ انکا ظلم کس کے حق میں ہے۔

جواب: صورۃً تو یہ بات ہے کہ انہوں نے خدا تعالےٰ کے حق اطاعت کو ضائع کیا لیکن اسکا وبال گنہگار کی گردن پر ہے۔ چنانچہ فرمایا:۔ وَمَا ظَلَمُونَا وَلٰكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ (پ۱) یعنی انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا، ولیکن اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہے۔ نیز فرمایا مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا (پ۲۴ اخیر آیت) یعنی جنے عمل صالح کیا۔ تو وہ اُسکی اپنی جان کے لئے ہے۔ اور جنے برا کیا پس اسکا بوجھ خاص اُسی پر ہے۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) فقہ لغات مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ لفظی ترجمہ یہ ہے جو کچھ آگے بھیجا اُسکے دو ہاتھوں نے۔ اور مراد وہ اعمال ہیں جنکی جزا اگلی زندگی میں ملنی ہے۔ یہ محاورہ قرآن مجید میں بکثرت مستعمل ہے۔ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ (پ۱) ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ (انفال پ۱۰)

اعمال کو ہاتھوں کی کمائی کہنا بھی قرآن مجید میں بکثرت ہے۔ مثلاً مَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ (شوریٰ پ۲۵) اگرچہ بعض اعمال بعض دیگر اعضائے بدن سے بھی کئے جاتے ہیں۔ بلکہ عموماً ہر کام میں سارے یا اکثر اعضائے بدن سے تعلق ہوتا ہے۔ لیکن عام محاورہ یہی ہے کہ اعمال نیک ہوں یا بد۔ دنیوی ہوں یا اُخروی۔ اُن کو "ہاتھوں" کی طرف نسبت دیجاتی ہے۔ مثلاً کتابت کی تو جاتی ہے۔ ہاتھ سے۔ لیکن آنکھ کی بینائی کے بغیر ہاتھ یہ کام نہیں کرسکتا۔ پھر یہ کہ کاتب (خوشنویس یا عام منشی اور کلارک) پاؤں سے چلکر مطبع یا دکان یا دفتر میں جاتے ہیں۔ اور زبان سے بول کر خاص اسی کام کے لئے کتنے سوال حل کرتے ہیں۔

اسی طرح دیگر کاموں کو سمجھ لیں۔ خصوصاً کاشتکاری کو کہ اس میں سارے اعضائے بدن کو سخت محنت و مشقت میں ڈالنا پڑتا ہے۔

غرض بدن انسان کی مشین کے سب پُرزے کم و بیش عموماً ہر کام میں حرکت کرتے ہیں۔ لیکن پھر بھی آپ اپنی محنت سے جو کچھ حاصل کرتے ہیں اُسکی نسبت آپ کہتے ہیں۔ کہ میرا یہ سارا مال و متاع میرے ہاتھوں کی کمائی ہے۔

إِنَّا جَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا

بیشک ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ اُسے سمجھ نہ سکیں۔ اور اُنکے کانوں میں ثقل پیدا کر دیا ہے

حل لغات - اَکِنَّۃ جمع ہے کِنّ بمعنے پردہ کی۔ اِسکی جمع اَکنان بھی آتی ہے۔ جیسے آیت جَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا میں ہے (پ۱۴ نحل ع۱۱) اسجگہ اَکِنَّۃ سے عدم تفہیم یعنے بے سمجھی کے پردے مراد ہیں۔ بدلیل اَنْ یَّفْقَهُوْہُ جیسے وَعَلٰٓى اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ (پ۱ بقرع۱) میں باطنی نابینائی کا پردہ مراد ہے۔ (مطول ومختصر)

وَقْرًا - وقر کے معنے ہیں "بوجھ" اور کانوں میں بہرہ پن کی وجہ سے جو بوجھ معلوم ہوتا ہے اُسے بھی وقر کہتے ہیں یہاں پر اس بہرہ پن سے بھی باطنی بہرہ پن مراد ہے۔ یعنے جس طرح ظاہری بہرہ سُن نہیں سکتا۔ اور نصیحت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ اسی طرح یہ باطنی بہرے بھی ہماری آیات کی نصیحت سے فائدہ نہیں اُٹھا سکتے۔ جیسے کہ فرمایا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ اٰيٰتُنَا وَلّٰى مُسْتَكْبِرًا كَاَنْ لَّمْ يَسْمَعْهَا كَاَنَّ فِيْٓ اُذُنَيْهِ وَقْرًا (لقمان پ۲۱)	اور جب پڑھی جاتی ہیں اسپر ہماری آیتیں تو منہ پھیر لیتا ہے۔ متکبر ہو کر گویا کہ نہیں سُنا اُسنے انکو۔ گویا کہ اُس کے کانوں میں بوجھ ہے۔

سوال اِس آیت میں دلپر پردے اور کانوں کے بوجھ کی نسبت خدا تعالےٰ نے اپنی طرف کی ہے کہ ہمنے ایسا کیا جب خود خدا نے ایسا کر دیا ہے۔ تو بندے کا قصور کیا ہے؟ اور بندہ اُس کا مقابلہ کس طرح کر سکتا ہے؟

جواب - قرآن مجید میں جہاں کہیں ایسا ذکر ہے۔ اُس سے پیشتر اُن لوگوں کے کفر وفسق یا طغیان یا عند و اصرار یا استہزاء وانکار کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ جیسا کہ اسجگہ بھی مذکور ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ لوگ دیدہ ودانستہ کفر وفسق اختیار کرتے ہیں اور تعلیم وتذکیر الٰہی کی پرواہ نہیں کرتے۔ تو خدا تعالےٰ انبیاء یا خلفائے انبیاء کی تفہیم وتذکیر اور وعظ وتبلیغ کے بعد اُن لوگوں پر حجت پوری کر کے بطور نتیجہ کے اُن سے اپنی توفیق ہٹا لیتا ہے۔ اور اُنکی پرواہ نہیں کرتا۔ اور اُن کو اپنی درگاہ سے راندہ دیتا ہے۔ ختم۔ اضلال۔ اغوا طبع۔ جعلِ غشاوہ۔ جعلِ اکنہ۔ جعلِ وقر وغیرہ وغیرہ الفاظ کو جہاں کہیں خدا تعالےٰ کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ ان سب سے مراد لعنت کرنا۔ مہلت دینا خذلان اور توفیق کا ہٹا لینا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ فرمایا وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا (نساء پ۶) اور دوسری جگہ اسی امر کی نسبت فرمایا وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ (پ۱ ع) نیز فرمایا فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا اور وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (پ۱ ع) نیز فرمایا وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ (اعراف پ۹) اور سیدنا حضرت امام ابو حنیفہ رح فقہ اکبر میں فرماتے ہیں وَاِضْلَالُهٗ خِذْلَانُهٗ یعنی خدا کے اضلال کے معنے ہیں توفیق کا ہٹا لینا۔ اور اِس پر آگے خود ہی اسکی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ وتفسیر الخذلان ان لا یوفق العبد علی ما یرضاه عنه (شرح فقہ اکبر للملا علی القاری المطبوعہ مصر ص) نیز ایمان کی طرف دعوت ہونے پر کافر کے کفر اختیار کرنے کی وجہ میں فرماتے ہیں وَاِنْكَارُهٗ وَجُحُوْدُهٗ بِخِذْلَانِهٖ (اور کافر کا کفر اور انکار خدا تعالےٰ کے توفیق نہ دینے سے ہے) اور توفیق اسکو نہیں دیتا جسکو اپنے علم میں

وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۸﴾ وَ

اور اگر تم اُن کو ہدایت کی طرف بلاؤ تو کبھی رستے پر نہ آئیں گے ۵۸ اور

رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا

تمہارا پروردگار بخشنے والا صاحب رحمت ہے اگر پکڑے اُن کو اُنکی کرتوتوں کے سبب

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۴) قابل لعنت جان لیا ہے۔ عام لوگ یا مخالفین جو یہ سمجھتے ہیں کہ خدا تعالےٰ ابتداءً ہی اُنکی سمجھ مار دیتا ہے۔ اور اُن کے دلوں پر مُہر لگائی ہوتی ہے۔ یہ درست نہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ لوگ جہالت یا بُری صحبت یا نفسانی خواہش سے کفر و فسق و عصیان میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ خدا تعالےٰ اپنے انبیا ریا اُن کے خلفاء کے ذریعے اُن لوگوں کو اپنے احکام پہنچاتا ہے۔ بعض اُن میں سے ایمان لے آتے ہیں۔ اور بعض کفر و فسق پر مُصر رہتے ہیں جیسا کہ فرمایا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ (بقرہ پ ۳) نیز فرمایا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ (نساء پ ۵) پس خدا تعالےٰ اُن کے اصرار و انکار کے بعد اُن پر ایک حد تک تبلیغ کی حجت پوری کر کے اُن کے اصرار و ضد کی وجہ سے ایسا ناراض ہو جاتا ہے۔ کہ اُن کو ملعون کر کے اپنی درگاہ بے پرواہ سے راندہ دیتا ہے۔ اور اپنی توفیق اُن سے ہٹا لیتا ہے۔ جسکے معنے حضرت امام صاحب یہ فرماتے ہیں۔ کہ اُن کے لئے اپنی رضا کے اسباب مہیا و میسّر نہیں کرتا۔ (اعاذنا اللّٰہ منہا)

تنبیہ۔ یہ تحریر گو مختصر ہے۔ لیکن خدا کے فضل سے ساری عمر کے مطالعہ و فکر اور قرآن و حدیث کے نصوص اور علم کلام و حدیث و تفسیر کا نچوڑ ہے اور کامل وثوق سے لکھی گئی ہے۔ اسلئے اُس کے انکار میں جلدی نہ کرنی چاہئے۔ واللّٰہ الھادی

حاشیہ صفحہ ھذا ۵۸ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى الخ اس میں حسب تحرید سابق کفار کی شدت بیان کی ہے۔ کہ اگرچہ آپ اُنکو ہر طرح کی تفہیم سے ہدایت کی طرف بلاویں، تو یہ کبھی بھی ہدایت پانے والے نہیں۔ پس آپ اُنکے حال پر افسوس نہ کریں۔ جیسا کہ شروع سورت میں پہلے ہی رکوع میں فرمایا فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ ۱۲

۵۹ اس آیت میں سمجھایا کہ باوجود اِن کے کافر و نافرمان ہونے کے ہمنے جو اِن کو عذاب میں تاخیر کر رکھی ہے۔ تو اسکی یہ وجہ ہو کہ جس طرح ہمنے ہر کام کیلئے ایک مہلت رکھی ہے۔ اِس طرح اُنکی ہلاکت کا بھی ایک وقت مقرر کر رکھا ہے۔ اور یہ مہلت محض ہمارے کرم و مغفرت کی وجہ سے ہے۔ کہ کل قیامت کو یہ لوگ یہ نہ کہیں۔ کہ ہمکو سوچنے کی مہلت نہیں ملی۔ ورنہ یہ کبھی کے نیست و نابود کر دیئے گئے ہوتے۔ جیسا کہ سورت طٰہٰ میں فرمایا وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى۔ پ ۱۶

(باقی حاشیہ صفحہ ۴۵ پر دیکھو)

لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۚ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ

تو اُن پر جلدی سے عذاب بھیج دے، بلکہ اُن کے لئے ایک مقرر وقت ہے کہ نہ پائینگے اس سے اِدھر

مَوْئِلًا ﴿۵۹﴾ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا

پناہ کی جگہ سنٹہ اور یہ بستیاں ہلاک کر دیا ہمنے اُن کو جب انہوں نے ظلم کیا اور مقرر کی تھی ہمنے انکی ہلاکت کیلئے

(بقیہ حاشیہ ص۴۵) نیز فرمایا وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (ر۲ قصص) اور اسجگہ سورت کہف میں اپنی صفت مغفرت اور رحمت کا ذکر بتانے کے لئے کہا کہ یہ تاخیر محض تقاضائے رحمت سے ہے۔ کہ ہم غفور اور رحیم ہیں اور اسم ربّ کو کَ خطاب کی طرف جو ذاتِ اقدس آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اسلئے مضاف کیا۔ کہ مجادلین کی کوشش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کے مقابلہ میں تھی جسکا اشارہ اس سے پیشتر آیت ۵۶ میں یعنی لیدحضوا به الحق میں پایا جاتا ہے۔ اس مخالفانہ مزاحمت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچتی تھی۔ اور آپ افسوس کرتے تھے کہ میں تو محض اُن کی خیر خواہی کیلئے اور وہ بھی بلا معاوضہ اُن کو برائیوں سے بچانے کے لئے اور وہ بھی محض خدا کی تبلیغ کرتا ہوں۔ اور یہ لوگ اُلٹے میری مخالفت کرکے اُس حق کو جو خدا نے نازل کیا ہے مٹانا چاہتے ہیں۔ جیسا کہ اسی سورت کے شروع ۱ میں آیت فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ میں گذر چکا ہے۔ اسلئے مناسب تھا کہ اپنی وسعتِ رحمت و مغفرت کا ذکر کرتے وقت آنحضرت ؐ کو مخاطب کرکے اپنی شانِ ربوبیت کو آپ کی طرف مضاف کیا جائے کہ اے حبیب ہم غفور و رحیم ہیں اور آپ کو تو اسلئے رسول کیا ہے۔ کہ ہم تمام عالمین پر رحمت کریں۔ جیسا کہ فرمایا وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء ر۷) تو جب ہم رحیم ہیں اور عالمین پر آپ ہماری رحمت کا موجب ہیں۔ تو ہماری اور آپ کی شان کے لائق یہی ہے۔ کہ اِن لوگوں کے عذاب کرنے میں جلدی نہ کیجائے۔ بلکہ ان کو ڈھیل دیجائے۔ تاکہ جو توبہ کرنے والے ہوں وہ توبہ کا موقع پاسکیں اور جو توبہ نہ کریں اُن پر حجت پوری ہو جائے۔ اسی لئے دوسری جگہ آنحضرت ؐ کو سب مشکلاتِ تبلیغ اور مصائب و اذیتہائے منکرین پر صبر کرنے اور اُن کے لئے عذاب مانگنے میں جلدی نہ کرنے کا حکم کیا۔ چنانچہ فرمایا:۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ وَلَا تَسْتَعْجِلْ لَّهُمْ (احقاف پ۲۶) یعنی اے پیغمبر! پس صبر کر جس طرح صاحبانِ عزم رسولوں نے صبر کیا۔ اور اُن کے (عذاب کیلئے) جلدی (کی دعا) نہ کرنا۔ نیز فرمایا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ (ن پ۲۹)

سنٹہ لغات۔ مَوْئِلًا اسم ظرف ہے آل یئول اولا از باب قال۔ بمعنے مَرْجِعًا و مَلْجَأً يَرْجِعُوْنَ اِلَيْهِ وَيَلْجَئُوْنَ یعنے جائے پناہ جہاں پر جاکر پناہ پکڑ سکیں اور خدا کے عذاب سے بچ سکیں۔

ف۱۰۵ اِس آیت میں گذشتہ ہلاک شدہ امتوں میں جو دستور برتا تھا اُسکا ذکر کیا ہے کہ ہماری سنتِ مستمرہ یہی ہے۔ کہ ہم ایک مقرر وقت تک ہر ایک کو مہلت دیتے ہیں جب وہ مہلت ختم ہو جاتی ہے تو عذاب میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں ہوتی ۱۲۔ اعاذنا اللہ منہ۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی[۱]

اور جب کہا موسیٰ ؑ نے

آیت ۶۰

یہ قصہ یہاں کیوں ذکر کیا سابقاً سورت کہف کے شانِ نزول کے ذکر میں صفحہ ۲ پر گذر چکا ہے کہ یہودیوں یا نصرانیوں کے سکھانے سے کفارِ قریش نے آنحضرت صلعم سے آزمائشی طور پر روح کی حقیقت۔ اصحاب کہف۔ اور ذوالقرنین کا قصہ دریافت کیا۔ آنحضرت ؐ نے خدا کی وحی سے سب سوالوں کا جواب باصواب دیا۔ لیکن اگر آپ اِن کے جواب نہ بھی بتاتے۔ تو آپ کی نبوت میں کوئی قدح واقع نہیں ہو سکتی تھی۔ کیونکہ علیم کل ہونا خدا کی شان ہے نہ کہ نبی کی۔ مخلوقات کا علم خواہ وہ فرشتہ ہو۔ خواہ نبی ہو۔ خواہ ولی ہو۔ خواہ دیگر قسم علومِ دُنیا کا عالم ہو۔ کُلی نہیں ہوتا۔ چنانچہ فرمایا:۔

وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ (آیت الکرسی شروع پ ۳)

خدا تعالےٰ تو اُن کی اگلی اور پچھلی سب باتوں سے واقف ہے۔ لیکن یہ خدا کے علم میں سے کچھ بھی نہیں لے سکتے مگر اُسی قدر کہ وہ دخل چاہے۔

قریشیوں کو یہ سوالات سکھانے والے یہودی ہوں یا نصرانی۔ ہر دو فرقے حضرت موسےٰ ؑ کی نبوت کے قائل ہیں حضرت موسیٰ کا یہ قصہ بیان کر کے یہودیوں، نصرانیوں اور قریشیوں ہر ۳ گروہوں کو سمجھایا۔ کہ جس طرح موسےٰ ؑ اِن اُمور کی حقیقت سے جو اُنکو حضرت خضر ؑ سے پیش آئے تھے۔ ناواقف ہوتے ہوئے بھی نبی برحق تھے۔ اِسی طرح اگر محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بھی تمہارے پیش کردہ سوالوں کے جواب سے ناواقف ہوں۔ تو اُنکی نبوت میں بھی قدح واقع نہیں ہو سکتی (مستفاد از تفسیر کبیر)

تفصیل قصہ حضرت موسےٰ ؑ جماعت بنی اسرائیل میں رونق افروز تھے۔ کہ ایک شخص نے آکر سوال کیا ھَلْ تَعْلَمُ اَحَدًا اَعْلَمَ مِنْکَ کیا۔ آپ کو ایسا شخص معلوم ہے۔ جو علم میں آپ سے زیادہ ہو۔ قَالَ مُوْسٰی لَا، موسیٰ ؑ نے کہا نہیں۔ فَاَوْحَی اللّٰہُ اِلٰی مُوْسٰی بَلٰی عَبْدُنَا خَضِرٌ خداوند تعالےٰ نے موسیٰ ؑ کی طرف وحی کی کہ کیوں نہیں ہمارا بندہ خضر (تم سے زیادہ علم والا) ہے۔ فَسَاَلَ مُوْسٰی السَّبِیْلَ اِلَیْہِ یعنے موسیٰ علیہ السلام نے خدا تعالےٰ سے اُسکی (ملاقات کے لئے) راہ پوچھی۔[۱]

اِسکے بعد وہ تفصیل ہے جو آگے مذکور ہوگی انشاء اللہ۔

---

[۱] صحیح بخاری کتاب العلم ۱۲ منہ

لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ (۱۰۶)

اپنے خادم سے کہ میں نہیں ٹلونگا

فتٰه لِفَتٰهُ یعنے اپنے خادم کو کہا۔ فتٰے اصل میں نوعمر جوان کو کہتے ہیں جیسا کہ شروع سورت میں انہی اصحاب کہف کی نسبت فرمایا اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ بصیغہ جمع کہ وہ چند نوجوان تھے۔ لیکن محاورہ میں غلام مملوک اور خادم غیر مملوک پر بھی اسکا استعمال بہت ہے۔ لسان العرب میں ہے:۔

اَلْفَتَاءُ الشَّبَابُ وَالْفَتٰى وَالْفَتِيَّةُ اَلشَّابُّ وَالشَّابَّةُ	اَلْفَتَاءُ (بالهمزة) جوانی۔ اور اَلْفَتٰى جوان لڑکا اَلْفَتِيَّةُ جوان لڑکی۔

پھر اس کے بعد دور جاکر کہا ہے:۔

وَالْفَتٰى وَالْفَتَاةُ اَلْعَبْدُ وَالْاَمَةُ وَفِي حَدِيْثِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهُ قَالَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَاَمَتِيْ وَلٰكِنْ لِيَقُلْ فَتَايَ وَفَتَاتِيْ اَيْ غُلَامِيْ وَجَارِيَتِيْ۔ كَاَنَّهُ كَرِهَ الْعُبُوْدِيَّةَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَسَمَّى اللّٰهُ تَعَالٰى صَاحِبَ مُوْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ الَّذِيْ صَحِبَهُ فِي الْبَحْرِ فَتَاهُ فَقَالَ تَعَالٰى وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ (الآیہ) قَالَ لِاَنَّهُ كَانَ يَخْدِمُهُ فِيْ سَفَرِهٖ وَدَلِيْلُهٗ قَوْلُهٗ اٰتِنَا غَدَآءَنَا۔

(لسان العرب جلد بستم زیر لفظ فتی)

اور الفتٰی اور الفتاۃ۔ غلام اور لونڈی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں ہے۔ کہ نہ کہے کوئی تم میں سے (اپنے غلام اور لونڈی کو) عَبْدِیْ اور اَمَتِیْ (کا لفظ) لیکن کہے فَتَایَ وَفَتَاتِیْ یعنے غلام اور لونڈی۔ گویا کہ آنحضرت صلعم نے عبودیت کی نسبت کو واسطے غیر اللہ کے بُرا جانا اور خدا تعالےٰ نے موسٰیؑ کے رفیق کو جو دریا میں آپ کا رفیق تھا۔ فَتَاہُ کہا ہے۔ چنانچہ فرمایا اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰهُ تو ایسا اسلئے کہا:۔ کہ وہ سفر میں آپ کی خدمت کرتا تھا۔ اور اس بات کی دلیل موسٰیؑ کا یہ قول ہے۔ "وے ہمکو ہمارا دن کا کھانا۔"

اِس خادم کا کیا نام تھا؟ قرآن و حدیث میں نہیں بتایا گیا۔ کہ اُس کا کیا نام تھا۔ اور نہ اس کی ضرورت ہے۔ کیونکہ مقصود مضمون سے ہے۔ نہ کہ نام کی تعیین سے۔ لیکن جمہور مفسرین کا قول ہے۔ کہ وہ حضرت یوشع بن نون تھے، جو رشتہ میں حضرت موسٰےؑ کے بھانجے تھے۔ اور آپؑ کے بعد آپکی خلافت میں نبی ہوئے۔ (ابن کثیر وغیرہ)

لَآ اَبْرَحُ لَآ اَبْرَحُ فعلِ ناقص ہے۔ مع اپنے اسم ضمیر متکلم کے، اور خبر اُسکی محذوف ہے۔ یعنے اَسِیْرُ وغیرہ بدلیلِ امرِ سفر (کبیر)

حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ﴿٦١﴾

حتٰے کہ پہنچ جاؤں میں مقام مجمع البحرین ہیں یا گذار دونگا میں زمانہ دراز

فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا

پس جب وہ دونوں ان دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچ گئے تو ان دونوں کو مچھلی کا ذکر فراموش ہوگیا

ف۱۰۸ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ ۔ اَلْبَحْرَيْنِ ۔ کا الف لام معہود ذہنی کا ہے جو ایسے اسم پر لایا جاتا ہے جو باوجود الفاظ میں غیر معین ہونے کے متکلم اور مخاطب کے درمیان معین و معلوم ہوتا ہو جیسے اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ (توبہ پ) یعنے جب وہ دونوں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر رض) اُس (معہود و معلوم) غار میں تھے؛

خدا تعالیٰ نے اِس مقام پر اُس مجمع البحرین کے مقام کا نام نہیں لیا۔ کیونکہ یہ حکایت ہے موسیٰ ع کے کلام کی جو انہوں نے اپنے رفیق سفر سے کہا تھا اور وہ مجمع البحرین کو پہچانتے ہونگے۔ اس لئے نام لینے کی ضرورت نہ سمجھی۔ مفسرین نے اِس مقام کی تعیین میں کئی ایک اقوال نقل کئے ہیں۔ لیکن جب نہ خدا تعالےٰ نے اِس مقام کی تعیین کی۔ اور نہ اُسکی وحی کے امین رسول کریم ص نے اُس کا پتہ بتایا۔ اور پچھلی حکائتوں کیلئے اِن دونوں کے سوا کوئی ذریعہ قابلِ وثوق نہیں ہے۔ تو اس مقام کی تعیین میں خامہ فرسائی کرنا بے سود ہے؛

ف۱۰۸ حُقُبًا ۔ لُغت میں حُقُب زمانہ دراز کو یا زمانہ بقدر اسّی سال یا اس سے زیادہ کو کہتے ہیں قاموس میں ہے اَلْحُقُبُ بِالضَّمِّ وَبِضَمَّتَيْنِ ثَمَانُوْنَ سَنَةً اَوْ اَكْثَرُ ۱۲ منہ حُقُب (ح کے ضمہ سے اور ح ق ہر دو کے ضمہ سے) اسّی سال یا اس سے زیادہ کو کہتے ہیں

ف۱۰۹ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا مجمع البحرین تک پہنچنے میں کیا کیا واقعات پیش آئے؟ انکی تفصیل مقصود سے باہر ہے اسلئے انکا ذکر نہیں کیا اور گذشتہ واقعات کے دُہرانے اور حکایت کرنے میں قرآن مجید کا اسلوب بیان یہی ہے۔ کہ جن اجزائے قصہ کو مقصود سے تعلق ہوتا ہے۔ صرف وہی ذکر کئے جاتے ہیں۔ قصہ گو مصنفین کی طرح نہیں جو ضروری اور غیر ضروری اور مقصود اور غیر مقصود میں تمیز نہ کرتے ہوئے قصہ کو دلچسپ بنانے کیلئے زنجیر کیطرح تمام کڑیاں یکے بعد دیگرے پروتے جاتے ہیں۔

ف۱۱۰ نَسِيَا حُوْتَهُمَا ۔ مراد تو یہ ہے کہ مچھلی کا ذکر بھول گئے۔ لیکن بیان یوں کیا گیا ہے۔ کہ مچھلی کو بھول گئے۔ وجہ یہ ہے کہ مچھلی اور مچھلی کا ذکر اور ان دونوں سے ذہول و نسیان ایک دوسرے کو لازم ہیں پس جب مختصر عبارت میں مطوّل کا فائدہ بلا کم و کاست حاصل ہو جاتا ہے۔ تو عبارت کو طویل کیوں کیا جائے۔ اور یہ امر بلاغت میں داخل ہے (مطول و مختصر بحث اطناب وایجاز) اسجگہ نسیان کو دونوں کی طرف اسلئے منسوب کیا کہ حضرت یوشع جنہوں نے مچھلی کے زندہ ہونے اور پانی میں چلے جانے کا واقعہ بچشم خود دیکھا تھا حضرت موسیٰ ع سے ذکر کرنا بھول گئے۔ کیونکہ اس واقعہ کے وقت حضرت موسیٰ ع حسب قول مفسرین سوئے ہوئے تھے جب جاگے تو حضرت یوشع ع کو ذکر کرنا یاد نہ رہا اور حضرت موسیٰ ع کو بھی خیال نہ آیا کہ کسی طرح پر اس مچھلی کا ذکر کرتے۔ اور اسکے جواب میں حضرت یوشع ع وہ قصہ سنا دیتے۔ جیسا کہ آئندہ تھوڑی دیر بعد ہوا۔ جو آگے مذکور ہے۔

فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا (۶۲)

پس بنالیا اُس نے رستہ اپنا دریا میں ایک سرنگ کی طرح ۱۱۱

۱۱۱ سَرَبًا - سرب سرنگ کو کہتے ہیں - لسان العرب میں ہے اَلسَّرَبُ بِالتَّحْرِيكِ اَلْمَسْلَكُ فِي خُفْيَةٍ، حاصل طلب یہ کہ وہ مچھلی پانی میں اسطرح چلی گئی جس طرح کوئی جانور سرنگ میں یا اپنی بل میں چلا جاتا ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ عمرو بن دینارؒ (راوی) نے دونوں ہاتھ کے انگوٹھوں اور سبابتین یعنے ان کیساتھ کی دونوں انگلیوں یعنے ان چاروں انگلیوں کا حلقہ بنا کر بتایا کہ یوں سرنگ بنگئی" اسی روایت میں ہے۔ وَتَضَرَّبَ الْحُوتُ حَتَّى دَخَلَ الْبَحْرَ فَأَمْسَكَ اللهُ عَنْهُ جِرْيَةَ الْبَحْرِ حَتَّى كَانَ أَثَرُهُ فِي الْحَجَرِ (صحیح بخاری کتاب التفسیر) یعنے وہ مچھلی پھڑکی اور دریا میں چلی گئی۔ پس خدا تعالےٰ نے دریا کے پانی کو اس (کے چلنے کی سوراخ) میں جاری ہونے سے روک دیا گویا کہ اس کا نشان کسی پتھر میں ہو گیا؟

زندگی کیا ہے؟ ایک فیضان الٰہی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کے مٹی کے پتلے میں جان کا پڑ جانا۔ حضرت ابراہیمؑ کے چار جانوروں کا بعد ذبح کے پھر زندہ ہو جانا۔ حضرت موسیٰؑ کے سونٹے کا سانپ بن جانا۔ بنی اسرائیل کے مقتول کو گائے کا ٹکڑا چھوجانے سے اُس کا زندہ ہو جانا۔ بنی اسرائیل کے ستر نمائندوں کا بجلی سے ہلاک ہو کر پھر زندہ ہو جانا حضرت عیسیٰؑ کے مٹی کے جانوروں میں جان کا پڑ جانا۔ اور اُن کے معجزے سے دیگر مُردوں کا بھی زندہ ہو جانا اور آنحضرتؐ کے ستونِ حنانہ میں شعورِ انسانی کی کیفیت کا پیدا ہو جانا اور بالآخر اس بھُنی ہوئی یا نمک لگائی ہوئی خشک مچھلی کا زندہ ہو کر پانی میں چلا جانا اور پانی میں انجمادی حالت کی طرح سوراخ کا بنجانا۔ یہ سب کچھ قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي کے کرشمے ہیں۔ اور فیضان الٰہی کی مثالیں ہیں۔ بیشک یہ مثالیں امورِ قدرت کو سطحی نظر سے دیکھنے والوں کے لئے عجوبہ ہیں لیکن ایک حقیقت شناس کیلئے انہیں کوئی بھی تعجب نہیں۔ کیونکہ تعجب فعل پر نہیں ہوتا۔ بلکہ فاعل کے لحاظ سے ہوتا ہے ایک کام کو ایک نہیں کرسکتا۔ دوسرا کرسکتا ہے۔ نہ کرسکنے والے کیطرف منسوب ہو تو جائے تعجب ہے اور کرسکنے والے کیطرف ہو تو کوئی تعجب نہیں۔ پس ان شئون کو جن جیسی دیگر شئون میں دیکھنا چاہیئے کہ یہ کس کیطرف ہیں۔ اگر خدائے قدیر کی طرف منسوب ہیں۔ تو تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ زندگی کے متعلق جو چیز ہمارے علم اور روزمرہ کے مشاہدہ میں آرہی ہے وہ یہی ہے۔ کہ بیجان ذرے ایک خاص ہیئات میں مجتمع ہوتے ہیں اور ایک بیجان جسم دھڑ بنجاتا ہے۔ پھر اس دھڑ میں خدا کی طرف سے فیضانِ حیات ہوتا ہے تو وہ شئے مدرِک حساس اور متحرک بالارادہ وغیرہا اوصاف سے متصف ہو جاتی ہے اور ہم اُسے زندہ کہنے لگ جاتے ہیں بس ہمارے علم کی رسائی یہیں تک ہے۔ کہ ہم ایسا ہوتا دیکھتے ہیں اس سے آگے کہ وہ روح دعام اس سے کہ نباتی ہو یا حیوانی یا انسانی) کہاں سے آتی ہے؟ اور اُن بیجان اجزا میں کس طرح سرایت کرتی ہے؟ یہ قدرت کا راز ہے۔ جو قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا (بنی اسرائیل) کی تہ میں لپیٹ کر انسانی حواس و ادراک سے پوشیدہ رکھا گیا ہے۔ جدّ انبیا حضرت ابراہیمؑ نے اِس راز کا انکشاف چاہا اور اس کیلئے درخواست بھی کی لیکن جواب ملا - أَوَلَمْ تُؤْمِنْ جس کا اقرار انکو کلمہ بَلَى سے کرنا پڑا۔ آخر جب ابراہیمؑ نے وَلَكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِي کا عذر کیا تو چار جانور دل کو زندہ کرکے مشاہدہ کرا دیا لیکن رازِ حیات نہ بتایا۔ اور حکم سنا دیا وَاعْلَمْ أَنَّ اللهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ یعنے یقین رکھ کہ اللہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ لیکن کرتا وہ ہے جو مقتضائے حکمت ہوتا ہے بس ایمان کی راہ یہی ہے۔ اس سے زیادہ کرید کرنا دل اور دماغ کی خرابی کا نتیجہ ہے۔ خواجہ حافظ شیرازیؒ فرماتے ہیں سہ م

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا

جب وہاں سے آگے نکل گئے تو موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ دے ہمکو کھانا ہمارا بتحقیق پہنچی ہے ہمکو ہمارے اس سفر سے تکان ۱۱۳ ۶۳

قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ ۱۱۴

اس نے کہا کہ بھلا آپ نے دیکھا کہ جب ہمنے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی کا ذکر بھول گیا۔ اور نہیں بھلائی مجھکو یہ بات

اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ﴿۶۴﴾

مگر شیطان نے کہ ذکر کروں میں اسکا، اور پکڑا اس نے رستہ اپنا دریا میں عجب طرح سے ۶۴

۱۱۲ نَسِيْتُ الْحُوْتَ، مچھلی کا بھولنا کہا۔ اور مراد ہے مچھلی کے واقعہ کا بھول جانا۔ بدلیل اَنْ اَذْكُرَهٗ

۱۱۳ نصبًا، نصب رنج اور تکلیف کو کہتے ہیں اور اسجگہ مراد تکان ہے مفسرین نے لکھا ہے کہ موسیٰ اس سے پیشتر کی منزلوں میں نہیں تھکے تھے بدلیل قوله مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا (اس سفر سے یعنے آجکی منزل سفر سے) وجہ یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ جبتک آدمی اپنی منزل مقصود تک نہیں پہنچتا، اسکی قوتِ ارادی قطعِ مسافت میں لگی رہتی ہے جب پہنچ جاتا ہے تو قدرۃً اسکی ہمت بیٹھ جاتی ہے اور طبیعت پر بوجھ پڑجاتا ہے۔ ایسا ہی موسیٰ کا حال ہوا۔ کہ جب مقامِ مقصود سے آگے بڑھ گئے۔ (اگرچہ نادانستہ بڑھگئے تھے) تو انکی طبیعت پر بوجھ پڑا اور تکان محسوس ہونے لگی۔

۱۱۴ اَنْسٰىنِيْهُ ی ساکن کے بعد ہ ضمیر عمومًا مکسور پڑھی جاتی ہے لیکن امام حفص نے اس مقام پر مِنْهُ کی طرح بالضم پڑھی ہے اسی طرح عَلَيْهِ میں بھی عمومًا بالکسر پڑھی جاتی ہے۔ لیکن سورت اِنَّا فَتَحْنَا میں آیت بیعت میں امام حفص عَلَيْهُ بالضم پڑھتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ دونوں طرح جائز ہے۔ بالضم بھی اور بالکسر بھی۔ لیکن خاص ان ہر دو مقام پر بالضم پڑھنے کی یہ وجہ ہو کہ بیعت کے وقت رسول اللہ کا ہاتھ اوپر ہوتا تھا۔ اور بیعت کرنیوالے کا نیچے، اسلئے مناسبِ حال کو پیش سے پڑھا۔ نیز اسمیں لفظ اللہ کی تفخیم کی رعایت ہے کیونکہ اس کے ماقبل ضمہ یا فتحہ ہو تو اس کے لام کو تفخیم سے یعنے پُر کرکے پڑھا جاتا ہے۔ اور اگر کسرہ ہو تو ترقیق سے یعنے نرم کرکے پڑھا جاتا ہے۔ اسلئے اس مقام پر تفخیم کو مناسب موقع وحالت ترجیح دی گئی ہے۔

اس بھول میں حکمت اگرچہ اس بھول کو شیطان کیطرف منسوب کیا گیا ہے۔ کہ اس بھول میں خدا کے دو صالح بندے رستہ چلتے رہے جس سے انکو تکان پہنچی اور شیطان خوش ہوا۔ لیکن باطن میں اسمیں بھی خدا کی حکمت تھی۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے مچھلی کے زندہ ہوجانے کی جگہ پر ملاقات ہونے کی خبر دی تھی لیکن وقت نہیں بتایا تھا۔ جب وہ اس مقام پر پہنچگئے۔ اور مچھلی زندہ ہوگئی۔ تو عین اسوقت حضرت خضرؑ اس مقام پر موجود نہ تھے اگر اسوقت حضرت موسیٰ کو مچھلی کا زندہ ہوجانا معلوم ہوجاتا۔ اور حضرت خضر کو وہاں پر نہ پاتے۔ تو ان کے دل پر ایسا بوجھ پڑتا جو سفر کی تکان سے بہت بڑا ہوتا۔ اسلئے خدا کی حکمت کا تقاضا یہ ہوا کہ ان پر نسیان کو غالب کردیا۔ جب کچھ رستہ آگے چلے گئے۔ اور موسیٰ کو تکان کی وجہ سے بھوک محسوس ہوئی۔ تو انہوں نے اپنے خادم اور رفیق سے ناشتہ کی مچھلی مانگی۔ تو انہوں نے مچھلی کا دریا میں چلا جانا اور اسکا ذکر بھول جانا بیان کیا۔ تو موسیٰ الٹے پاؤں پھرے کیونکہ ملاقات کی جگہ وہی مقام بتایا گیا تھا۔ جہاں پر وہ ناشتہ کی مچھلی زندہ ہوجائے جیسا کہ صحیح بخاری میں حدیث ابن عباسؓ میں مرفوعًا مذکور ہے۔ قال یا رب دکیف

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ[۱۱۵] فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا (۶۵) فَوَجَدَا

موسیٰؑ نے کہا یہی تو وہ مقام ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے۔ تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے[۱۱۵]۔ (وہاں) انہوں نے

عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ[۱۱۶] اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا[۱۱۷]

ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جس کو ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے

عِلْمًا (۶۶) قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (۶۷)

پاس سے علم بخشا تھا[۱۱۷]۔ موسیٰؑ نے اُن سے (جنکا نام خضر تھا) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ اس میں سے مجھے کچھ بھلائی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپکے

[۱۱۵] نَبْغِ اصل میں نَبْغِیْ تھا ی اخیر سے تخفیف تلفظ کیلئے خلاف قیاس حذف کیگئی۔ قَصَصًا مصدر ہے بطور حال واقع ہوا ہے یا مفعول مطلق ہے اور ارْتَدَّا کا بوجہ ہم معنے ہونیکے کیونکہ قَصَص کے معنے ہیں اُلٹے پاؤں پھرنا قصّہ کو قصّہ اسی لئے کہتے ہیں۔ کہ اس میں گذشتہ واقعہ کی صورت واقعی کو الفاظ کے لباس میں دُہرایا جاتا ہے۔ رُشْدًا، تُعَلِّمَنِ کے متعلق ہو تو رُشد موسےؑ کیلئے ہوگی۔ کہ آپ مجھے رُشد سکھائیں۔ اگر عُلِّمْتَ کے متعلق ہو تو حضرت خضرؑ کیلئے ہے۔ کہ جو رُشد آپ کو خدا نے سکھائی ہے، حاصل دونوں کا ایک ہی ہے۔ کہ آپ مجھکو اُس رشد میں سے سکھائیں جو خدا نے آپ کو سکھائی ہے۔ اور مِمَّا یعنے "اس میں سے" اسلئے کہا کہ شاگرد استاد سے اسکے علم کا بعض حصہ ہی سیکھتا ہے۔

[۱۱۶] عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا اس سے مراد حضرت خضرؑ ہیں جیسا کہ شروع میں صحیح بخاری کی روایت سے مذکور ہو چکا ہے خضر کو بھی خدا تعالےٰ نے باوجود اس مرتبت کے عَبْد ہی کہا ہے۔ معلوم ہوا کہ مقامِ عبودیت خدا کے ہاں عزت کا مقام ہے۔ اور جب خصوصیت سے خدا کی طرف منسوب ہو تو اور بھی موجبِ عزت ہو جاتا ہے جیسے کہ یہاں مِنْ عِبَادِنَا فرمایا اور قرآن شریف میں مقبول بندوں کو عِبَادِیْ اور عِبَادَ اللّٰہِ اور عِبَادُ الرَّحْمٰنِ اسی عزت کی وجہ سے کہا گیا ہے۔ پس جو لوگ آنحضرت صلعم کو عبد کہنے سے چڑتے ہیں اُنکی غلطی ہے ایسی ہی غلط فہمیوں سے نصاریٰ اور دیگر مشرک قوموں نے اپنے انبیاء اور اولیاء کو نسبت عبودیت سے اونچا سمجھکر اُن کو اَبْنَاءُ اللّٰہِ اور خدا کے اوتار اور کیا اور کیا قرار دے لیا۔ اِن سب کی تردید ایک ہی آیت سے کر دی۔ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء پ۱۷) یعنے یہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے بعض کو اپنا متبنّےٰ بنا لیا ہے خدا اس سے پاک ہے۔ (ایسا ہرگز نہیں ہے) بلکہ وہ تو خدا کے ہاں عزت والے بندے ہیں۔

[۱۱۷] اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا امام رازیؒ نے اِس مقام پر کہا کہ مطلب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے حضرت خضرؑ کو جو علم عطا فرمایا تھا وہ اُن کے کسب و محنت اور کسی دیگر بشر کی تعلیم و ارشاد کے واسطے سے نہ تھا۔ بلکہ براہِ راست خدا تعالےٰ سے بغیر واسطے کے ملا تھا۔ اور جو علوم بطریق مکاشفات حاصل ہوں صوفیوں کے نزدیک اُنکو علوم لدنیہ کہتے ہیں۔ پھر یہ بھی ذکر کیا۔ کہ امام غزالیؒ نے علوم لدنیہ کے اثبات میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے پھر اس کے بعد امام رازیؒ نے کچھ تفصیلات بیان کی ہیں جو ہم بخوفِ طوالت بیان نہیں کر سکتے۔ جب علم لدنی قرآن سے ثابت ہے تو پھر تسلیم میں کیوں تردد ہو

قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝٦٧ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ۝٦٨

کہا تحقیق تو ہرگز نہ کرسکیگا ساتھ میرے صبر ۷۸ اور کسطرح صبر کریگا تو اُسپر جسکو نہیں گھیرا تو نے سمجھ سے ۷۹

۷۹ **حل لغات**۔ خُبْرًا۔ خُبْر خ کے ضمہ سے گہری واقفیت کو اور خَبَر خ اور ب کی فتحہ سے سرسری واقفیت کو کہتے ہیں۔ چاہے ظاہر کے متعلق ہو چاہے باطن کے۔ عربی زبان کی ایک یہ خصوصیت ہے۔ کہ اس میں حروف و حرکات سے بھی الفاظ کے معنے لے لئے جاتے ہیں اور حرکات و حروف کے ثقل و خفت کے مطابق معانی میں بھی ثقل و خفت پیدا ہوجاتی ہے مثلاً حَمل بالفتح خفیف بوجھ کو کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا (اعراف پ۹ ع۱۴) اور حِمل بالکسر ثقیل بوجھ کو کہتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔ وَاِنْ تَدْعُ مُثْقَلَةٌ اِلٰى حِمْلِهَا (فاطر پ۲۲) نیز فرمایا وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا (طٰہٰ پ۱۶)۔ اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ اَخَفُّ الْحَرَکَات یعنے سب سے ہلکی حرکت فتحہ ہے۔ اس سے ثقیل کسرہ اور سب سے ثقیل ضمہ ہے پس خفت والے کو خفیف حرکت دی اور ثقل والے کو ثقیل۔ پس خُبر بالضم اور خَبَر بالفتح میں بھی اسی طرح سمجھ لو۔ چونکہ خدا تعالےٰ کے تکوینی احکام کے راز نہایت گہرے ہوتے ہیں اور حضرت خضرؑ کا علم انہی اُمور کے متعلق تھا۔ جیسا کہ ان شاء اللہ آئندہ مفصل ذکر کیا جائیگا۔ اسلئے اسجگہ خُبْر بالضم کہا گیا۔ اور حضرت موسےٰؑ کے دوسرے ذکر میں جہاں پر وہ آگ کے لئے گئے۔ سرسری خبر اور پتہ کافی تھا۔ کیونکہ وہ ضرورت وقتی پر ایک محسوس شئے کی نسبت تھا۔ اسلئے خَبَر بالفتح کہا گیا۔ چنانچہ فرمایا سَاٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ (نمل پ۱۹)

سوال، خضر کو کسطرح معلوم ہوگیا۔ کہ حضرت موسےٰؑ کو اسرار تکوین کا علم حاصل نہیں ہے۔ اور نہ وہ حاصل کرسکنے پر صبر کرسکینگے۔

جواب۔ بس اس سوال کا جواب سمجھ لینے سے حضرت موسےٰ اور حضرت خضر علیہما السلام کے علم کا امتیاز سمجھ میں آجاتا ہے۔ اور اہل ظاہر اور اہل باطن کے جھگڑے ختم ہوجاتے ہیں۔ سردست مختصراً یہ جواب ہے کہ حضرت خضرؑ کو خدا کی وحی سے علم تھا۔ کہ حضرت موسےٰؑ اس زمانہ کے **ہادی شریعت** ہیں۔ اور حضرت خضرؑ اپنے علم اور حضرت موسیٰؑ کے علم کی نوعیت کے امتیاز کو بھی پہچانتے تھے۔ چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث مرفوع میں ہے۔ کہ ملاقات کے وقت جب موسےٰؑ نے حضرت خضرؑ کو بتایا۔ کہ میں موسےٰ ہوں۔ تو انہوں نے دریافت کیا موسیٰ بنی اسرائیل؟ یعنے کیا تم بنی اسرائیلی موسےٰ ہو؟ حضرت موسےٰؑ نے کہا نَعَمْ اور جب خضرؑ نے موسیٰؑ سے پوچھا کہ آپ کس غرض سے آئے ہیں۔ تو موسےٰؑ نے کہا۔ کہ جو (مخصوص) علم خدا تعالےٰ نے آپ کو دیا ہے۔ اُس میں سے کچھ سیکھنے کیلئے آیا ہوں تو خضرؑ نے کہا۔ کیا آپ کو کافی نہیں کہ توریت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اور وحی آپ پر اُترتی ہے۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر) اس سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت موسےٰؑ کے نام سے اور اُن کے مرتبہ نبوت سے واقف تھے، ہاں اُنکی صورت سے آشنا نہ تھے خضرؑ باوجود علم باطن سے بھی بہرہ یاب ہونے کے حضرت موسےٰؑ کو نہ پہچان سکے، اس سے معلوم ہوا کہ مخلوق کی تمام

حضرات موسیٰؑ اور خضر علیہما السّلام کے علم میں امتیاز

علم کا حقیقی سرچشمہ ذاتِ الٰہی ہے۔ اور علم اسکی سات یا آٹھ ذاتی صفات میں سے ہے۔ خدا تعالےٰ نے آسمان و زمین کی مخلوق میں سے جس نوع کا اور جتنی مقدار کا علم جس کسی کیلئے چاہا۔ اُسپر اُس نورِ علم میں سے افاضہ کر دیا۔ چنانچہ فرمایا: وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ط (آیت الکرسی پ۳) یعنے زمین و آسمان کی مخلوق میں سے کوئی بھی اُس (خدا) کے علم میں سے کچھ بھی گھیر نہیں سکتا۔ مگر اُسیقدر جس قدر کہ وہ (خدا) چاہے۔

(۲) اِس صفتِ علم کے ماتحت خدا تعالےٰ زمین و آسمان کے درمیان دو قسم کے احکام نازل کرتا ہے۔ تشریعی اور تکوینی۔

تشریعی احکام بندوں کی اخلاقی و معاملتی اصلاح اور اُخروی سعادت و نجات کے متعلق ہیں۔ اور وہ انبیاء و رُسل کے ذریعے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور تکوینی احکام تدبیر و انتظام عالم کے متعلق ہیں۔ آسمان و زمین اور اُنکی درمیانی اشیاء کے قدرتی انتظامات (نظام شمسی و قمری۔ اجرام فلکیہ کی تاثیر اور زمین کا اُن سے متاثر ہونا) اور سلسلۂ خلق و فنا کی وابستگی اسی قسم سے ہے۔ ایسی خدمات پر عموماً فرشتے مقرر ہیں۔

اور بعض خواص بنی آدم کو بھی اِس خدمت پر مامور کیا جاتا ہے۔ ایک اُن میں سے حضرت خضرؑ بھی ہیں۔ پس موسےٰؑ کو بوجہ اُن کے نبی و رسول ہونے کے علم شریعت دیا گیا۔ اور خضرؑ کو بعض اُمورِ تکوینیہ سپرد کئے گئے۔ ہر دو کی نوعیت الگ الگ ہے۔ اور یہ امتیاز خود متن حدیث صحیح بخاری میں مرقوم ہے۔ کہ حضرت خضرؑ نے حضرت موسےٰؑ کو کہا:

یَا مُوْسٰی اِنِّیْ عَلٰی عِلْمٍ مِّنْ عِلْمِ اللّٰہِ عَلَّمَنِیْہِ لَا تَعْلَمُہٗ اَنْتَ وَاَنْتَ عَلٰی عِلْمٍ عَلَّمَکَہُ اللّٰہُ لَا اَعْلَمُہٗ۔ (صحیح بخاری کتاب العلم ما یستحب للعالم الخ)	اے موسیٰؑ میں خدا کے علم میں سے ایک علم پر ہوں جو اُسنے مجھے سکھایا۔ تو اُسے نہیں جانتا۔ اور تو بھی ایک علم پر ہے۔ جو اُسنے تجھے سکھایا۔ جسے (تفصیلاً) میں نہیں جانتا۔

ازالہ مغالطہ یا غلط فہمی بعض بے شرع فقیر اور بعض کم فہم نام کے صوفی مذاق مولوی حضرت خضرؑ اور حضرت موسےٰؑ کے اس قصّے سے یہ سمجھتے ہیں کہ شریعت اور طریقت میں مطابقت و موافقت ضروری نہیں بلکہ اُنمیں کبھی باہم تخالف بھی ہو جاتا ہے۔ شریعت ظاہری علماء کے پاس ہے۔ اور طریقت فقراء کے پاس پھر اِس فاسد بنا پر کئی ایک نامشروع کاموں کو رواج دیکر عوام الناس کو ٹھگتے رہتے ہیں، بلکہ وہ اِس مغالطہ دہی میں اسقدر کامیاب ہو گئے ہیں کہ عوام کے ذہن میں یہ بات بمنزلہ حقیقت مسلّمہ کے مرکوز ہو چکی ہے۔ کہ واقعی طریقت شریعت کے تابع نہیں ہے۔ اور فقرا کے بعض افعال پر اہل شرع جو بھی اعتراض کرتے ہیں وہ سب نادرست ہیں۔ اور وہ اُنکی حقیقت سے قطعاً ناواقف ہیں۔ جیسے کہ حضرت موسےٰؑ نے شریعت کے رُوسے حضرت خضرؑ پر اعتراضات کئے۔ لیکن اُن افعال کی حقیقت بالکل درست تھی۔

یہ امر کہ شریعت و طریقت میں مخالفت بھی ہو جاتی ہے۔ اور یہ کہ مخالفت کے دقت طریقت کے حق میں صحت و درستی کا فیصلہ ہے۔ اور یہ کہ حضرت موسےٰؑ اور حضرت خضرؑ کا قصّہ اِس کی دلیل ہو سکتا ہے۔ سب کچھ نادرست ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۴ ۔ اور مغالطہ یا غلط فہمی ہے۔ نہ شریعت و طریقت میں مخالفت ہو سکتی ہے۔ اور نہ کوئی طریقت شریعتِ انبیاء کی مخالفت کی صورت میں خدا رسی کا ذریعہ یا ولایت کا کوئی رتبہ ہو سکتی ہے۔ بلکہ وہ ایسی صورت میں زندقہ و بیدینی کا زینہ اور خدا تعالےٰ کے غضب و ناراضی کا موجب ہے۔ اور اس میں تمام صوفیا یک زبان ہیں شیخ علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا روم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سید عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ وغیرہم اکابر اولیاء اللہ کی تحریرات اس امر میں بیش از بیش ہیں، جنکا نقل کرنا موجب طوالت ہے، چنانچہ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ صوفی کی عملی زندگی کا طریقہ یوں فرماتے ہیں: "۱) اعتقاد صحیح کے بعد اسپر لازم ہے۔ قرآن و حدیث کے ساتھ پنجہ مارنا اور اصولاً و فروعاً ان کے امر و نہی پر عمل کرنا (غنیۃ صفحہ ۹۸۸ مترجما)

اور نہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر کا قصہ اس جنس سے ہے۔ کہ وہ اس بیدینی کی دلیل ہو سکے۔ بلکہ وہ شریعتِ عباد اور تکوینِ الٰہی کی جنس سے ہے۔ طریقت احکام شریعت کو خالص نیت سے ادا کرنے اور محرمات و شبہات سے پرہیز کرتے ہوئے اور اشغالِ دنیویہ کو کم کرکے اپنے قلوب و اوقات کو اذکارِ الٰہی میں مصروف و معمور کرنے کی صورت میں ایک تنزل ہے جس میں ترقی کرتے کرتے مومن نبوت کے نیچے ولایت کے بہت سے مدارج حاصل کر سکتا ہے پس ان ہر دو میں مخالفت ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتی۔

علمِ طریقت حقیقت میں علمِ شریعت ہی کی ایک شاخ ہے۔ اور نوع اور اسکی صنف (شاخ) میں مخالفت نہیں ہوتی۔ اور موسیٰؑ اور خضرؑ کے علوم کی نوعیت جدا جدا ہے۔ جیساکہ حدیث صحیح بخاری سے اوپر گزر چکا ہے پس مقابلہ تشریع اور تکوین کا ہے۔ نہ کہ شریعت و طریقت کا۔ فافہم و تدبر "

احکامِ شریعت اور احکامِ تکوین کا مقابلہ

اوپر گذر چکا ہے کہ احکامِ تکوین اور احکام تشریع ہر دو خدا تعالےٰ کے اختیار میں ہیں۔ چنانچہ فرمایا:۔ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ (اعراف پ۸) یعنی لوگو! سن رکھو کہ خلق یعنے پیدائش اور امر یعنے مخلوق میں حکم جاری کرنا، یا عالمِ خلق یعنے عالمِ جسمانیات اور عالمِ امر یعنے روحانیات ہر دو اسی (خداوند) کے اختیار میں ہیں "

اس کے بعد معلوم ہو کہ امر تکوین خدا تعالےٰ کا اپنا قانون ہے۔ جس سے وہ عالم زیر و بالا کی تدبیر و نظام کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَی الْاَرْضِ (الٓمٓ سجدہ پ۲۱) یعنے آسمان سے زمین تک سب کام کی وہی تدبیر کرتا ہے۔ اور شریعت وہ قانون ہے۔ جو اس نے بندوں کے ذمہ اپنے اور بندوں کے حقوق کے لئے مقرر کیا ہے۔ اس امتیاز کو نظر میں رکھتے ہوئے آپ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ وہ دستور و قانون جو اس نے اپنے متعلق رکھا ہے۔ اس قانون کے تابع کس طرح ہو سکتا ہے۔ جو بندوں کی ذمہ داریوں کے متعلق ہے۔ انسان کا علم اپنی ذات میں سطحی ہے۔ وہ اپنی پیش افتادہ اشیاء کو دیکھتا ہے۔ اسکی عقل کی رسائی انہی اشیاء تک محدود رہتی ہے۔ جو اس کے گرد و پیش ہیں۔ اور اسکا علم بھی اسی حد تک رہتا ہے۔ جو اس کے خالق نے اس کے لئے کھینچدی ہے۔ اور وہ ہر امر کو علم کے اسی میزان پر تولتا اور اسی سانچے میں ڈھالنا چاہتا ہے جو خدا تعالےٰ نے اسے سپرد کیا ہے۔ چونکہ خدا تعالےٰ کے انتظام و تدبیرِ عالم کے احکام بھی اسکی نظر کے

سامنے کی اشیاء پروارد ہوتے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا۔ یَتَنَزَّلُ الْاَمْرُ بَیْنَهُنَّ (طلاق پ ۲۸) پس وہ اِسی فطری تقاضا اور روزمرہ کی مشق و پریکٹس سے اُن واقعات کو بھی سمجھنا چاہتا ہے جن کا تعلق اِنسان سے مطلقاً نہیں ہے۔ بلکہ وہ قدرت کے خاص ہاتھ کے کرشمے ہیں کبھی تو وہ اُن واقعات کے عِلل و اسباب میں پڑجاتا ہے۔ جو اُس نے اپنے ناقص تجربہ اور اُدھوری عقل سے سمجھ رکھے ہیں۔ اور کبھی وہ اُن پر اُس علم و قانون کے رُو سے رائے زنی کرتا ہے۔ جو خدا تعالےٰ نے انسانوں کے لئے بنایا ہے۔ خدا تعالےٰ کی خاص مہربانی ہو تو وہ اس منجھدار سے نکل جاتا ہے۔ ورنہ وہ اِس بحرِ ناپید اکنار میں غوطے کھا کھا کر رہ جاتا ہے۔ ہم خواجہ کا یہ شعر اوپر لکھ آئے ہیں ؎

حدیث از مطرب و مے گو و رازِ دہر کمتر جو　　کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت ایں معما را

یعنے اسرارِ قدرت کا معمّا اِنسانی حکمت و عقل سے حل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ اُس کے لئے خاص فیضان کی ضرورت ہے عالمِ تکوین کے اسرار جو اِنسانی بس سے باہر ہیں۔ اُنکا کیا کہنا۔ ہم آپ کو اِس تکوین کے متعلق قرآن شریف کی بلند نظری اور ژرف نگاہی کی ایک مثال بتاتے ہیں جس میں اِنسان کی ہمت و تدبیر کو بھی قدرے قلیل کچھ دخل ہے لیکن قرآن شریف اِس میں بھی اِنسان کی زبان بندی کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ سورت واقعہ میں یکے بعد دیگرے اِنسان کی پیدائش، پانی اور آگ کا ذکر کرکے سمجھایا۔ کہ یہ سب قدرت کے کرشمے ہیں، اِنسانی عمل و تدبیر اور سِلسلۂ اسباب کو اِن کے نتائج میں کوئی دخل نہیں۔ مثلاً اِنسان کی پیدائش عادۃً مرد عورت کے خصوصی ملاپ سے ہے۔ لیکن نطفے کا رحم میں قرار پکڑجانا اور مختلف حالتیں بدلکر آخرکار اِنسانی شکل میں پیدا ہونا حکم خدا سے ہے۔ اِسی طرح کھیتی میں اِنسان کا کام اتنا ہی ہے۔ کہ زمین کو تیار کرے اور اُسمیں بیج ڈالے اور پانی سینچے۔ آگے اُس کا اُگنا اذن الٰہی سے ہے۔ اِنسان کی صنعت کو اُسمیں دخل نہیں۔

اِسی طرح پانی جو ہم پیتے ہیں، بادلوں سے اُترتا ہے۔ لیکن اُسکا سارا سِلسلہ امرِ الٰہی کے تابع ہے۔ اِسی طرح آگ جو ہم جلاتے ہیں۔ اِس کے درخت مرخ اور عفار خدا کے اِذن سے اُگتے ہیں۔ اور اُن کی ہری ٹہنیوں میں آتشی مادہ کا ہونا قدرت کی کارسازی سے ہے۔

غرض عالمِ بالا و عالمِ زیرین اور اُن کے درمیانی فضا میں سب تکوین امرِ الٰہی سے ہے۔ اور اِسکے اسرار کا احاطہ اِنسان کی حدِ علم سے باہر ہے۔

رجوع بمقصد بعض وقت تکوینی امر ایسی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہم اُس کے اسرار و اسباب سمجھنے سے عاجز رہجاتے ہیں اور بعض وقت اپنے عجز کو بھی نہ سمجھتے ہوئے اپنے علمِ تشریعی یا عقل کے میزان پر تولتے ہوئے ہم کہدیتے ہیں۔ کہ یہ امر یوں ہونا چاہیئے تھا۔ لیکن اُسوقت ہم سخت غلطی میں ہوتے ہیں۔ کیونکہ علمِ تشریعی بندوں کے اُن اُمور کا میزان ہے۔ جو بندوں اور خدا کے درمیان ہیں۔

۱؎ مرخ اور عفار عرب میں دو درخت ہوتے ہیں ایک کی ٹہنی دوسرے پر رگڑنے سے اُنھیں سے آگ نکل پڑتی ہے پرانے وقتوں میں جب ماچس وغیرہ آگ و روشنی کے دوسرے صنعتی اسباب بہت کم تھے۔ تو عرب کے لوگ سفر کی حالت میں اِسی سے آگ کے متعلق اپنی حاجت

یا جو بندوں کے آپس میں ہیں۔ چنانچہ فرمایا۔ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَھُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ (حدید پ۲۷) یعنے بیشک ہمنے اپنے رسولوں کو روشن دلائل کیساتھ بھیجا اور اُن کے ساتھ کتاب اور میزان بھی اُتاری۔ تاکہ لوگ عدل کے ساتھ قائم رہیں۔ اور اِس علم کو خدا تعالے کے اُس قانون میں کچھ بھی دخل نہیں جو خدا تعالے نے تکوین و تدبیر عالم کے متعلق اپنے لئے رکھا ہے۔ پس جو قانون بندوں کیلئے ہے اُسے اُسجگہ نہیں لگانا چاہئے۔ جو اُن کے لئے نہیں بلکہ خاص خدا کیلئے ہے جو اِسی طرح خضر علیہ السّلام کے واقعات امرِ تکوینی کے ماتحت تھے اور موسٰے ؑ نے اُنکی جانچ اپنے علم تشریعی کے میزان پر کرنی چاہی جو درست نہیں تھی ؟
اِس تشریح سے صاف ظاہر ہو گیا۔ کہ خضر علیہ السلام کا علم اَور نوعیت کا تھا۔ اور موسٰے ؑ کا علم دیگر نوعیت کا تھا۔ حضرت خضر علیہ السلام حضرت موسٰے ؑ کو یہی بات کہہ رہے ہیں۔ کہ تم اُس علم پر ہو جو تمکو خدا نے سکھایا اور مجھے نہیں سکھایا۔ اور میں ایسے علم پر ہوں۔ جو اُسنے مجھے سکھایا اور تمکو نہیں سکھایا۔ جیسا کہ حدیث صحیح سے گذر چکا۔ پس دو جدا جدا انواع کی چیزوں میں مطابقت کرنے کیلئے دماغ سوزی کی تکلیف نہیں اُٹھانی چاہئے۔ فافہم و تدبر

قَالَ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا (۷۰)

(موسٰے ؑ نے) کہا ضرور پائیگا تو مجھے اگر خدا نے چاہا صبر کرنے والا اور نہیں خلاف کرونگا میں تیرے کسی حکم کے

۱۱۹ **اِعْرَاب**، لَآ اَعْصِیْ کا عطف غَیْرَ عَاصٍ کے معنے میں ہو کر وصفِ سلبی کی صورت میں صَابِرًا پر ہے جس میں وصف ثبوتی ہے۔ تفصیل آگے آئیگی دانش، اَمْرًا کی تنوین تنکیر کیلئے ہے۔ یعنے کسی امر میں بھی اِسکی تفصیل بھی آگے آئیگی۔ دانش)
۱۲۰ سَتَجِدُنِیْ، سین فعل مضارع پر تاکید مستقبل کے لئے آتا ہے۔ موسٰے ؑ نے اپنے صابر رہنے کو تاکیدی الفاظ میں اسلئے ذکر کیا۔ کہ حضرت خضر ؑ نے بھی اُن کو اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا تاکیدی الفاظ میں کہا تھا پس تاکید کے مقابلہ میں تاکید ضروری ہوئی (مختصر المعانی) **نیز** اسلئے کہ صبر حوصلہ سے ہوتا ہے۔ اور حوصلہ نبوّت کے ساتھ لازم ہے۔ موسٰے ؑ نبی اللہ ہیں۔ اُن میں حوصلہ ضروری ہے۔ **نیز** اسلئے کہ عطائے نبوّت کے وقت موسٰے ؑ نے دُعا کی تھی رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ (طٰہٰ پ۱۶) یعنے خداوندا! میرا سینہ کھول دے۔ اور اُن کی یہ دُعا قبول ہو گئی تھی قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَكَ یٰمُوْسٰی یعنے خدا تعالے نے جواب دیا۔ اے موسٰے تیری درخواست منظور ہو گئی [۱] اور شرح صدر میں وسعتِ حوصلہ بھی داخل ہے [۲] **نیز** اسلئے کہ علم بلکہ ہر فن میں کمال حاصل

(باقی صفحہ آئندہ)

[۱] تفسیر سراج منیر زیر ہمیں آیت۔ نیز کشاف زیر آیت فسیکفیکھم اللہ (پ۱) ۱۲ منہ۔ [۲] مستفاد از تفسیر عزیزی۔ در تفسیر سورت اَلَمْ نَشْرَحْ ۱۲ منہ

کرنے کیلئے حوصلہ ضروری ہے۔ چنانچہ یہ شعر حضرت علی رضؓ کے کہے جاتے ہیں:۔

أَلَا لَا تَنَالُ الْعِلْمَ إِلَّا بِسِتَّةٍ ۔۔۔ سَأُنْبِيكَ عَنْ مَجْمُوعِهَا بِبَيَانٍ
ذَكَاءٍ وَحِرْصٍ وَاصْطِبَارٍ وَبُلْغَةٍ ۔۔۔ وَإِرْشَادِ أُسْتَاذٍ وَطُولِ زَمَانٍ

یعنے آگاہ رہ! کہ تو علم کو حاصل نہیں کرسکیگا۔ مگر چھ چیزوں کے ساتھ۔ میں تجھے اُنکا مجموعہ مفصل بتاتا ہوں۔ ذہن کی صفائی اور تیزی، اور شوق وحرص۔ اور صبر اور سامان کا میسر آنا۔ اور (لائق) اُستاد کا سبق پڑھانا۔ اور درازیٔ زمانہ۔ پس موسےؑ نبی ہوکر اس امر کو بخوبی پہچانتے تھے۔ کہ علم میں کمال حاصل کرنے کے لئے صبر وحوصلہ ضروری ہے۔ اور مجھے اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے بالضرور کرنا پڑیگا۔

۱۲ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ، پھر حضرت موسےؑ باوجود ان سب مذکورہ بالا امروں کے عملی حالت میں باحوصلے رہنے کو خدا کی توفیق سے مُتعلق کرتے ہیں۔ اور یہ کمالِ معرفت ہے۔ کیونکہ علم (ادراک وحقیقت شناسی) ابتدائی درجہ میں ہے۔ اور اُسمیں کمال عمل سے ہوتا ہے۔ اور عمل کو متواتر رکھنے کیلئے استقامت ضروری ہے۔ اور اِسی استقامت کا دوسرا نام صبر وحوصلہ بھی ہے۔ اور عملیات میں استقامت بغیر خدا کی توفیق کے حاصل نہیں ہوسکتی۔

فائدہ زائدہ اِس مقام پر مشیّت کے موقع پر ہم بار بار توفیق کا لفظ اسلئے ذکر کررہے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی مشیّت ہر امر سے متعلق ہوتی ہے۔ نیک سے بھی اور بُرے سے بھی نیک امر سے متعلق ہو تو اُسے توفیق کہتے ہیں۔ اور ایسا علم سیکھنا جس کا فیضان خاص ذاتِ خداوندی سے ہو سراسر نیکی ہے۔ پس اسمیں کامیابی کو جس کی چابی صبر واستقامت ہے خدا کی توفیق سے معلق کرنا عین معرفت ہے۔

رجوع بمطلب

دیگر وجہ انشاء اللہ کہنے کی یہ ہے۔ کہ جب سَتَجِدُنِي، استقبال کا صیغہ ہے۔ تو اِس کے معنے یہ ہیں کہ صبر کا تحقق زمانِ مستقبل میں پایا جائیگا۔ اور زمانِ آئندہ کے عملیات کے متعلق حق جلّ وعلا فرماتے ہیں۔ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا (لقمان پ ۲۱) یعنے کسی جان کو اس بات کا علم نہیں ہے۔ کہ وہ کل کونسا کام کریگی۔ پس لازم

ـــــــــــــــــــ

سلے آیندہ کی تجویں سوچنا اور اُن کے لئے ذہن میں پروگرام بنانا اِس میں داخل نہیں ہے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہر جان جس کام کا پروگرام بناتی ہے۔ اُسے علم نہیں کہ میں عملی طور پر کر بھی لونگی۔ کیونکہ بسا اوقات ارادہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اور پروگرام بدلجاتا ہے۔ بعض اوقات اُسمیں رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ بعض وقت باوجود پوری سعی وکوشش کے مقصد ہاتھ میں نہیں آتا۔ اور بعض وقت دلکی دل ہی میں رہ جاتی ہے۔ اور یہاں سے روانگی کی گھنٹی بج جاتی ہے۔ اِسی معنے میں عربی شاعر نے کہا ہے ؎

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ ۔۔۔ تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

یعنے انسان کو اُسکی ہر ایک تمنّا حاصل نہیں ہوجاتی۔ کیونکہ بعض وقت مخالف ہوائیں بھی چل پڑتی ہیں۔ جو کشتیوں کے مناسب حال نہیں ہوتیں۔ اِس تفصیل سے واضح ہوگیا کہ حضرت موسےؑ کیلئے نہایت ضروری تھا کہ

کہ آپ اُس صبر کا تحقق جو اُن کے ذہن میں تھا۔ خدا کی مشیت سے وابستہ کرتے، اسی لئے اسی سورت میں آنحضرتؐ کو ارشاد ہوا ہے:۔

وَلَا تَقُولَنَّ لِشَاىْءٍ اِنِّیْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ (کہف پ۱۵)

اور (اے پیغمبر!) کسی شیٔ کی بابت یہ ہرگز نہ کہنا کہ میں اسے کل کرنے والا ہوں۔ مگر یہ کہ چاہے اللہ،

نوٹ۔ اس آیت کی تفسیر اسی کتاب میں ص۲۲ پر دیکھئے ۱۲ منہ

ص۱۲۱ وَلَا اَعْصِیْ۔ سورت میں مضارع منفی ہے۔ اور اس کا عطف صَابِرًا پہ ہے۔ حالانکہ صابرًا اسم ہے۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ لفظ مضارع کے معنے ہیں مُشَابِہ اور اس کے صیغہ کو مضارع اسلئے کہتے ہیں۔ کہ اسے اسم فاعل سے مشابہت ہوتی ہے۔[۱] پس لَا اَعْصِیْ کے معنے ہوئے غَیْرُ عَاصٍ۔ پس لفظًا اسم فاعل پر معنًا اسم فاعل کا عطف پڑا۔ اور صَابِرًا میں عملی حالت کا وصف ثبوتی ذکر کیا۔ کہ آپ مجھ میں صفت صبر کی ضرور پائینگے۔ اور چونکہ اُستاد کے ارشاد کے خلاف چلنا صبر و استقامت کے خلاف ہے۔ اسلئے وصفِ سلبی یعنے غَیْرُ عَاصٍ سے بتلا دیا کہ آپ مجھ میں یہ عیب عصیان نہیں پائینگے۔ اور بعض ائمہ نحو نے وَلَا اَعْصِیْ کا عطف سَتَجِدُنِیْ پر بھی ڈالا ہے۔ پس فعل کا عطف فعل ہی پہ پڑا۔ (کشاف)

ص۱۲۲ اَمْرًا۔ ہر چند کہ اَمْرًا کو نکرہ ذکر کیا ہے۔ اور موسےٰ ؑ نے اسکے ساتھ کوئی قید یا صفت یا شرط نہیں لگائی۔ یعنے یہ نہیں کہا کہ آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کرونگا۔ بشرطیکہ آپ کا ارشاد ایسا ایسا ہو۔ یا ایسا ایسا نہ ہو۔ لیکن پھر بھی یہ اقرار موافقتِ شرع کی شرط سے مشروط تھا۔ کیونکہ موسےٰ ؑ نبی ہیں۔ اور نبی اللہ، کوئی اقرار اس شرط کے بغیر نہیں کرسکتا۔ پس یہ اقرار نکرہ ہوکر بھی موافقتِ قانونِ شرع کی قید سے مقید سمجھا جائیگا۔ جیسے کہ جملہ معاہدات کی تکمیل اور عدالت میں اُن کی سماعت کیلئے موافقتِ قانون شاہی ضروری ہے۔ اسی بنا پر آنحضرتؐ نے فرمایا كُلُّ شَرْطٍ لَيْسَ فِیْ كِتَابِ اللّٰهِ فَهُوَ بَاطِلٌ (مسلم) یعنے ہر شرط جو کتاب اللہ میں نہیں ہے۔ وہ باطل ہے۔

نیز فرمایا: اَلصُّلْحُ جَائِزٌ بَيْنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلَّا صُلْحًا حَرَّمَ حَلَالًا اَوْ اَحَلَّ حَرَامًا۔[۲] یعنے مسلمانوں میں صلح جائز ہے۔ مگر وہ صلح جس سے حلال حرام ہو جائے۔ یا حرام حلال ہو جائے۔

نیز فرمایا:۔ المسلمون علیٰ شروطهم الا شرطا حرم حلالا او احل حراما[۲] یعنے مسلمانوں کو اپنی شروط مقررہ پر قائم رہنا چاہیے۔ سوائے اُس شرط کے کہ جس سے حلال حرام ہو جائے یا حرام حلال ہو جائے۔ نیز فرمایا لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق (کنوز الحقائق بروایت احمد) یعنے جس کام میں خالق کی نافرمانی ہے۔ اُس میں مخلوق کی اطاعت نہیں ہے (۲)

[۱] رضی شرح کافیہ مطبوعہ ہند ص۴۰۶ ۱۲ منہ، [۲] یہ دونوں حدیثیں بروایت ترمذی منتقیٰ ص۱۹۰ میں موجود ہیں ۱۲ منہ

الغرض انسان کا تعبدی فرض یہی ہے۔ کہ اُس کے خالق و پروردگار نے اپنے انبیاء ع کی معرفت جو قانون اس کے لئے مقرر کردیا ہے۔ اُسکی زندگی اُس کی ماتحتی میں گزرے + پس ایک مسلمان کے جملہ عہود خواہ وہ سلطانِ وقت سے ہوں۔ خواہ کسی قوم سے۔ خواہ پیر اُستاد سے۔ سب اسی قانون کی ماتحتی میں ہونے ضروری ہیں۔ چنانچہ تفسیر **سراج منیر** میں اسی آیت سَتَجِدُنِیْ الخ کے ذیل میں لفظ صَابِرًا کے بعد لکھا ہے۔ عَلٰی مَا یَجُوْزُ شَرْعًا یعنے میں اُس امر میں صابر ثابت ہونگا جس پر صبر کرنا شرعاً جائز ہوگا۔ نیز وَلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا کے بعد لکھا ہے۔ تَاْمُرُنِیْ بِہٖ غَیْرَ مُخَالِفٍ لِظَاهِرِ اَمْرِ اللّٰہِ تَعَالٰی یعنے میں آپ کے ایسے امر میں نافرمانی نہیں کرونگا۔ جو خدا کے ظاہر امر کے خلاف نہ ہوگا۔

سوال ۱۲۴ خضر ع بموجب ایک قول کے نبی تھے۔ یا کم از کم صاحبِ الہام ولی تھے۔ اُن کے علم کو خدا تعالےٰ اپنا سکھایا ہُوا فرماتا ہے۔ اور وہ خود اپنے کاموں کو خدا کے حکم سے تعبیر کرتے ہیں[1] تو اُن کے ارشاد کی تعمیل میں کوئی زائد شرط کیسے لگ سکتی ہے؟ نیز اُن میں اور موسٰے کے احکام میں مخالفت کیسی ہوسکتی ہے؟

اِس کا جواب یہ ہے۔ کہ ایسے دو نبیوں کے حکموں میں اگر مخالفت پائی جائے تو صرف بظاہر ہوگی۔ نہ کہ حقیقۃً اور واقعاً۔ اور اسکی بنا اجتہاد پر ہوگی۔ نہ کہ وحی الٰہی پر۔ اور فہم و اجتہاد میں حضرات انبیاء سے بھی خطا ہوجاتی ہے۔ پس موسٰے کا انکار و اعتراض فہم کی بنا پر تھا کہ آپ کو خضر ع کے کام بظاہر خلاف نظر آئے۔

آداب المرید والتلمیذ لَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا سے صاف ظاہر ہے کہ علم و ہدایت حاصل کرنے میں **شیخ** کی نافرمانی نہ کیجئے اس تصور کے ساتھ لازم ہے۔ کہ دل پر شیخ کی عظمت و وقار کا سکہ جمایا جائے ہر چند کہ یہ امر علم ظاہری و باطنی بلکہ ہر کسب و ہنر میں بھی ضروری ہے۔ لیکن **سلوک و تصوف** میں تو شیخ کی نافرمانی نہایت نازک و خطرناک صورت پکڑ لیتی ہے۔ اسے ہم ذرہ وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔

ایک شاگرد نے اپنے اُستاد سے ظاہری علم یا کوئی معاشی ہنر سیکھنا شروع کیا۔ سیکھنے کے زمانے میں وہ اپنے اُستاد کی اُن ہدایات پر عمل کرتا رہا۔ جو اُس علم یا ہُنر کے متعلق تھیں لیکن اُستاد کے ساتھ قلبی اُنس و محبت اور عقیدت و ارادت پیدا نہیں کی۔ یا اُسکی نسبت بد باطن رہا۔ اور ظاہر نہیں ہونے دیا۔ تو اس شاگرد کی بے اُنسی اور بد باطنی اُس کے ظاہری سبق یا کسب میں سدِّ راہ نہیں ہوجاتی۔ وہ بہر حال اُن شروط کی رعایت سے جو اُس فن میں کمال حاصل کرنے کیلئے ضروری ہیں کمال حاصل کرہی لیگا۔ پھر علم و ہُنر حاصل کرچکنے کے بعد اگر وہ اُستاد کا

---

[1] وہ خود کہتے ہیں وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ (کہف پ ۱۶) یعنے میں نے یہ کام از خود نہیں کیا۔ جسکے معنے اُن کے منصب کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہیں کہ میں نے یہ کام بحکم خدا کیا ہے۔ چنانچہ تفسیر سراج منیر میں اسی آیت کے ذیل میں لکھا ہے۔ بَلْ بِاَمْرِ مَنْ لَّہُ الْاُمُوْرُ وَ هُوَ اللّٰہُ تَعَالٰی ۱۲ منہ

مخالف ہوگیا[۱] اور آ سے ایذا پہنچانے لگا۔ تو سیکھا ہوا علم و ہنر اُسے بھول نہیں جائیگا کیونکہ ظاہری علم کی تعلیم لفظوں اور آوازوں اور نقشوں کے ذریعے سے اور دستکاری کی تعلیم آلات سے کرائی جاتی ہے جنہیں قلبی شیشے کی صفائی کی ضرورت نہیں، صرف ذہن و حافظہ کی ضرورت ہے۔ جب علم اُن میں سما گیا۔ تو محض اُستاد کی مخالفت کی وجہ سے ذہن اور حافظہ سے نکل نہیں جاتا۔ لیکن **علم باطن** یا علم سلوک و تصوف کی درسگاہ کا ڈھنگ اور ہی ہے یہاں الفاظ و آلات کی بجائے **قلبی شعاعوں** سے تعلیم دیجاتی ہے۔ جسکے لئے طالب و مرید کے قلبی شیشے کی صفائی کی انتہا ضرورت ہے۔ اور جملہ ریاضات و مجاہدات و عبادات اُس شیشے کو نفسانی کدورتوں اور غبار دل سے صاف کرنے کے لئے کرائی جاتی ہے۔

شیخ علی مہائمی رح اپنی تفسیر تبصیر الرحمٰن میں جو صوفیانہ مذاق پر لکھی گئی ہے (فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ) کے ذیل میں فرماتے ہیں۔

پس یہ علم بطریق سوال و جواب نہیں، بلکہ بطریق فیض حاصل کیا جاتا ہے)	فَهٰذَا الْعِلْمُ لَيْسَ بِطَرِيْقِ السُّؤَالِ وَالْجَوَابِ بَلْ بِطَرِيْقِ الْفَيْضِ

اور اس سے آگے حَتّٰی اُحْدِثَ لَكَ میں لکھتے ہیں:۔

فِیْ قَلْبِكَ بِطَرِیْقِ الْفَیْضِ وَلَوْ مَعَ اللِّسَانِ یعنے (مجھ سے نہ پوچھنا جتے کہ میں خود پیدا کروں تیرے دل میں بطریق فیض خواہ وہ فیض بذریعہ زبان ہو)

اور آنحضرت ؐ کی نسبت سورۃ جمعہ میں یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ اور یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ کے درمیان یعنے تبلیغ و تلاوت قرآن اور تعلیم قرآن و حکمت کے درمیان وَیُزَكِّیْهِمْ جو فرمایا تو مراد اس سے اِسی فیض روحانی سے تزکیہ کرنا ہے۔ اور اس تزکیہ میں علمی و عملی، اخلاقی، و اعتقادی اور **قلبی** سب قسم کی کدورتوں سے پاک صاف کرنا ملحوظ ہے[۲] (اس سے آگے صفحہ ۶۲ پر دیکھو)۔

---

[۲] چنانچہ تفسیر سراج منیر میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے:۔

"وَیُزَكِّیْهِمْ یعنے یہ نبی اُمّی پاک کرتا ہے۔ اُن کو شرک اور رذیلے اخلاق اور ٹیڑھے عقائد سے اور آنحضرت ؐ کا یہ تزکیہ اپنی حیات طیبہ میں اُن (لوگوں) کی طرف (توجہ قلبی سے) نظر کرنے اور اُنکو علم دین سکھانے اور اُن پر قرآن شریف تلاوت کرنے سے تھا۔ پس کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ کسی انسان کی طرف نظرِ محبت سے دیکھتے تو اللہ تعالیٰ اسکی قابلیتوں کے اور اُن امور کے مطابق جنکی نسبت خدا تعالےٰ نے عالمِ قضا و قدر میں مقرر کر رکھا ہے۔ کہ وہ عالم اسباب میں مہیّا ہوں۔ اس شخص (کے باطن) کا تزکیہ کر دیتا۔ پس وہ آپ کا نہایت درجہ کا (جان نثار) عاشق اور آپ کی اتباع کو خوب طرح سے لازم پکڑنے والا اور خدا کی کتاب (قرآن شریف) اور آپ کی سُنّت میں نہایت درجہ کا راسخ و پختہ ہو جاتا" انتہٰی مترجماً) ۱۲ منہ

[۱] جس طرح کہ بعض شاگرد باوجود ہر طرح کی شفقت کے نافرمان ہو گئے ہیں۔ واللہ ولی السرائر ۱۲ منہ

(بقیہ حاشیہ صہ ۶۱)

پس جب یہ حال ہے کہ فیض باطنی کیلئے مرید کے قلبی شیشے کی صفائی نہایت ضروری ہے۔ تو شیخ طریقت کیساتھ قلبی عقیدت کے بغیر خصوصاً بد باطنی کی کدورت سے ملوث ہوتے ہوئے شیخ کے سینے کے انوار اُس کے شیشے پر کس طرح منعکس ہونگے اور اگر زمانۂ تحصیلِ فیض میں اُسکا شیشۂ عقیدت صاف رہا، اور اُس نے کمال حاصل کر بھی لیا۔ لیکن بعد ازاں شیخ سے بدعقیدہ ہوگیا۔ یا بے ادب و موذی ہوگیا۔ تو اس صورت میں بھی اُسکا قلبی نور بجھ جائیگا۔ کیونکہ وہاں تو شیخ کے انوار کا انعکاس تھا۔ جب شیخ سے اُسکی عقیدت ٹوٹ گئی۔ تو اب نور کہاں سے آئے۔ اِسکی مثال یہ ہے۔ کہ جب بلب کی تار فیوز ( ) ہو جائے۔ یا اُس کا کانیکشن ( ) پچھلی تار سے کٹ جائے جس کے ذریعے اُسے پاور ہوس ( ) سے روشنی آتی تھی تو اُس بلب میں روشنی نہیں آسکتی۔ پس بلب تو مرید کا دل ہے اور وائرنگ مرشد و شیخ ہے۔ جس کا تعلق ( ) خزانۂ روشنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو حق تعالےٰ نے سِرَاجاً مُّنِیْرًا[1] بنایا۔ پس وہاں سے روشنی آنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ اوّل یہ کہ وائرنگ درست ہو۔ یعنے پیر و مرشد متبع سنت۔ صحیح العقیدہ صالح العمل ہو۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق قلبی رکھتے ہوئے وہاں سے نور حاصل کرے۔ اور پھر اُس کا عکس مرید کے دل پر ڈالے۔ اور یہ تو آپ سمجھ ہی چکے ہیں کہ بلب کا خول وائرنگ سے روشنی نہیں لے سکتا۔ بلکہ اُس کے اندر جو باریک سی تار بجلی کی ہے۔ وہ روشنی لیکر منوّر ہوتی ہے۔ پس اُسکی سلامتی بھی ضروری ہے۔ اِسی لئے یہ بات عام طور پر معروف و مسلّم ہے۔ کہ دیگر اُستاد اپنے شاگردوں کی لیاقت و قابلیت کو باوجود اُن سے ناراض ہو جانے کے چھین نہیں سکتے۔ لیکن علم باطن کے ہادی اپنے گستاخ و بے ادب مرید و طالب سے کمال چھین سکتے ہیں۔ اور اسی سے آپ یہ بات بھی سمجھ سکتے ہیں جو مذہب اہلسنّت میں مسلّم ہے۔ کہ ولی کی ولایت منتزع ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ بلعم باعور[2] کی ولایت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے چھین گئی تھی۔ حضرت مولانا روم صاحب رح فرماتے ہیں ؎

از خدا جوئیم توفیق ادب — بے ادب محروم ماند از لطفِ رب

اب ہم اِس بارے میں بعض مشائخ طریقت کی تصریحات ذکر کرتے ہیں۔ تاکہ ناظرین کی مزید تسلّی ہو جائے:

مشائخ طریقت کی تصریحات دربارۂ آدابِ مریدین

(۱) حضرت سیّد عبد القادر جیلانی (قدس سرہٗ) نے **غنیۃ الطالبین** میں "آدابِ مرید" کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے۔ ہم اُس میں سے بعض ضروری اقتباس ترجمہ کرکے لکھتے ہیں:۔

"پس واجب ہے مرید پر ظاہر میں اپنے شیخ کی مخالفت کا ترک کرنا۔ اور باطن میں اُس پر اعتراض کا ترک کرنا"

[1] سورتِ احزاب پ ۲۲ ۱۲ منہ [2] بنا بر مشہور ۱۲ منہ

"[۱] اور اگر (بالفرض) اُسمیں کوئی عیب دیکھے تو اُسپر پردہ ڈالے، اور اپنے ہی نفس کو متہم کرے اور"
" شرع میں اُس عیب کی نسبت) شیخ کیلئے تاویل کرے"
"[۳] اور جب شیخ خفا ہو جائے یا ترشروئی ظاہر کرے۔ یا اُس سے کسی طرح کی رُوگردانی ظاہر ہو تو "
"وہ (مرید) اُس (شیخ) سے قطع تعلق نہ کرے۔ بلکہ تفتیش کرے اپنے باطن میں۔ یا اُس میں جو ہو گئی ہو"
"اُس سے کوئی بے ادبی شیخ کے حق میں یا کوئی قصور ایسے امر میں جس کا رجوع خدا کے حکم"
"کی طرف ہے۔ یعنے کسی حکم کی فرمانبرداری کے ترک کرنے سے یا اُس کے منع کئے ہوئے امر کے"
"کر بیٹھنے سے، پس خدا سے بخشش مانگے۔ اور اُسکی جناب میں توبہ کرے۔ پھر ویسا کام نہ"
"کرنے کا پختہ عزم کرلے۔ پھر شیخ کے پاس معذرت کیلئے آئے۔ اور اپنے آپ کو اُس کے سامنے"
"عاجز کرے۔ اور اُسکی خوشامد کرے۔ اور اُسکا محبوب بننے کی کوشش کرے اور آئندہ اُسکی مخالفت"
"کرنے سے پرہیز کرے۔ اور ہمیشگی کرے اُسکی رفاقت میں بس بنادے اُسکو وسیلہ اور واسطہ"
"درمیان اپنے اور اپنے پروردگار کے۔ اور رستہ اور سبب جس کے ذریعے وہ اُس تک پہنچے"
"اور اپنے شیخ کی مخالفت سے بہت ڈرتا رہے۔ کیونکہ اُس کی مخالفت زہرِ قاتل ہے اور اُس میں"
"بہت نقصان ہے" × × × × (انتہی مترجماً)

(۲) حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات میں ہے:-

"[۱] جان تو کہ اِس جماعتِ (مشائخ) کا انکار زہرِ قاتل ہے۔ اور اِن بزرگواروں کے اقوال و افعال پر"
"اعتراض کرنا سانپ کا زہر ہے۔ کہ ابدی موت تک پہنچاتا ہے۔ اور ہمیشہ کیلئے ہلاک کر دیتا ہے۔ × ×"
"اِس جماعت کا منکر اُنکی دولت سے محروم رہتا ہے۔ اور اُنپر اعتراض کرنے والا ہمیشہ نامراد اور خسارہ"
"میں رہتا ہے۔ جب تک کہ پیر کے سب حرکات و سکنات مرید کی نظر میں پسندیدہ اور اچھے دکھائی"
"نہ دیں اُسے پیر کے کمالات میں سے کوئی بہرہ حاصل نہیں ہوتا۔ "
"[۳] اور اگر فرضاً مرید کو پیر کے کسی فعل میں شبہ پیدا ہو اور وہ دور نہ ہو تو چاہیئے۔ کہ ایسے طور پر اُسکا"
"استفسار کرے کہ شائبہ اعتراض اور مظنہ انکار سے پاک ہو × × × "
"[۴] اگر کسی وقت پیر سے کوئی امر خلافِ شریعت ظاہر ہو جائے تو چاہیے۔ کہ مرید اُس میں پیر کی تقلید"
"نہ کرے۔ اور جہانتک ممکن ہو۔ حسن ظنی سے اُسکے لئے کوئی محل و موقع اور اُسکی صحت کی وجہ"
"چاہیے" × × ×
[۵] اور اگر مرید کو پیر کے حق میں کسی مباح امر کے ارتکاب کا شبہ پیدا ہو تو اُس شبہ کا اعتبار نہ کرے"

(مکتوب نمبر ۲۴ ص ۲۹۶)

(بقیہ حاشیہ صد ۶۳)

کیونکہ خداوند جل شانہ نے جو مالک الامور ہے مباح کام کرنے سے منع نہیں فرمایا اور اسپر اعتراض نہیں "فرمایا۔ . . . . تو کسی دوسرے کا کیا حق ہے کہ اپنے پاس سے اعتراض کرے (انتہی مترجماً مکتوبات)

(۳) اسیطرح حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رح ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں:۔

"مسئلہ مرید کو شیخ پر اعتراض کرنا نہیں چاہیئے۔ کیونکہ یہ فیض پہنچنے کے منافی ہے۔ اسکی دلیل حضرت موسےؑ"
"اور حضرت خضرؑ کا قصہ ہے۔ کہ حضرت موسےؑ نے جب حضرت خضرؑ سے فیض کی التجا کی۔ تو حضرت خضرؑ"
"نے اُن سے اِس بات کا عہد لیا۔ کہ مَیں جو کام کروں اُسپر تم کو اعتراض کرنا نہ ہوگا۔ × × × × × ×"
"آخر موسےؑ کے اعتراض کے باعث جُدائی ہوگئی۔ (انتہی مترجماً صد ۱۹)

اسکے بعد حضرت قاضی صاحب رح ایک نہایت کار آمد فائدہ لکھتے ہیں۔

فائدہ۔ یہ ذکر ایسے شیخ کے متعلق ہے۔ جو صاحب استقامت اور تقوےٰ ہو۔ اگر اس سے عمر بھر میں کوئی ایسی بات"
"ظاہر ہو۔ جو خلافِ شرع ہو۔ تو اس صورت میں شیخ پر اعتراض نہ کرے۔ بلکہ تاویل کرے۔ × × × × ×

اسکے بعد خاتمہ فصل پر فرماتے ہیں:۔

"اگر کوئی شخص ایسا ہے۔ جس کا شعار ہی فسق ہے۔ وہ یقیناً ولی نہیں ہے۔ اسلئے اُس کے قول و"
"فعل کی تاویل ضروری نہیں (ترجمہ ارشاد الطالبین صد ۱۹/۲)

جماعتِ اہلحدیث و دیگران

ہمیں اسبات کا سخت رنج ہے۔ کہ جماعتِ اہلحدیث (کثّر اللہ سوادھم) اِس امر میں کافی سے زیادہ بدنام ہو چکی ہے۔ کہ یہ لوگ بے ادب اور گستاخ ہوتے ہیں۔ نہ ائمہ مجتہدین کی عزت کرتے ہیں۔ نہ بزرگانِ دین کی۔ حتےٰ کہ نہ اپنے علماء کی نہ دوسروں کے پیشواؤں کی۔

اِس کا جواب یہ ہے۔ کہ الزامات کی نوعیتیں مختلف ہوتی ہیں۔ بعض واقعی درست ہوتے ہیں۔ اور بعض سراسر بہتان۔ بعض میں پوری یا ادھوری غلط فہمی ہوتی ہے اور بعض میں مبالغہ کہ تھوڑی بات کو بڑی بنا کر دکھایا جاتا ہے۔ لیکن جماعتِ اہلحدیث کے متعلق اِن الزامات کی نوعیت مذکورہ بالا سب نوعیتوں سے مرکب ہو کر ایک جُداگانہ نوع ہوگئی ہے۔ اِسکی تفصیل اسطرح ہے۔ کہ:۔

(۱) کسی نیکو کار حنفی کو کوئی ایسا اہلحدیث ملگیا ہو۔ جو عقیدۃً تو اہلحدیث ہو لیکن اسکی تربیت طریقِ اہلحدیث پر نہ ہوئی ہو اور وہ اپنے طبعی جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی کلمہ گستاخی کا کہہ بیٹھا ہو تو ہم اس نیکو کار حنفی کی دیانت کا اعتبار کر کے اسکی تکذیب نہیں کر سکتے۔ ہاں اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ اِس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ جماعتِ اہلحدیث کا مذہب معاذ اللہ گستاخی ہے۔ اچھے بُرے لوگ افرادِ منتشرہ کی صورت میں ہر جماعت میں پائے جاتے ہیں۔ ولایت کابُل کے گھوڑے مشہور ہیں۔ لیکن انہی کے مقابلہ میں یہ مثل بھی رائج ہے۔ "کابل میں گدھے نہیں ہوتے۔ اور یہ مثل ٹھیک اُسی موقع پر

(باقی صفحہ آیندہ پر)

بولتے ہیں جہاں پر اچھوں کے ساتھ بُروں کا وجود بھی پایا جائے۔ حنفی کہلاتے ہوئے امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ وغیرہم ہُما اجلۂ محدثین کی شان میں کیا کچھ نہیں کہا گیا۔ تو کیا پھر یہ کہنا درست ہوگا۔ کہ امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ کی شان میں گستاخی کرنا **حنفیوں کا مذہب** ہے۔ یا مرزائے قادیانی اور قادیانیوں نے مسلمان کہلاتے ہوئے حضرت مسیحؑ اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم صدیقہ رضؓ کے حق میں کیا کسر باقی چھوڑی ہے۔ جو کچھ کہا گیا ہے اُس سے فلسطین کے یہودی بھی شرماتے ہونگے۔ تو کیا عیسائیوں کو یہ حق پہنچتا ہے۔ کہ وہ یہ کہیں کہ حضرت عیسٰےؑ اور حضرت مریم صدیقہ رضؓ کے حق میں گستاخی کرنا مسلمانوں کا مذہب ہے۔ نہیں ہرگز نہیں ؛

(۲) جماعتِ اہلحدیث خدا کے فضل سے رسولِ **خُدا** (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے افعال (عملی سنتوں) اور آپ کے اقوال (احادیث مبارکہ) کی پیرو اور فرمانبردار ہے۔ اور یہ معلوم و مُسلّم ہے۔ کہ علم حدیث کے دفتر آداب و اخلاقِ حسنہ سے بھرے پڑے ہیں۔ آنحضرتؐ فرماتے ہیں۔ **اِنّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ**[۱] (یعنے میرے مبعوث ہونے سے بڑا مقصد یہ ہے۔ کہ میں نیک اخلاق کو (عملی طور پر) پورا کردوں) پس جس جماعت کا دن رات کا شُغل **احادیثِ رسول اللہ**ؐ کا مطالعہ ہو اور اُن کا دستور و آئین **سُنّتِ رسول اللہ**ؐ کی پیروی ہو۔ وہ مذہباً ائمہ دین اور صالح المؤمنین کے حق میں بے ادب و گستاخ کسطرح ہو سکتی ہے؟ پس ایسا الزام سراسر بہتان ہے ؛؛

قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا ﴿۷۰﴾

کہا بس اگر تو میرے ساتھ رہے تو مجھ سے کسی امر کی بابت سوال نہ کرنا۔ جتنے کہ میں خود بیان کردوں تجھ سے اُسکا کوئی ذکر ؍ ۱۲۵

۱۲۵ خضرؑ نے حضرت موسٰےؑ کی بات تسلیم تو کرلی، لیکن ایک شرط لگادی کہ جو امر بھی تم مجھ سے دیکھو اُسکی بابت مجھ سے سوال نہ کرنا۔ ہاں میں خود چاہوں تو تم سے کوئی بات بیان کردوں تو کردوں ؛

اس پیش بندی کی بنا اُسی بات پر تھی جسکی وجہ سے خضرؑ نے کہا تھا۔ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۔ یہ بھی ایک طریقہ حوصلہ سکھانے کا ہے۔

اِسکی وجہ یہ ہے۔ کہ ابتدا میں شاگرد کی نظر اُن عواقب پر نہیں ہوتی جو اُسکی تعلیم کے متعلق اُستاد کے ذہن میں ہوتے ہیں۔ اگر وہ زمانۂ تعلّم میں قدم قدم پہ ہر بات کی لِمَ (کیوں؟) اور کیف (کسطرح؟) کے سوال پر اڑ جائے تو وہ تحصیلِ کمال سے رہ جائیگا۔ بلکہ ابتدا میں اُسے اُستاد کے سامنے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کی عملی تصویر بنکر رہنا چاہئے۔ جُوں جُوں اُسے اُس فن یا علم میں قابلیت حاصل ہوتی جائیگی۔ اُسکی باریکیاں اُسپر کھلتی جائینگی۔ اور بالخصوص

[۱] کنوز الحقائق بروایت احمد ۱۲ منہ

(باقی صفحہ آئندہ پر)

اُستاد کے سامنے اعتراضی صورت میں تو کچھ حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ طرفین میں بدمزگی اور بےدِلی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور فیضان رُک جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسٰیؑ اور حضرت خضرؑ کے اسی واقعہ میں ہوا۔ بظاہر تو یہ ہُوا کہ حضرت موسٰیؑ اُن واقعات میں جو اُنھوں نے خضرؑ سے دیکھے تھے۔ سوال میں پیشدستی کرنے سے رُک نہ سکے لیکن دوسری طرف دیکھیں کہ اُسکا اثر خضرؑ پر یہ پڑا کہ وہ حضرت موسٰیؑ علیہ السلام کو ساتھ رکھنے پر صبر نہ کر سکے آخر کار اُن کو هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ کہنا پڑا۔

حاصل کلام یہ کہ حضرت خضرؑ نے موسٰیؑ کو سوال میں پیشدستی سے جو منع کر دیا تو یہ سِلسلۂ تعلیم میں اصل طریق کار اور مبنی بر حکمت ہے۔ پس فضل و کمال کے خواہشمندوں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ (واللّٰہ الہادی)

فَانْطَلَقَا[۱۲۶] حَتّٰى إِذَا رَكِبَا فِي السَّفِينَةِ[۱۲۷]

پس چلے وہ دونوں حتٰی کہ جب سوار ہوگئے کشتی میں

۱۲۶ فَانْطَلَقَا صیغہ تثنیہ کا ہے۔ جس سے مراد حضرت خضرؑ اور حضرت موسٰیؑ ہیں۔ اسکی بنا پر بعض مفسرین قرآن و شارحین حدیث کا قول ہے کہ حضرت یوشعؑ کشتی پر سوار نہیں ہوئے بلکہ یہیں سے واپس چلے گئے۔ لیکن صحیح بخاری کی کتاب التفسیر کی روایت میں حَمَلُوهُمْ جمع کی ضمیر بھی ہے۔ اسکی بنا پر ایک گروہ کا قول ہے۔ کہ حضرت یوشعؑ ساری سفر میں ساتھ ہی رہے تھے۔ لیکن قرآن شریف میں اِسکے بعد اُنکا ذکر اِسلئے حذف کر دیا گیا ہے۔ کہ واقعات آیندہ سے اُن کو کوئی تعلق نہیں تھا۔ وہ صرف حضرت موسٰیؑ کی مصاحبت کیلئے ساتھ ہوئے تھے۔ اور بس۔

۱۲۷ صحیح بخاری میں کشتی میں سوار ہونے کے متعلق بعض اور باتیں بھی مذکور ہیں۔ مثلاً

"وہ پہچان لیا اُن کشتی والوں نے خضرؑ کو اور کہنے لگے۔ عَبْدُ اللّٰهِ الصَّالِحُ یعنے یہ خدا تعالےٰ کا صالح بندہ ہے۔ . . . ہم اِسے اُجرت پر نہیں (بلکہ مفت) سوار کرینگے۔ (کتاب التفسیر مترجما)"

اِس بات کی تحقیق میں کہ اہل کشتی نے حضرت خضرؑ کو کیونکر پہچانا۔ فتح الباری میں ابن ابی حاتم کی روایت سے نقل کیا کہ اُن کے سردار نے کہا فَإِنِّي أَرَى عَلَى وُجُوهِهِمُ النُّورَ فَحَمَلَهُمْ بِغَيْرِ أُجْرَةٍ (صفحہ ۳۲۶ جزو ۹) یعنے میں اِن کے چہروں پر نور دیکھتا ہوں۔ پس اُنکو بغیر اجرت کے سوار کر لیا۔" اس روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اُس شخص نے تینوں (خضرؑ اور موسٰیؑ اور یوشعؑ) کے چہروں کے نُورِ صلاحیت سے معلوم کیا کہ یہ خدا کے نیک بندے ہیں۔ اِن سے اُجرت نہیں لینی چاہیئے۔ بلکہ اِن کی خدمت کو اپنی سعادت سمجھنا چاہیے۔ اور صحیح بخاری کی مذکورہ بالا روایت کے الفاظ عَبْدُ اللّٰهِ الصَّالِحُ اِسکی تائید کرتے ہیں۔

لیکن صحیح بخاری ہی کی دوسری روایت میں ہے۔ فَعَرَفُوا الْخَضِرَ یعنے پہچانے گئے خضرؑ۔ اس سے اکیلے حضرت خضرؑ کے علاوہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ لوگ خضرؑ کی شخصیت کو بھی پہچانتے تھے۔ اِس بنا پر

عَبْدُ اللّٰهِ الصَّالِحُ اسم معرفہ معیّن و معہود سمجھا جائیگا۔ اور دونوں روایتیں باہم جمع ہو جائینگی۔ اور حضرت موسےٰؑ اور حضرت یوشعؑ کی شخصیتوں کو اگرچہ وہ نہ جانتے تھے۔ لیکن اُنکے چہروں کے انوار نے اُنکی پہچان سے مستغنی کردیا

فائدہ جلیلہ حدیث میں یہ جو مذکور ہے۔ کہ اہل کشتی نے اُن کو بغیر اُجرت کے سوار کرلیا۔ تو اِس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اہل دنیا کو جو مقاصد مال خرچ کرنے سے حاصل ہوتے ہیں **اہل صلاحیت** کو بغیر مال خرچ کرنے کے صرف **انوارِ صلاحیت** ہی سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ جیسے کہ کہا گیا ہے ؂

"خدا خود میر سامانست ارباب توکل را"

وجہ یہ ہے۔ کہ اہلِ دنیا کی متاع **مال** ہے۔ اور صالحین کی متاع **صلاحیّت** ہے۔ اُنہوں نے وہ کمایا اُنہوں نے یہ۔ صالحین کی متاع پائدار ہے۔ جو خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتی۔ لیکن دنیاداروں کی متاع فانی ہے جو خرچ کرنے سے کم ہوتی جاتی ہے۔ اور آخر کار۔ بالکل فنا ہو جاتی ہے۔ فَطُوبیٰ لِاَصْحَابِ الصَّلَاحِیَّۃِ۔

صحیح بخاری میں کشتی میں سوار ہونے کے ذکر میں یہ بھی مذکور ہے:۔

"پس ایک چڑیا آئی اور اس نے کشتی کے کنارے پر بیٹھکر دریا میں ایک یا دو چونچیں ماریں۔ اِسپر خضرؑ نے کہا۔"

"اے موسےٰؑ میرا اور تمہارا اور جملہ مخلوق کا علم خدا کے علم کے سامنے بس اتنا ہی ہے جتنا اِس چڑیا نے اپنی چونچ ڈبوکر دریا سے پانی لیا" (انتہی مترجماً)[1]

خضرؑ نے اِن کلمات سے حضرت موسےٰؑ کو وہ بات جتلانی چاہی ہے۔ جو انہوں نے کہی تھی کہ اَنَا اَعْلَمُ[2] کیونکہ جب جملہ مخلوق کا علم خدا تعالےٰ کے علم سے کچھ بھی نسبت نہیں رکھتا۔ تو پھر میرے یا تمہارے اَنَا اَعْلَمُ کہنے کے کیا معنے؟

خَرَقَهَا ۱۲۸

توڑ ڈالا اُس (کشتی) کو۔

۱۲۸ صحیح بخاری میں کشتی کے توڑنے کی کیفیت یوں مذکور ہے:۔

(۱) فعمد الخضر الی لوح من الواح السفینۃ فنزعہ (کتاب العلم)	پس قصد کیا خضرؑ نے کشتی کے ایک تختے کا اور اُسے کھینچ ڈالا۔
(۲) فلم یفجأ موسیٰ اذ عمد الخضر الی قدوم فخرق السفینۃ (کتاب التفسیر)	موسیٰؑ کو ابھی دیر نہ ہوئی تھی کہ خضرؑ نے تیشہ لیکر کشتی توڑدی
(۳) فخرقھا ووتد فیھا (کتاب التفسیر)	پس اسکو توڑا اور اُسے میخ لگاکر جوڑ دیا۔

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اِن روایتوں کو یوں جمع کیا ہے:۔

والجمع بین الروایتین انہ قلع اللوح وجعل مکانہ وتدا (کتاب التفسیر)	اِن ہر دو روایتوں میں جمع اسطرح ہے۔ کہ تختے کو نکالا اور وہاں پر میخ لگاکر اُسے جوڑ دیا۔

نمبر ۲ کی روایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حافظ صاحبؒ کی عبارت کیساتھ اِتنا اور ضم کرلینا چاہئے۔ کہ پہلے ایک تختے کو کشتی سے توڑا اور پھر نکالکر میخ سے اُسکی مرمت کردی۔ حاصل سب روایتوں کا یہی ہے۔ کسی میں کوئی بات مختصر محذوف ہے اور کسی میں مذکور و مفصّل۔

[1] صحیح بخاری کتاب التفسیر ۱۲ منہ [2] صحیح بخاری کتاب التفسیر ۱۲ منہ

قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا (۴۲)

کہا کیا توڑا تونے اسے تاکہ غرق کرے تو اہل اسکے کو، ضرور ہے کہ تونے بڑا تعجبناک کام کیا

۱۲۹ **لغات**، اِمْرًا مجاہدؒ نے کہا مُنکرًا (صحیح بخاری) اور قتادہؒ نے کہا عَجَبًا، غیر کہا عَظِیمًا (فتح الباری) حاصل سب کا ایک ہی ہے۔ کہ بہت برا کام یا تعجبناک کام۔ اور بہت بڑا کام۔

۱۳۰ فتح الباری میں ابوالعالیہ کی روایت سے نقل کیا۔ کہ کشتی کے توڑنے کو سوائے موسےؑ کے کسی اور نے نہ دیکھا اور اگر وہ دیکھ لیتے تو انکو روک دیتے (کتاب التفسیر، منترجمًا)

نکتہ۔ یہ عاجز کہتا ہے۔ کہ چونکہ خضرؑ رجالِ غیب میں سے ہیں اور ان امور میں بالخصوص **دستِ غیب** تھے اسلئے اُن کے اس کام کو یعنے کشتی کے توڑنے اور پھر جوڑنے کو کوئی نہ دیکھ سکا۔ اور موسےؑ اسلئے دیکھ سکے۔ کہ **اوّل** تو خضرؑ کو اُنکو دکھانا منظور تھا۔ کیونکہ وہ اسی غرض کیلئے اُن کے ساتھ ہوئے تھے۔ **دیگر** یہ کہ موسٰیؑ خود بھی نبی اللہ ہونے کی وجہ سے **صاحبُ السِّر** تھے۔ جب نبی اللہ فرشتوں کو دیکھ سکتا ہے۔ تو فرشتوں کی ڈیوٹی والے انسان کے غیبی کام کو بھی دیکھ سکتا ہے۔

۱۳۱ صحیح بخاری میں ہے۔ کہ موسےؑ نے خضرؑ سے کہا:۔

قَوْمٌ حَمَلُوْنَا بِغَيْرِ نَوْلٍ عَمَدْتَ اِلٰى سَفِيْنَتِهِمْ فَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا (کتاب التفسیر)	ایسے لوگ جنہوں نے ہمکو بغیر اُجرت کے سوار کر لیا۔ تونے انکی کشتی کو توڑنے کی جرأت کی پس اُسے توڑ دیا۔ تاکہ تو اہل کشتی کو ڈبو دے۔

موسےؑ نے اس امر کو شریعت و اخلاق ہر دو کے خلاف دیکھ کر اعتراض کیا۔ اوّل اسلئے کہ بیوجہ نقصان پہنچایا۔ دوم اسلئے کہ احسان کے بدلے بدسلوکی کی۔ اس بات میں موسےؑ سر بسر حق پر ہیں۔ اگر یہی حقیقت ہو تو ظاہر و باطن ہر دو کا یہی حکم ہوگا۔ لیکن باوجود اس کے یہ موسےؑ کی ایک بھول شمار کیگئی جسے انہوں نے خود بھی تسلیم کیا۔ اسکی اور خضرؑ نے جو کچھ حقیقت بتائی۔ ہر دو امروں کی تفصیل آگے آتی ہے۔ (انشاء اللہ)

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا (۴۳)

کہا، کیا نہیں کہا تھا میں نے، کہ تحقیق تو ہرگز نہیں طاقت رکھیگا میرے ساتھ صبر کرنے کی

۱۳۲ اس موقع پر خضرؑ نے موسےؑ کے اعتراض کو بیجا نہیں کہا، بلکہ اپنی وہی بات جتائی ہے۔ جو ابتدا میں کہی تھی کہ تم میرے ساتھ ضبط و صبر سے نہیں رہ سکوگے۔ جسکے جواب میں تمنے کہا تھا۔ انشاء اللہ میں صابر ثابت ہونگا۔ اور یعنے اسپر تمکو ضابط و صابر رکھنے کے لئے **شرط** لگادی تھی کہ مجھسے کسی امر میں سوال نہ کرنا۔ سو تمنے **سوال** کر کے اس شرط کو توڑ ڈالا ہے۔ جو تمنے کہا۔ اَخَرَقْتَهَا کیا تونے اسے توڑ ڈالا الخ ۱

---

۱ باقی رہا توڑنے کا راز اور اسکی حقیقت کہ نقصان پہنچانے کے لئے ایسا کیا یا نفع پہنچانے کیلئے، اور احسان کے عوض بُرائی کی یا نیکی۔ سو اسکی تفصیل آگے بتائی جائیگی۔ فی الحال یہی بات ہے کہ شرط ٹوٹ گئی ۱۲ منہ

قَالَ لَا تُؤَاخِذۡنِیۡ بِمَا نَسِیۡتُ[۱۳۳] **وَلَا تُرۡهِقۡنِیۡ مِنۡ اَمۡرِیۡ عُسۡرًا** (۷۳)

کہا نہ پکڑ مجھے بسبب میرے بھول جانے کے اور نہ پہنچا مجھے میرے کام سے تنگی

۱۳۳؎ **بِمَا نَسِیۡتُ**، موسیٰؑ نے عذر کیا کہ یہ بات مجھ سے نسیاناً ہو گئی ہے۔ اور **نسیان** پر شریعت میں مؤاخذہ (گرفت) نہیں ہے۔ سو آپ نہ کریں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں بصورتِ دعا تعلیم کیا، رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَا اِنۡ نَّسِیۡنَاۤ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا (بقرۃ پ۳) یعنی اے ہمارے پروردگار! اگر ہم بھول جائیں، یا خطا (بلا ارادہ) کریں تو ہم کو (اس پر) مؤاخذہ نہ کر، اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا:۔ وُضِعَ عَنۡ اُمَّتِیۡ الۡخَطَاءُ وَالنِّسۡیَانُ (الحدیث) صحیح بخاری میں ہے۔ کَانَتِ الۡاُوۡلٰی نِسۡیَانًا (کتاب التفسیر) یعنی پہلی بار نسیان سے تھی۔

صورتِ نسیان موسیٰؑ کے اس نسیان کی صورت یہ ہے۔ کہ آپ کو یہ کام از روئے شرع درست نظر نہ آیا کیونکہ کسی کو بے وجہ نقصان پہنچانا ممنوع ہے پس حفاظتِ قانونِ شرعی اور تعمیلِ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں جو آپ کا فرضِ منصبی تھا۔ آپ کو جوش آ گیا۔ اور غلبۂ حال میں آپ کو اپنا اقرار (سوال نہ کرنا) فراموش ہو گیا۔ چنانچہ فتح الباری (کتاب التفسیر) میں ابن ابی حاتم سے نقل کیا کہ:۔

"موسیٰؑ نے جب یہ دیکھا تو آپ غضب سے بھر گئے۔ پس آپ نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے اور (خضرؑ سے) کہنے لگے۔ آپ نے انکی ہلاکت کا ارادہ کیا ہے۔ آپ کو ابھی معلوم ہو جائیگا۔ کہ سب سے پہلے آپ ہی ہلاک ہونگے۔ الخ" (انتہی مترجماً)

۱۳۴؎ **جذباتِ موسویہ** خدا تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے جذبات بارادۂ خاص تیز پیدا کئے تھے۔ کیونکہ آپ **فرعون** جیسے جابر و گردنکش بادشاہ کی طرف مبعوث ہونے والے تھے۔ اور یہی بات اُن کے لئے فرعون کے بھرے دربار میں **استقامت** کا موجب ہوئی۔ کہ آپ نے خوف و رعب سے آزاد ہو کر اُسے ربّ العٰلمین کا پیغام پہنچایا، اور خدا تعالیٰ کی ہستی کے دلائل بیان کئے۔ اور فرعون کے سوالوں اور اعتراضوں کے مسکت جواب دیئے، جن سے فرعون نے بمصداق "تنگ آمد بجنگ آمد" اور بمقتضائے ؎

چو حجت نماند جفا جوئے را　　بہ پرخاش در ہم کشد روئے را

تنگ آکر دھمکی دی۔ لَئِنِ اتَّخَذۡتَ اِلٰهًا غَیۡرِیۡ لَاَجۡعَلَنَّكَ مِنَ الۡمَسۡجُوۡنِیۡنَ (شعراء پ۱۹)

لیکن موسیٰؑ پر اس کا کچھ بھی اثر نہ پڑا۔ مناسب ہے کہ ہم اس موقع پر آپ کی زندگی کے بعض واقعات ذکر کر کے یہ بات ناظرین کے ذہن نشین کر دیں کہ آپ کے جذبات طبعاً تیز پیدا کئے گئے تھے:۔

(۱) شروع جوانی میں (قبلِ نبوت) ایک اسرائیلی کی حمایت میں ایک قبطی (قومِ فرعون کے) آدمی کو مکا مارنا۔ اسی جوشِ طبع سے تھا۔ کیونکہ آپ خدا کے ارادے میں سبطیوں (اسرائیلیوں) کو قبطیوں کے مظالم سے نجات دلانے والے تھے"

(۲) قوم کی گوسالہ پرستی پر غضبناک ہونا اور اپنے بھائی کے سر آنا بھی اسی جوشِ طبع کا نتیجہ تھا۔ کیونکہ آپ خدا کی

شریعت کے امین و محافظ تھے۔ توحید کے مقابلہ میں شرک کو اور اسمیں مداہنت و نرمی کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔
(۳) قبلِ نبوّت بہجرت کے وقت۔ شعیب علیہ السلام کی لڑکیوں کے جانوروں کو پانی پلادینے میں بھی حمایتِ ضعفاء ہے اور تیز جذبات والے آدمی کی طبیعت منفعل جلد ہو جاتی ہے۔ اسی لئے آپ کو اُنکے ضعفِ نسوانی پر ترس آگیا۔ اور باوجود سفر کی تکان اور بھوک کی شدّت کے محنت کے کام سے رُک نہ سکے ؛
(۴) عطائے نبوّت کے وقت آگ دکھائی دی۔ گو یہ وادیٔ مقدس میں بلانے کی ایک تقریب تھی۔ کہ اُن کو اُسوقت شدّتِ سرما کی وجہ سے بیوی صاحبہ کے لئے آگ کی ضرورت تھی۔ لیکن اسمیں اُن کی طبعی جذبات کی مناسبت بھی تھی؛
(۵) اِسی طرح رَبِّ اَرِنِیۡ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ کے سوال پر تجلّیِ الٰہی جس صورت میں ظاہر ہوئی۔ اس میں بھی اُنکی طبعی مناسبت تھی۔
غرض آپ کی زندگی کے واقعات پر نظر کرنے سے صاف کھل جاتا ہے۔ کہ آپکے جذبات فطرۃً تیز تھے اور خدا کی حکمت کا تقاضا یہی تھا۔ اور جیسا کہ ہم سابقاً صــــ میں لکھ آئے ہیں کہ خضرؑ کو موسیٰؑ کا اور آپ کی نبوت کا علم تھا تو وہ اسبات کو بھی جانتے ہونگے کہ وہ تیز جذبات پر پیدا ہو کر فرعون کی طرف مبعوث ہوئے ہیں اسلئے وہ میرے متعلقہ امور کو دیکھکر صبر نہ کر سکینگے۔ لہذا انہوں نے پہلے ہی سے کہدیا۔ اِنَّکَ لَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ مَعِیَ صَبۡرًا (واللّٰہُ اَعۡلَمُ)
آنحضرتؐ کہ جامع جلال و جمال ہیں باوجود نہایت درجے کے حلیم و باوقار اور نرم مزاج ہونیکے اور خدا کی طرف سے فَبِمَا رَحۡمَۃٍ مِّنَ اللّٰہِ لِنۡتَ لَھُمۡ کی سند حاصل کرنیکے، مخالفتِ شرع کو برداشت نہ کر سکتے تھے چنانچہ احادیث میں یہ بات بکثرت مذکور ہے۔ بعض جگہ یوں ہے فَقَامَ رَسُوۡلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ غَضۡبَانَ ثُمَّ قَالَ اَیُلۡعَبُ بِکِتَابِ اللّٰہِ وَاَنَا بَیۡنَ اَظۡھُرِکُمۡ (بلوغ المرام) اور کہیں یوں ہے۔
یَا مُعَاذُ اَفَتَّانٌ اَنۡتَ مُتَّفَقٌ عَلَیۡہِ (مشکوٰۃ صا۷)
صحابہ رضؓ میں یہ نمونہ جلالت وسطوت، حضرت فاروق اعظم رضؓ میں نمایاں طور پر نظر آئیگا۔ آپ کی شان میں آنحضرتؐ فرماتے ہیں اَرۡحَمُ اُمَّتِیۡ بِاُمَّتِیۡ اَبُوۡبَکۡرٍ وَاَشَدُّھُمۡ فِیۡ اَمۡرِ اللّٰہِ عُمَرُ (مشکوٰۃ) نیز فرمایا:۔ رَحِمَ اللّٰہُ عُمَرَ یَقُوۡلُ الۡحَقَّ وَاِنۡ کَانَ مُرًّا (جامع صغیر ص۱۹ جلد ۲) یعنی خدا رحم کرے عمرؓ پر حق کہدیتا ہے اگرچہ کڑوا لگے۔
غرض خضرؑ کے اس کام پر موسےٰؑ کے انکار کی بنا اسی حفاظتِ شرع اور حمایتِ ضعفاء پر تھی۔ اگرچہ خضر علیہ السلام کا ارادہ بھی اسی حفاظت وحمایت ضعفاء پر مبنی تھا۔ جیسا کہ آگے آئیگا۔

فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ[۱۳۵] قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا

پس چل پڑے وہ دونوں حتےٰ کہ جب ملے ایک (نابالغ) لڑکے کو تو (خضرؑ نے) اُسے (فوراً) مار ڈالا۔ تو (موسیٰؑ نے) کہا کیا قتل کر ڈالا

زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـــًٔـا نُّكْرًا[۱۳۶-۱۳۷] ﴿۷۵﴾ قَالَ اَلَمْ

تونے جان پاک کو بغیر جان کے بیشک تونے بہت برا کام کیا کہا کیا نہیں

اَقُلْ لَّكَ[۱۳۸] اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۶﴾ قَالَ اِنْ

کہا تھا مینے تجھکو کہ تحقیق نہیں طاقت رکھیگا تو ساتھ میرے صبر کرنیکی کہا اگر

سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا[۱۳۹] ﴿۷۷﴾

پوچھا مینے تجھکو کسی شئے کی بابت بعد اسکے تو نہ ساتھ رکھنا مجھکو تحقیق پہنچ چکا تو میری طرف سے عذر کو

۱۳۵ **ترکیب نحوی** فتح الباری میں کہا "فقتلہ" میں ف عاطفہ ہے اور عطف لَقِيَا پر ہے۔ اور قَالَ اَقَتَلْتَ شرط کی جزا ہے۔ اور قتل جملہ شرط میں سے ہے جس میں اسبات کا اشارہ ہے۔ کہ لڑکے کا قتل اُسکو دیکھنے کے ساتھ ہی بغیر مہلت کے واقع ہوا۔ بخلاف اذا رکبا فی السفینۃ خرقھا کے کہ کشتی کا توڑنا جواب شرط میں واقع ہوا ہے۔ کیونکہ وہ سوار ہونیکے کچھ دیر بعد ہوا ہمنے ترجمہ میں اس ترکیب کا لحاظ برابر رکھا ہے؛

۱۳۶ **لغات** نُكْرًا۔ نُکر بسکون کاف اور نُکُر بضم کاف ہر دو کے معنے ایک ہیں یعنے ایسا کام جس سے عقل سلیم انکار کرے اور طبع مستقیم نفرت کرے۔ اور دونوں طرح قرآءت میں آیا ہے۔ (السراج المنیر)

۱۳۷ نُكْرًا پہلی دفعہ شَيْئًا اِمْرًا کہا اور اب دوسری دفعہ شَيْئًا نُّكْرًا کہا کیونکہ کشتی کے توڑنے میں نقصان صرف کشتی کا تھا اور اہل کشتی کی ہلاکت کا اندیشہ ہی تھا۔ لیکن لڑکے کے قتل سے تو اُسکی ہلاکت واقع ہی ہوگئی۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر برائی میں پہلے امر سے زیادہ ہے، فافہم

۱۳۸ اَقُلْ لَّكَ پہلی دفعہ بغیر لَكَ کے کہا۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ کہ کیا مینے نہیں کہا تھا؟ اور اب لَكَ سے خطاب کرکے کہا ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ "کیا مینے تجھے نہیں کہا تھا؟ اس میں قدرے سختی ہے۔ اسکی وجہ اولاً تو یہ ہے۔ کہ اس دفعہ موسیٰؑ نے بھی نُكْرًا کہا ہے۔ جو اِمْرًا سے سخت ہے۔ دیگر یہ کہ یہ دوسری بار ہے۔ پہلی بار نرمی سے کہا۔ اور دوسری بار سختی سے کہا۔

۱۳۹ عُذْرًا۔ فتح الباری میں حدیث مرفوع ذکر کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

"خدا ہم پر بھی اور موسیٰؑ پر بھی رحم کرے۔ اگر وہ جلدی نہ کرتے۔ تو عجب عجب باتیں دیکھتے"

"لیکن آپکو اپنے صاحب (خضرؑ) سے شرم آگئی، تو کہہ اُٹھے اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۢ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ" الآیہ (کتاب التفسیر)

فَانْطَلَقَا حَتّٰىٓ اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا

پس روانگے، چل پڑے، حتےٰ کہ جس وقت پہنچے ایک بستی والوں کے پاس، انہوں نے کھانا مانگا اس کے اہل سے

فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ

پس انہوں نے انکار کیا، ان کی ضیافت سے پس پائی انہوں نے ایک دیوار جو گرا چاہتی تھی،

اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا

پس (خضر ع نے) اُسے قائم کردیا، کہا (موسےٰ ع نے) اگر تو چاہتا تو البتہ لے لیتا اسپر کچھ اُجرت

۱۴۰ اَهْلَ قَرْيَةِ۔ اِس بستی کے نام کے متعلق مفسرین رحمہ نے کئی اقوال ذکر کئے ہیں۔ کوئی انطاکیہ بتاتا ہے کوئی کچھ اور، جس امر کو خدا تعالےٰ نے مبہم رکھا۔ اگر اُسکی تعیین حدیث مرفوع میں آگئی ہو۔ تو لیسر و چشم ورنہ اُسے مبہم ہی رکھنا چاہیئے۔ کیونکہ مسئلہ نام کی تعیین میں نہیں ہوتا۔ بلکہ مضمون میں ہوتا ہے۔

۱۴۱ اسْتَطْعَمَا۔ اسجگہ دو سوال پیدا ہوتے ہیں۔ اوّل یہ کہ اِتنے بڑے باوقار شخصوں کی شان سے بعید ہے دوم یہ کہ موسےٰ ع تو وہ ہیں جنہوں نے باوجود سفر کی تکان اور بھوک کی شدت کے شعیب علیہ السلام کے جانوروں کو مفت پانی کھینچ کر پلا دیا۔ اور اپنے حال اور ضرورت کی شکایت صرف خدا تعالےٰ سے کی۔ جیسا کہ فرمایا:۔

ثُمَّ تَوَلّٰىٓ اِلَى الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّىْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَىَّ مِنْ خَيْرٍ فَقِيْرٌ (قصص پ ۲۰)	پھر سائے کی طرف لوٹے تو کہنے لگے کہ اے میرے پروردگار! بیشک میں اُس چیز کا جو تو مجھے (اسوقت) بھیجے

اِن ہر دو کا **جواب** ظاہر شرع کے رو سے یہ ہے کہ شدت حاجت کے وقت سوال منع نہیں ہے۔ اور اگر ایک وقت میں ایک شخص نے باوجود حاجت کے غِنا سے کام لیا۔ تو دوسرے وقت میں وہ کام جو شرعاً درست ہے۔ ناجائز نہیں ہو جاتا۔ بیشک انبیاء علیہم السّلام ایسی حاجات میں بھی خدا تعالےٰ ہی کی طرف رجوع لاتے ہیں، جیسا کہ موسےٰ ع کے مدین والے قصے میں ہُوا۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کا بھی اسی قسم کا واقعہ ہے۔ کہ جب طائف والوں نے آپ سے نہایت بدسلوکی کی۔ اور آپ وہاں سے واپس لوٹے تو آپ نے یہ دُعا کی:۔ اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِىْ (الحدیث زاد المعاد ج ۱)

لیکن باطن میں بحکم تکوینی سوال اسلیئے پیدا کیا گیا۔ کہ اس سے دیوار کے بنانے کی تقریب پیدا کر کے موسےٰ ع کو شعیب علیہ السّلام کے جانوروں کو پانی پلانے کا واقعہ یاد کرایا جائے۔ پس جو بات امر تکوینی کے متعلق ہو۔ اور ظاہر شرع میں بھی بشرائط جائز ہو۔ اُسپر سوال وارد نہیں ہو سکتا۔

۱۴۲ اَهْلَهَا۔ اَهْل کا لفظ مکرر ذکر کیا گیا ہے۔ یعنے اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ میں بھی اَهْل کا لفظ کہا اور اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا میں بھی اَهْل کا لفظ کہا۔ حالانکہ یہاں دوسری دفعہ ضمیر هُمْ لانی چاہی تھی۔ کیونکہ اِسم ضمیر اسی لئے وضع

کیا گیا ہے۔ کہ اِسمِ ظاہر کے تکرار کی ضرورت نہ رہے۔ اِسکی وجہ امام رازی رحمۃ یہ بیان کی ہے۔ کہ یہ تکرار تاکید کیلئے ہے۔ جیسا کہ اس شعر میں غراب کا لفظ مکرر ہے ؎

لیت الغراب غداۃ ینعب دائما - کان الغراب مقطع الاوداج

لیکن صاحب تفسیر رحمانی نے عارفانہ مذاق سے یہ لکھا ہے:۔

"اور اسے مکرر ذکر کیا، اسلئے کہ وہ لفظاً قریہ کی اور معناً اہل کی صفت ہے۔ پس اُسے (دوبارہ) ذکر کرنا ضروری تھا۔ تاکہ وہ ہر دو کیلئے مستقیم ہو جائے۔ اور اگر اسے اھل کی صفت بنایا جاتا تو اعتراض متوجہ نہ ہوتا اور بعض کی اصلاح کے جو اُس بستی میں تھے۔ لیکن اہل بستی کا گناہ اُس بستی کی مذمت اور اُسکی اصلاح کی منع کا سبب ہے۔ اور اگر اسے شرط کا جواب بنایا جاتا تو یہ سمجھا جاتا کہ اُنکا اِس بستی میں آنا کھانا طلب کرنے کیلئے تھا۔ (حالانکہ یہ حقیقت نہ تھی) انتہی مترجماً"

۱۴۳؎ یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ - اسجگہ ارادہ کو دیوار کی طرف نسبت کیا۔ حالانکہ ارادہ دیوار کا کام نہیں۔ یہ بطور استعارہ کے ہے۔ جس طرح ہم اپنی زبان میں کہیں "دیوار گرا چاہتی تھی" اسی طرح عربی زبان میں یُرِیْدُ بھی بطور استعارہ ہے اور مراد اس سے یہ ہے کہ وہ دیوار گرنے کے قریب تھی۔

۱۴۴؎ فَاَقَامَہٗ - صحیح بخاری میں حضرت سعید بن جُبیر رحمۃ تابعی سے یوں نقل کیا ہے۔ کہ آپ نے اپنا ہاتھ اونچا کرکے فرمایا فَمَسَحَہٗ بِیَدِہٖ فَاسْتَقَامَ (کتاب التفسیر) یعنی خضر نے اُس دیوار کو اپنے دونوں ہاتھوں سے چھوا تو وہ سیدھی کھڑی ہو گئی۔

۱۴۵؎ لَتَخِذْتَ - رسم الخط میں یہاں بغیر الف کے لکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اسکی ایک قراءت لَتَّخَذْتَ بھی ہے۔ پس اِس صورت میں یعنے الف کو کتابت میں ترک کرنے سے دونوں قراءتیں جمع ہو سکتی ہیں۔ اور الف لکھنے سے صرف ایک ہی پڑھی جا سکتی ہے۔ دوسری نہیں۔

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ سَأُنَبِّئُكَ بِتَأْوِيْلِ مَا

کہا (خضر نے) یہ ہے جُدائی میرے اور تمہارے درمیان، عنقریب میں بتاؤنگا تجھے ان باتوں کی حقیقت

لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۹﴾

جن پر تو صبر نہیں کر سکا ہے

۱۴۶؎ هٰذَا فِرَاقُ - اِس بات پر حضرت خضرؑ اور حضرت موسٰیؑ میں جُدائی ہو گئی۔ اِس میں بھی چند سوال ہیں۔ کہ دیوار کا بلا اُجرت کھڑا کر دینا ظاہر شرع میں کوئی عیب نہیں تھا۔ پھر حضرت موسٰیؑ نے اعتراض کیوں کر دیا۔

اسکا جواب یہ ہے۔ کہ یہ اعتراض نہیں تھا۔ بلکہ بطور مشورہ کہا تھا۔ جیسا کہ الفاظ لَو شِئتَ سے سمجھا جا سکتا ہے۔
دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ اگر بستی والوں نے انکو کھانا نہیں دیا تھا۔ تو ایسے چھوٹے سے معاملہ میں ایک نبی اللہ کا
ایسا منتقمانہ جذبہ اُسکی شان کے خلاف ہے۔ اسکا **جواب** یہ ہے۔ کہ احسان بعض وقت واجب ہوتا ہے اور
بعض وقت اختیاری ہوتا ہے۔ اگر مسافروں کو قوت وگذارہ کے لئے طعام دینا واجبات سے سمجھا جائے۔ جیسا کہ
آیات و احادیث سے سمجھا جاتا ہے۔ اور ایک گروہ علماء کا اسکا قائل بھی ہے تو موسٰیؑ کا یہ انتقام بجا ہے اور اگر واجب
نہ سمجھا جائے تو خضرؑ پر بھی دیوار کا مفت بنا دینا واجب نہیں۔ پس موسٰیؑ کا یہ مشورہ کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے کچھ
حاصل کر سکتے تھے۔ بیجا نہیں ہے۔ تیسرا **سوال** یہ ہے۔ کہ جب حضرت موسٰیؑ کا یہ قول بطور اعتراض نہیں۔ بلکہ بطور
مشورہ ہے۔ تو خضرؑ نے اُن کو اس بات پر جُدا کیوں کر دیا؟ اسکا **جواب** یہ ہے۔ کہ اعتراض یا مشورہ پر جُدا نہیں کیا۔ بلکہ
شرط ٹوٹنے اور عذر پورا ہو جانے کی وجہ سے جُدا کیا۔ کیونکہ شرط یہ تھی کہ از خود کچھ نہ پوچھنا اور دو دفعہ کے بعد حضرت
موسٰیؑ نے خود کہا تھا۔ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا
یہاں پر واقعات ختم ہو گئے۔ اسکے بعد اُنکی حقیقت کی تفصیل ہے۔ حافظ ابن حجرؒ فتح الباری میں ثعلبی سے
نقل کرتے ہیں۔ کہ اسپر خضرؑ نے موسٰیؑ سے کہا:۔
وہ کیا تو ملامت کرتا ہے۔ مجھے کشتی کے توڑنے پر اور اس لڑکے کے قتل پر اور دیوار کے سیدھا کرنے پر
"اور بھلا دیا تو نے اپنے آپ کو جبکہ تو ڈالا گیا تھا دریا میں۔ اور جبکہ تو نے قتل کیا تھا قبطی کو، اور
"جبکہ تو نے بہ نیت ثواب پانی پلایا تھا شعیبؑ کی بیٹیوں کی بکریوں کو"، انتہی مترجماً (کتاب التفسیر)
اسکی تشریح یوں ہے۔ کہ پہلا واقعہ کشتی کا تختہ توڑنے کا ہے۔ جو ظاہر شرع کے رو سے بدو وجہ قابل اعتراض
ہے۔ اوّل نقصانِ ناحق، دوم احسان کا بدلہ بُرائی۔ لیکن باطن میں اِن کشتی والوں کی ہمدردی تھی۔ کہ انکی کشتی کو کسیقدر
عیب دار کر کے ایک غاصب سے بچا دیا۔ اور یہ بات کہ نیک نیتی سے کسی کا جزوی و عارضی حرج کر کے اسکو بڑے اور دائمی نقصان
سے بچا دیا جائے۔ شریعت کے بھی خلاف نہیں۔ یہی صورت اور حقیقت خود موسٰیؑ پر انکی ولادت کے وقت وارد ہو چکی
تھی۔ کہ اللہ تعالٰی نے آپ کی والدہ ماجدہ کو الہام کیا کہ بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہا دو۔ بظاہر اس میں موسٰیؑ
کی ہلاکت کا خوف تھا۔ لیکن باطن میں موسٰیؑ کی خیر خواہی تھی۔ کہ آپ کو فرعون کے ظالمانہ حکم قتل سے محفوظ رکھا جائے
کیونکہ اُن دنوں فرعون کا عام حکم تھا۔ کہ بنی اسرائیل کے ہاں جو بھی فرزند نرینہ پیدا ہو اُسے قتل کر دیا جائے۔ سو صندوق
میں ڈالنے اور دریا میں بہا دینے کی تدبیر سے فرعون کے اہلکاروں کو جو اس قسم کی ڈیوٹی پر متعین تھے۔ علم نہ ہو سکا
کہ یہ بنی اسرائیل کا بچہ ہے۔ اور خدا کے حکم تکوینی سے پانی نے اُس صندوق کو کنارۂ دریا کے اُس موقع پر لگا دیا۔ جہاں سے
فرعون کے آدمیوں نے صندوق کو مالِ لاوارث سمجھ کر پکڑ لیا۔ اور بادشاہ کے حضور پیش کر دیا۔ اسکے بعد جو کچھ ہوا وہ قرآن شریف
میں سورۂ قصص پ۲۰ میں مفصل مذکور ہے۔ سو خضر علیہ السلام کشتی توڑنے کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:۔

اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ

لیکن کشتی سو وہ چند مسکینوں کی تھی جو دریا میں روزی کمانیکا کام کرتے تھے

فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ يَّاْخُذُ

پس میں نے چاہا کہ اُسے (کسی قدر) عیب دار کردوں کیونکہ اُن کے سامنے (آگے) ایک بادشاہ تھا جو پکڑ لیتا تھا

كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا (۸۰)

ہر (اچھی) کشتی کو غصب سے ۸۰

۱۴۷ لغات اَمَّا تفصیل کیلئے ہے۔ اور ف فصیحیہ ہے۔ جو اَمَّا تفصیلیکی خبر پر لانا آیا کرتی ہے۔ اور وَکَانَ کی واو عِلّت کیلئے ہے (قاموس) وَرَآءَ کا لفظ ذوات الاضداد میں سے ہے۔ پیچھے اور آگے دونوں معنے میں آتا ہے۔ (قاموس - اتقان) اسجگہ آگے اور سامنے کے معنے میں ہے جدھر کو وہ کشتی جارہی تھی۔ غصب کسی کی چیز زبردستی سے بغیر حق کے چھین لینے کو کہتے ہیں۔ کُلَّ سَفِيْنَةٍ اسجگہ سَفِيْنَةٍ صحیحۃ مراد ہے۔ بدلیل اَنْ اَعِيْبَهَا پس یہ کلیہ مقیدہ و مشروطہ یا موصوفہ بوصف صحت ہے۔ نہ مطلقہ؟

۱۴۸ مسئلہ - باوجود روزی کمانے کا کام کرنے کے اُنکو مساکین کہا ہے۔ امام شافعیؒ اس آیت سے مسکین اور فقیر میں یہ فرق کرتے ہیں۔ کہ مسکین وہ ہے۔ جو روزی کماتا ہو۔ لیکن اُسکی کمائی اُسکے خرچ کیلئے کافی نہ ہو۔ یعنے تنگی سے گذارہ چلتا ہو۔ خدا تعالےٰ نے صدقات میں اس قسم کے لوگوں کا بھی حق رکھا ہے۔ اور فقیر شکستہ حال اور نادار کو کہتے ہیں۔ کیونکہ فقیر کا اشتقاق فقار سے ہے۔ اور فقار کمر کے مہرے کی ہڈیوں کو کہتے ہیں۔ پس فقیر وہ جو کمر شکستہ ہو۔ چنانچہ قاموس میں ہے۔ الفقیر الکسیر الفقار یعنے شکستہ اُستخوان پشت (منتہی الارب)

دوسرا واقعہ لڑکے کے قتل کا ہے۔ اسکی تشریح یوں ہے۔ کہ موسیٰؑ کو اسپر اس وجہ سے اعتراض ہوا۔ کہ اُس لڑکے سے کوئی امر جو موجب قتل ہو۔ اسکے سرزد نہیں ہوا۔ تو اُسے کیوں قتل کیا گیا۔ اصل میں اِسکی حقیقت یہ تھی کہ اس لڑکے سے اپنے مومن والدین پر ظلم وزیادتی کا اندیشہ تھا۔ تو مومنوں سے ظلم دور کرنے کیلئے ظالم کو ہلاک کردیا گیا۔ اِس جنس کا واقعہ خود موسیٰؑ سے بھی سرزد ہو چکا تھا۔ جبکہ آپ نے اپنے مومن اور قومی بھائی کی حمایت میں ظالم قوم کے ایک فرد کو مُکا رسید کیا۔ اور وہ مرگیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہُوا ہے۔ کہ وہ مومن اُس فرعونی ظالم کے ظلم و تعدّی سے بچ گیا۔ اگرچہ موسیٰؑ سے یہ کام بلا قصد و عمد اتفاقاً ہو گیا۔ اور خضرؑ نے لڑکے کو عمداً قتل کیا۔ لیکن اسمیں بھی قدرت کا وہی راز تھا۔ کہ حضرت موسیٰؑ کو اُس قبطی کے قتل کا سبب حکم تکوینی سے بنایا تھا۔ فافہم ولا تغفل۔ چنانچہ حضرت خضر علیہ السلام اُس کی حقیقت یوں بیان کرتے ہیں:-

---

ف: امام شافعی کتاب الام میں فرماتے ہیں ۱۲ منہ

وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ

اور لیکن وہ لڑکا سو تھے ماں باپ اُسکے دونوں ایماندار پس ہمکو اندیشہ ہوا کہ (کہیں)

يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿٨١﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا

یہ لڑکا غالب نہ آجاوے اُن پر سرکشی کرکے اور کفر کرکے ۸۱ تو ارادہ کیا ہمنے کہ بدل دیوے اُنکو

رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً ۱۵۰ وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۱۴۹ ﴿٨٢﴾

پروردگار اُن کا بہتر اُس سے پاکیزگی میں اور زیادہ قریب رحم میں ۸۲

۱۴۹ لغات رُحْمًا (رکی پیش اور ح کے سکون یعنے جزم سے) اِسکے متعلق اہل لغت کے دو قول ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں ہے۔ رُحْمًا مِنَ الرُّحْمِ وَهِيَ اَشَدُّ مُبَالَغَةً مِّنَ الرَّحْمَةِ وَيُظَنُّ اَنَّهُ مِنَ الرَّحِيْمِ وَتُدْعٰى مَكَّةُ اُمَّ الرُّحْمِ اَىِ الرَّحْمَةُ تَنْزِلُ بِهَا (کتاب التفسیر)

"یعنے یہ لفظ رُحم یا رُحْم سے (بمعنے قرابت) مشتق ہے۔ جسمیں رحمت کی نسبت زیادہ مبالغہ ہے اور بعض کا خیال ہے۔ کہ یہ رحیم سے (بمعنے رحمت) مشتق ہے۔ اسی لئے مکہ شریف کا نام اُمّ الرُّحم ہے یعنے وہاں رحمت نازل ہوتی ہے۔" (کتاب التفسیر)

یہ عاجز کہتا ہے۔ کہ رحمت سے مشتق سمجھنا زیادہ اچھا ہے۔ کیونکہ بیٹے کے لئے قرابت کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ حسنِ سلوک اور شفقت میں زیادہ قریب ہونا باوجہ ہے۔ جیسا کہ فرمایا وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ (بنی اسرائیل پ ۱۵) یعنے اے انسان! جھکا دے واسطے اُن دونوں (ماں باپ) کے بازو عاجزی کے شفقت کے خیال سے۔"

۱۵۰ خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً سے طہارتِ نفس مراد ہے۔ جس کا تعلق عبادتِ الٰہی سے ہے۔ اور اَقْرَبَ رُحْمًا میں اخلاقی حالت کا بیان ہے۔ جس میں نرمی اور مہربانی پائی جائے اور نیکی میں کمال دو ہی جانب سے ہوتا ہے۔ خدا کی عبادت سے اور خلق اللہ سے شفقت سے، بہت لوگ عبادت میں مرتاض ہوتے ہیں۔ لیکن خلق اللہ سے اُنکا تعلق حسنِ سلوک سے نہیں ہوتا۔ اور بہت سے خلق اللہ پر شفیق ہوتے ہیں۔ لیکن خدا کی عبادت میں سُست ہوتے ہیں۔ یہ ہر دو طرح کے لوگ ناقص الاحوال ہیں۔ کامل وہی ہیں جو دونوں وصفوں کے مالک ہوں۔ رَزَقَنَا اللّٰهُ مِنْهُمَا،

باقی رہا تیسرا واقعہ، یعنے دیوار کا قائم کرنا سو اسکی حقیقت یوں ہے:۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ (۱۵۱) فِى الْمَدِيْنَةِ

اور لیکن وہ دیوار پس تھی وہ دو یتیم لڑکوں کی جو اسی شہر میں ہیں

وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا (۱۵۲) وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا (۱۵۳)

اور تھا نیچے اسکے خزانہ اُن کا، اور تھا باپ اُن کا ایک صالح (آدمی)

فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا

پس چاہا تیرے رب نے کہ پہنچ جاویں وہ دونوں اپنی جوانی کو اور نکال لیویں خزانہ اپنا،

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (۱۵۴) وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ (۱۵۵) ذٰلِكَ

(یہ سب) تیرے رب کی مہربانی کی وجہ سے (ہوا)، اور نہیں کیا میں نے اسکو اپنے اختیار سے، یہ ہے

تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ (۱۵۶) صَبْرًا (۸۲)

حقیقت اُن باتوں کی جن پر تو صبر نہ کر سکا ۸۲،

۱۵۱ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ، یتیم اُسے کہتے ہیں جس کا باپ گذر گیا ہو۔ اور وہ نا بالغ ہو۔ بدلیل اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا اور غلام بھی نا بالغ لڑکے کو کہتے ہیں۔ (لسان العرب) حضرت یوسف ؑ جب کنوئیں میں ڈالے گئے تو اسوقت اُن پر غلام کا لفظ بولا گیا۔ هٰذَا غُلٰمٌ (یوسف پ۱۲) اور حضرت خضر ؑ نے جس لڑکے کو قتل کیا اُسکو بھی غلام کہا گیا ہے۔ اور اِن دونوں لڑکوں کو بھی غُلٰمَيْنِ کہا گیا ہے اِن واقعات کے وقت یہ سب نابالغ تھے

۱۵۲ كَنْزٌ لَّهُمَا اِس کنز (خزانہ) کے متعلق قرآن وحدیث میں تصریح نہیں ہے۔ کہ وہ کس جنس سے تھا۔ آیا مال کی جنس سے تھا۔ یا نصیحت وہدایت کے مکتوبات کی جنس سے، اسلئے ہم معین نہیں کر سکتے،

۱۵۳ وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا اِس سے معلوم ہوا اللہ تعالےٰ کو صلاحیت اسقدر پسند ہے کہ وہ صالحین کے مال واولاد ہر دو کی حفاظت حکم تکوینی سے کرتا ہے۔ اور اُنکو ظالموں کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اللھم احفظنی

۱۵۴ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ یعنے یہ سلوک خدا تعالےٰ کی مہربانی سے ہوا۔ اِستحقاق کی وجہ سے نہیں۔

۱۵۵ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِىْ، ہٗ ضمیر واحد ہے۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ اِسی ایک اخیری واقعہ کے لئے ہو۔ اور ہو سکتا ہے کہ اِن تینوں واقعات کے لئے ہو یعنے كُلّ وَّاحِدٍ مِّنْ هٰؤُلَاءِ،

جو لوگ حضرت خضر ؑ کی نبوت کے قائل ہیں۔ وہ منجملہ انکی نبوت کے اَور دلائل کے ایک یہ دلیل بھی پیش کرتے ہیں۔

۱۵۶ تَسْطِعْ اصل میں تَسْتَطِعْ تھا۔ اِس مقام پر سؔ اور طؔ کے درمیان سے تؔ ساقط ہے۔ اِسی طرح اگلے رکوع میں ذو القرنین کے قصے میں فَمَا اسْطَاعُوْٓا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ میں بھی اِسْطَاعُوْا اصل میں اِسْتَطَاعُوْا تھا۔ اور یہاں بھی تؔ

فوائد متفرقہ

فائدہ نمبر ۱ - شیخ بالی افندی رحہ نے شرح فصوص الحکم میں کہا ہے، کہ مروی ہے۔ کہ حضرت خضر نے "وہ شیخ محی الدین ابن عربی رحہ کو کشف میں فرمایا، کہ میں نے موسےٰ ع کے لئے ہزار مسئلہ ایسا تیار رکھا تھا جو" "اُن پر انکی ولادت کے دن سے میری ملاقات کے دن تک وارد ہوا۔ لیکن ان کو انکا کوئی علم نہیں تھا"۔ "پس موسےٰ ع نے اُن میں سے تین پر بھی صبر نہ کیا۔ پس شیخ اکبر رح نے حضرت خضر ع سے اُن ہزار مسائل کی" "تفصیل پوچھی، تو حضرت خضر ع نے اُن کو بتادی۔ لیکن شیخ اکبر رح نے وہ باتیں بلحاظِ ادب ذکر نہیں کیں"۔
یہ بات کہ حضرت خضر ع کے پاس حضرت موسےٰ ع کے متعلق کچھ اور باتیں بھی تھیں صحیح بخاری کی محولہ بالا حدیث سے بھی معلوم ہو سکتی ہے۔ چنانچہ اُس کے ختم پر آنحضرت ص کے یہ الفاظ ہیں:-

وَدِدْنَا اَنَّ مُوْسٰی كَانَ صَبَرَ حَتّٰی يَقُصَّ اللّٰهُ مِنْ خَبَرِهِمَا (کتاب التفسیر)	ہماری خواہش ہے۔ کہ حضرت موسیٰ صبر کرتے تو اللہ تعالیٰ اُن کی (اور) باتیں (بھی) بیان کرتا۔

اور فتح الباری کے حوالہ سے سابقاً صفحہ پر گذر چکا ہے۔ کہ رسول اللہ ص نے فرمایا:-
"خدا ہم پر بھی اور موسےٰ پر بھی رحم کرے۔ اگر وہ جلدی نہ کرتے تو عجب عجب باتیں دیکھتے۔ لیکن ان کو" "اپنے صاحب یعنے خضر ع سے شرم آگئی۔ کہ کہا اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصَاحِبْنِي"۔ [illegible]
اِن ہر دو احادیث سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ واقعات اور بھی تھے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

فائدہ نمبر ۲ - واقعاتِ خضریہ اور واقعاتِ موسویہ کی مناسبت میں جو کچھ بیان ہوا ہے۔ اس سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے واقعات کونیّہ یعنے وہ اُمور جو اللہ تعالیٰ کے امر تکوینی[1] کے ماتحت ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کے ارادہ خاص کے ماتحت واقع ہوتے ہیں جنمیں کئی قسم کی مصلحتیں ہوتی ہیں۔ چنانچہ موسےٰ ع کو عہدۂ نبوت پر سرفراز فرمانے کے وقت انکو فرمایا:-

قَالَ لَقَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى ۝ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى ۝ اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ مَا يُوْحٰى ۝ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۥ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝	فرمایا، اے موسیٰ تمہاری درخواست منظور اور ہم تم پر احسان کر چکے ہیں ایک اور بار بھی جب ہمنے تمہاری ماں کو الہام کیا۔ جواب تم پر وحی کیا جاتا ہے کہ اسکو صندوق میں ڈال پھر اُس (صندوق) کو دریا میں ڈالدے پس ڈالدے اسکو وہ دریا کنارے پر، (جہاں سے) اٹھالے اسے دشمن میرا اور دشمن اسکا یعنے فرعون، اور (اے موسیٰ اس حال میں) یعنے تجھپر اپنی محبت ڈالدی (کہ تو سب کو پیارا لگے) اور اسلئے کہ تو

[1] یعنے حکم تکوینی۔ [illegible]

إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ مَنْ يَكْفُلُهُ ۖ فَرَجَعْنَاكَ إِلَىٰ أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَا مُوسَىٰ ۝ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي ۝ (طٰہٰ پ ١٦)

جب چلی تیری بہن (تیرے صندوق کے پیچھے پیچھے) تو کہنے لگی کیا میں بتاؤں تمکو ایسے لوگ جو اِس (بچے) کی کفالت کریں۔ پس (اِس تدبیر سے) لوٹا یا ہمنے تجھکو تیری ماں کی طرف تاکہ ٹھنڈی ہو آنکھ اُسکی اور وہ جُدائی کا) غم نہ کرے۔ اور قتل کیا تو نے ایک شخص کو (قبطیوں میں سے) پس نجات دی ہمنے تجھکو (اسکی پاداش کے) غم سے اور آزمائش میں ڈالا ہمنے تجھے (کئی بار) (لیکن سب میں انجام بخیر کرتے رہے) پھر تو ٹھیرا رہا کئی سال تک اہل مدین میں اس کے بعد تو اب اس اندازے پر پہنچا ہے (جو تیرے لئے مقرر تھا) (مختصر یہ کہ) ہمنے تجھ

سورتِ طٰہٰ کی اِن آیات میں ایک ایک بات کو جو خدا تعالےٰ نے موسےٰ کو جتائی ہے۔ غور سے دیکھو کہ کس طرح سے ہر ایک میں خدا تعالےٰ کی خصوصی عنایت جلوہ افروز ہے۔ اور کس مہربانی اور پیار سے خدا تعالےٰ وہ باتیں موسیٰ کو جتا رہا ہے ؏

موسیٰؑ کی خدا تعالےٰ سے یہ درخواستیں تھیں :-

شرحِ صدر۔ لکنت کی دوری۔ امرِ تبلیغ میں توفیق و آسانی۔ ہارونؑ کو نبی بنا کر ساتھ کرنا۔ اِن سب باتوں کی منظوری کی خوشخبری دینے کے بعد مذکورہ بالا احسانات جتلانے سے یہ مقصود ہے۔ کہ تم پر ہماری نظرِ عنایت آج سے نہیں جب تمکو رسالت بخشی ہے اور اُسکی انجام دہی کی ضرورتوں کیلئے تمنے یہ درخواست کی ہے بلکہ تمہاری پیدائش کے دن سے

حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری (کتاب التفسیر) میں حضرت موسےٰؑ اور حضرت خضرؑ کے قصّے والی حدیث کے ضمن میں حسب عادت چند فوائد ذکر کئے ہیں جن کا ترجمہ حسب ذیل ہے :-

فائدہ نمبر ۳۔ اِس حدیث میں چند فوائد ہیں۔ سوا اُن کے جو سابقاً ذکر ہو چکے، علم کی زیادتی کی "خواہش کا پسندیدہ امر ہونا۔ اور اس کے حاصل کرنے کیلئے سفر کرنا۔ اور بزرگوں کی ملاقات۔ اور اِس میں شقتوں کا برداشت کرنا۔ اور اِس میں تابعداروں کی مدد کا حاصل کرنا۔ اور لفظ فَتٰی کا استعمال تابع و پیرو کے لئے اور دلوقت ضرورت کسی آزاد سے خدمت کا لینا۔ اور خادم کا اپنے مخدوم کی فرمانبرداری کرنا اور بھولنے والے کا عذر و معذرت، اور کسی غیر مسلم سے ہبہ (وغیرہ احسانی سلوک) کا قبول کرنا۔ حافظ صاحبؒ نے اِسکے بعد حضرت خضرؑ کی نبوّت کا ذکر کیا ہے۔ جسے ہم انشاء اللہ فائدہ نمبر ۴ میں بیان کرینگے۔ ذکر نبوّت کے بعد حافظ صاحبؒ نے فوائد کے ضمن میں یہ بھی فرمایا ہے :-

" لیکن جسنے اِس سے دلیل پکڑی بہت شدید ضرر کو خفیف ضرر سے ہٹا لینے پر اور بعض منکر کاموں "
" پر خشم کرنے پر اِس خوف سے کہ (مبادا) اِس سے زیادہ سخت (منکر) امر پیدا ہو جائے۔ اور بعض مال کے "
" نقصان پر واسطے بڑے مال کی اصلاح کے، مثلاً جانور کو موٹا کرنے کے لئے خصی کر دینا اور پہچان "
" اور تمیز کے لئے اُسکے کان کاٹ دینا۔ اور یتیم کے ولی کا سلطانِ وقت سے یتیم کے کسیقدر "
" مال پر مصالحت کر لینا۔ بخوف اِسکے کہ سارا نہ لے لیا جائے۔ پس یہ (سب کچھ) درست ہے لیکن "
" (صرف) اُن امور میں جو منصوصِ شرع کے خلاف نہ ہوں۔ پس نہیں جائز ہے۔ اقدامِ قتل "
" اُس شخص کا جس سے متوقع ہو بہت سی جانوں کا قتل کر دینا پیشتر اِس کے کہ اُس سے سرزد "
" ہو کوئی ایسی حرکت اور خضرؑ نے تو صرف اسلئے کیا تھا کہ خدا تعالےٰ نے اُن کو اِسکی بابت "
" اطلاع دیدی تھی۔ (کتاب التفسیر) "

فائدہ نمبر ۴

۔ خضرؑ نبی تھے۔ یا ولی۔ ہر دو طرف علما کی ایک جماعت گئی ہے۔ چونکہ ہم اُنکو نبی ماننے والوں سے متفق ہیں۔ اِسلئے ہم فتح الباری میں سے اِس امر کے دلائل بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن حجر رح فرماتے ہیں:۔

" (امام) قرطبیؒ نے کہا وہ (خضرؑ) جمہور (علماء) کے نزدیک نبی ہے۔ اور آیت (قرآنی) "
" اُسکی شہادت دیتی ہے۔ کیونکہ نبی اللہ اپنے سے کمتر سے علم حاصل نہیں کر سکتا۔ اور نیز اسلئے کہ "
" باطن کے حکم پر سوائے انبیاء اللہؑ کے کوئی مطلع نہیں ہو سکتا" (انتہی مترجماً) (کتاب الانبیاء)

اور کتاب التفسیر میں یوں فرمایا:۔

" اِس سے اِسبات پر استدلال کیا گیا ہے۔ کہ خضرؑ نبی ہیں۔ اور اِسکی کئی وجوہ ہیں۔ (جنپر پہلے اِس "
" سے پیشتر (کتاب الانبیاء میں) آگاہ کیا ہے۔ اور (قول خضرؑ) وَمَا فَعَلْتُهُ عَنْ اَمْرِيْ سے یعنے "
" یہ بات از خود نہیں کی" اور موسیٰؑ رسولِ خدا کا خضرؑ کا پیرو ہونے سے تاکہ اُن سے علم حاصل "
" کریں۔ اور (نیز) اِس سے کہ اُن کو مطلقاً اُس (موسیٰؑ) سے زیادہ علم والا کہا گیا ہے۔ اور ایک جان کے "
" قتل کا اقدام کرنے سے بوجہ اُس کے جسکی بعد میں تشریح کیگئی۔ اور اِس کے سوا اور دلائل "
سے بھی " (شرح کتاب التفسیر) انتہی مترجماً:

فائدہ نمبر ۵

۔ حضرت خضرؑ زندہ ہیں یا فوت شدہ

اِس امر میں بھی علما دونوں طرف گئے ہیں حافظ ابن حجر رح فتح الباری میں فرماتے ہیں:۔

" (محدث) ابن الصلاح نے کہا۔ کہ وہ جمہور علما کے نزدیک (خضرؑ) زندہ ہیں۔ اور (اسمیں) "
" عوام بھی اُن کے ساتھ ہیں۔ اور صرف بعض محدثین انکار کے ساتھ الگ ہوئے ہیں اور "

" امام نووی رحنے بھی امام ابن صلاح رح کی پیروی کی ہے۔ اور یہ بات زیادہ ذکر کی ہے۔ کہ "
" یہ امر صوفیہ اور اہل صلاحیت میں متفق علیہ ہے۔ اور اُن کے حضرت خضرؑ کو دیکھنے اور اُس سے "
" ملاقات کرنے کی حکائتیں اِس سے زیادہ ہیں کہ گنی جاسکیں۔ (انتہٰی)

پھر اِسکے بعد اُن محدثین کا ذکر کر کے جو اُنکی زندگی کے قائل نہیں ہیں۔ اُن کی طرف سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے اپنی حیاتِ طیبہ کے آخری ایام میں فرمایا تھا۔ کہ نہیں باقی رہیگا۔ کوئی بھی روئے زمین پر بعد ایک سو سال کے اُن میں سے جو آج اُسپر موجود ہیں (صحیح مسلم) پھر قائلین کی طرف سے اُسکا جواب یہ ذکر کیا ہے۔ کہ حضرت خضرؑ اُسوقت (پشتِ زمین پر نہیں بلکہ) سطح بحر پر تھے۔ اور نیز یہ کہ وہ اِس حدیث سے مستثنےٰ ہیں جس طرح کہ ابلیس بالاتفاق مستثنےٰ ہے ؛

حافظ صاحب رحنے اِسکے بعد قائلین حیات اور غیر قائلین ہر دو گروہ کے نقلی دلائل بیان کئے ہیں اور دیکھنے والوں اور ملاقات کرنے والوں کی بہت سی حکایات ذکر کی ہیں۔ اور ہر دو فریق کے دلائل پر حسبِ عادت جرح بھی ساتھ ساتھ کرتے گئے ہیں۔ اور صرف دو روایتوں کو سالم رکھا ہے ؛

اول یہ کہ ریاح بن علیدہ رح کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو عمر بن عبد العزیز رح کے ساتھ اُس کے دونوں ہاتھوں پر اعتماد کرتے ہوئے چلتے دیکھا۔ جب وہ لوٹ گیا تو میں نے کہا یہ شخص کون تھا۔ عمر بن عبد العزیز رح نے کہا۔ کیا تونے اُسے دیکھا ؟ میں نے کہا " ہاں " اُسنے کہا حَسِبْتُ رَجُلًا صَالِحًا وہ میرا بھائی خضر تھا اُسنے مجھے بشارت دی کہ میں عنقریب خلیفہ ہونگا۔ اور عدل بھی کرونگا ؛

اِسپر حافظ رح کہتے ہیں :۔

اِسکے راوی بے خطر (جرح) ہیں اور مجھے اِس وقت تک کوئی خبر یا اثر جید سند کے ساتھ اس کے سوا معلوم نہیں ہوئی۔ اور یہ اُس سو سال والی حدیث کے معارض نہیں ہے۔ کیونکہ یہ واقعہ سو سال (گذرنے) سے پیشتر کا ہے ؛

دوسری روایت ابن عساکر کی بیان کی ہے۔ اور اِسکی سند کو **صحیح** کہا ہے :۔

" ابو زرعہ رازی رح کے ترجمہ میں ابن عساکر نے صحیح سند کیساتھ بیان کیا کہ اُس نے اپنی جوانی کی عمر میں ایک شخص کو دیکھا جسنے مجھے امرا (حکام) کے دروازوں پر لگے رہنے سے منع کیا۔ پھر میں نے اُسے اُسی پہلی حالت پر اپنی اُس عمر میں دیکھا۔ جبکہ میں شیخ کبیر (بہت بوڑھا) ہوگیا تھا۔ پھر بھی اُسنے مجھے اِس بات سے منع کیا۔ پس میں متوجہ ہوا کہ اُس سے کلام کروں۔ تو میں نے اُسے نہ دیکھا۔ پس میرے جی میں یہ واقع ہوا۔ کہ یہ خضر ہیں۔ اِسکے بعد اور بھی حکایات لکھی ہیں۔

غرض اہل باطن تو بالاتفاق حضرت خضرؑ کی زندگی کے قائل ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ وہ اُن لوگوں میں سے ہیں جنکو خدا تعالیٰ نے لمبی عمریں دی ہیں (مثلاً عیسےٰؑ وغیرہ) اور اہل ظاہر میں سے جمہور علماء متقدمین بھی انکے ساتھ ہم آواز ہیں لیکن زمانہ حال میں کہ تمام اہل صلاحیت "عنقا صفت" ہیں اور اہل ظاہر میں سے بھی باطن کی صفائی والے خال خال نظر آتے ہیں، علمائے اہلحدیث کی عام رائے یہی ہے کہ حضرت خضرؑ فوت شدہ ہیں قطعی دلیل کسی طرف بھی نہیں اسلئے کسی فریق کو بالیقین صحت پر یا غلطی پر نہیں کہہ سکتے۔ باقی رہی میری اپنی ذات سو ہر چند کہ اُس گروہ سے ہر وصف میں کمتر ہوں۔ جسکی شکایت کر رہا ہوں۔ لیکن دِل اہل صلاحیت کیساتھ ہے۔ جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

لَعَلَّ اللّٰہَ یَرْزُقُنِیْ صَلَاحًا	اُحِبُّ الصَّالِحِیْنَ وَلَسْتُ مِنْھُمْ

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَيْنِ [۱۵۷] ط قُلْ سَاَتْلُوْا [۱۵۸]

اور (اے پیغمبر!) پوچھتے ہیں تجھ سے ذوالقرنین کی بابت تو کہہ ابھی پڑھونگا میں

عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا [۱۵۹] (۸۵)

تمپر اُس کا (کچھ) ذکر ؀۸۵

۱۵۷ وَیَسْـَٔلُوْنَكَ: امام رازی رحمہ نے کہا کہ ہم اِس سورت کی تفسیر کے شروع میں ذکر کر آئے ہیں کہ یہود نے مشرکین مکہ کو کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے قصے اور روح کی حقیقت کی بابت سوال کریں پس خدا تعالیٰ کے قول وَیَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ سے وہی سوال مراد ہے (اور اسی لئے اُس کے ابتدا میں واوِ عاطفہ لائی گئی ہے۔ کہ یہ عطف ہے پہلے یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ پر جو سورت بنی اسرائیل ۱۵ میں مذکور ہے)۔

۱۵۸ سَاَتْلُوْا، کا سِین استقبال قریب کے لئے ہے۔ اِسی لئے ہمنے اِسکا ترجمہ اسکے مناسب "ابھی پڑھونگا" کیا ہے۔ اِسکے بعد متصلاً اِس قصے کی تفصیل مذکور ہے۔ پس یہ تفصیل لفظ سَاَتْلُوْا کے نزول کے بعد ہونے کی وجہ سے زمانہ مستقبل میں نازل ہوئی۔ فافہم۔

۱۵۹ **ذوالقرنین کون تھا؟** مفسرین کے اِس میں اِتنے قول ہیں کہ اُن کا بیان ناظرین کیلئے موجب پریشانی ہوگا۔ (۱) شیخ شیخنا حضرت نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ امام سہیلی رحمہ نے کہا کہ علم تاریخ کے رُو سے ظاہر ہے۔ کہ ذوالقرنین دو ہوئے ہیں۔ ایک حضرت ابراہیمؑ کے عہد میں تھا۔ اور دوسرا حضرت عیسےٰؑ کے عہد سے قریب (پہلے) تھا۔ پھر کہا ہے۔ کہ حافظ ابن کثیر رحمہ نے سہیلی کے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ (مترجمہ فتح البیان ج ۲۲۳)

(۲) امام رازی رح کا اپنا رُجحان اِس طرف ہے۔ کہ اِس سے مراد اسکندر بن فیلقوس یونانی ہے۔
اُستاذ نا مکرّم حضرت مولٰنا[1] رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے۔ کہ امام رازی رح کا یہ قول درست نہیں (حالانکہ آپ امام رازی رح کے نہایت مدّاح تھے) کیونکہ سکندر یونانی کافر وبُت پرست تھا۔ اُسکا اُستاد اور وزیر ارسطو تھا۔ اور وہ بھی کافر وبُت پرست تھا۔ لیکن ذوالقرنین جس کا ذکر قرآن کرتا ہے۔ نبی تھا یا کم از کم مردِ صالح صاحبِ الہام تھا۔

(۳) مولٰنا ابوالکلام نے ترجمان القرآن میں بے ضرورت اور بے سُود ورقوں کے ورق سیاہ کر ڈالے اور آخر ایک بُت کی تصویر اوراقِ قرآن میں ضم کردی ہے۔ جو نہایت جرأت کا کام ہے۔ بُت یا تصویر اُس شئے کی شخصیت کی شہادت نہیں دے سکتی جِسکی وہ یادگار ہے۔ ہو سکتا ہے کہ مولٰنا کا اپنا فہم ہو یا لوگوں نے اُسے وہ نام دیدیا ہو۔ پھر یہ کہ مولٰنا نے سائرس کے ذوالقرنین بنانے میں جسقدر زور دیا ہے۔ اُسکی وقعت آپ کی خیال آرائی سے زیادہ نہیں ہے۔ کسی خاص شخص کی شخصیّت کے معین کرنے میں ایسے قیاس فیصلہ کُن نہیں ہوسکتے۔ پھر یہ کہ مولٰنا کے اِن سب قیاس آرائیوں کی بِنا آپ کی طول کلامی پر ہے۔ جو اُنکی ہر تصنیف کے صفحے صفحے میں موجود ہوتی ہے۔ اور آپ کی ابوالکلامی کا کمال اسی تکرار وطول نویسی اور ایک بات سے دوسری میں نکل جانے میں ہے۔ باقی خیر ہمارا خیال ناقص یہ ہے۔ کہ جسے قرآن نے معیّن نہیں کیا۔ اور رسول اللہ ص نے بھی اُس کا پتہ بالصراحت نہیں بتایا اور پرُانی تاریخ قابلِ وثوق بالکل نہیں ہے۔ تو ہمیں اس میں دماغ سوزی کی کیا حاجت۔ ذوالقرنین کے قصّے کو آنحضرت ص کی دعوتِ توحید اور تعلیمِ اعمالِ صالحہ اور عدل گستری اور مُفسدوں اور فتنہ انگیزوں کی ترسی مخلوقِ خدا کی حفاظت سے جو کچھ تعلق تھا۔ قرآن نے اُسے موعظت وعبرت کیلئے نہایت خوش اسلوبی سے بیان کر دیا ہے۔ اِسی لئے اسجگہ ذِکْرًا کو بتنوینِ تنکیر ذکر کیا جو بمعنے تبعیض ہے یعنے "اُسکا کچھ ذکر" یعنے اتنا ذکر جسے میرے منصب اور میرے فرائضِ نبوّت سے تعلّق ہے تمکو سُنا دونگا۔ پس قرآن کے اصل مقصد کو نگاہ رکھنا چاہیئے اور غیر ضروری اُموریں ٹکرا پنا اور اپنے ناظرین کے اوقات واذہان کو ضائع و پریشان نہ کرنا چاہیئے۔ واللہ الہادی۔

ذُوالقرنین کی وجہ تسمیہ | اِسی طرح اس بات کی تفصیل کہ اِس صالح بادشاہ کا نام ذوالقرنین کیوں پڑا اِس میں بھی پریشان کُن مختلف اقوال ہیں اور اُنمیں بھی خدا تعالےٰ اور اُسکے رسول پاک صلعم کے قول سے کوئی نہیں ہے لہٰذا اس سے بھی سکوت بہتر ہے۔ اِس عاجز کے نزدیک اُسکا نام ہی یہی تھا۔ بدلیل قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ (تفسیر دحیز)

---

[1] اِس ذات گرامی سے مراد حضرت مولٰنا ابو عبداللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹی ہیں۔ جنکو حدیث کی سند حضرت نواب صاحب مرحوم سے تھی۔ عالم باعمل اور پُورے مُتبع سُنّت اور تعبّد واستغنا اور اخلاقِ حسنہ کی وجہ سے محبوب کل تھے۔ یو رنی ۱۹۱۸ سنہ عیسوی میں سیالکوٹ میں فوت ہو گئے رحمۃ اللہ ۱۲

ذوالقرنین نبی تھا یا نہیں ۱۶۰ اِس میں بھی علماء کا ایک گروہ اُنکی نبوّت کا قائل ہے۔ دوسرا محض ولایت کا، اور ظاہر ہے۔ کہ جہاں پر قرآن و حدیث کی تصریح نہیں وہاں پر اختلاف کا ہونا بعید نہیں اور اِسکے بعد اُس اختلاف میں فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے۔ قائلین کہتے ہیں۔ کہ اُسپر خدا کی وحی قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ قرآن میں مذکور ہے۔ اور اُس میں امر بھی ہے اور نہی بھی۔ بہر حال صحیح علم خدا کو ہے۔ اور اُسکے صاحبِ الہام اور صالح و عادل اور خیر خواہِ مخلوقِ خدا ہونے میں شک نہیں ہے۔

اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ وَاٰتَيْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا (۸۶)

تحقیق ہمنے اختیار بخشا اُسکو زمین میں اور دیا ہمنے اُسکو ہر شے میں سے (کچھ کچھ) سامان ۸۶

ف ۱۶۰ اِنَّا بصیغہ جمع اپنی جلالت کے لحاظ سے فرمایا کہ ہمنے اپنی شانِ عظمت و جلالت سے اُسکے لئے ہر طرح کے اسباب مہیا کردیئے تھے۔

ف ۱۶۱ مَكَّنَّا لَهٗ تمکین کے معنے اختیار و قدرت اور زور و حکمرانی بخشنے کے ہیں (منتہی الارب) یہ فعل لام کیساتھ اور بغیر لام کے ہر دو طرح مستعمل ہے۔ آیت استخلاف میں فرمایا:۔ (وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمْ (النور پ ۱۸) نیز فرمایا الَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ الآیہ (حج پ ۱۷)

ف ۱۶۲ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا اِس سے یہ مراد ہے کہ جن اسباب کی ذوالقرنین کو اپنے ضروری مقاصد کے لئے ضرورت تھی۔ اُن میں سے ہمنے اُسکو کچھ کچھ عنایت کردیا تھا۔ ایسے اِسلئے فرمایا کہ ہر شے کا کلی احاطہ خاصۂ خداوندی ہے۔ اِنسان ہو خواہ جن ہو، فرشتہ ہو، بادشاہ ہو، نبی ہو، ولی ہو، فلاسفر ہو، پہلوان ہو، دستکار و کاریگر ہو۔ دین کا عالم ہو۔ دنیا کا ہو۔ غرض کسی کمال کا صاحب ہو۔ اوّل تو اُسکی یہ بات ہے کہ اُسکا یہ کمال ذاتی نہیں۔ بلکہ خدا کی داد ہے۔

دوم یہ کہ وہ قابلیت اُسکو ایک دو امروں میں حاصل ہوتی ہے۔ تمام امور میں نہیں ہوتی۔ سوم یہ کہ اُن ایک دو امروں میں بھی حقیقی کمال نہیں ہوتا۔ بلکہ اُسکی ضروریات کی مناسب حد تک حاصل ہوتا ہے۔ قرآن شریف میں یہ نکتہ عام طور پر خصوصیت سے ملحوظ ہے۔ ملاحظہ ہوں آیات ذیل:۔

علم کی نسبت فرمایا:۔ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ (آیت الکرسی پ ۳) یعنے نہیں گھیر سکتے خدا کے معلومات میں سے مگر بقدر اُسکے جو خدا چاہے۔ نیز فرمایا:۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ (یوسف پ ۱۳) یعنے ہر صاحب علم سے فائق تر دوسرا صاحب علم ہے۔

اور شاہی اقتدار کی نسبت سلیمانؑ کی زبانی ذکر فرمایا۔ وَاُوْتِيْنَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (نمل پ ۱۹) یعنے ہمکو خدا تعالےٰ نے (شایانِ بادشاہی کی) ہر شے میں سے کچھ کچھ عنایت کیا ہے۔

اسی طرح بلقیس کے بیان میں ہُدہُد کی رپورٹ میں ذکر کیا۔ وَاُوْتِیَتْ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ (نمل پ ۱۹) یعنے خدا نے اُس شہزادی کو (سامانِ بادشاہی کی) ہر شئے میں سے کچھ کچھ دیا ہے۔

اور حضرت موسےؑ اور حضرت خضرؑ کے بیان میں ف ۶۶ پر حاشیہ ۱۲۷ کے ضمن میں آپ پڑھ آئے ہیں کہ حضرت خضرؑ نے کہا کہ اے موسیٰؑ میرا اور تمہارا اور جملہ مخلوق کا علم خدا کے علم کے سامنے اتنا ہے جتنا اس چڑیا نے اپنی چونچ ڈبو کر پانی لیا۔

حاصل کلام یہ کہ ہر شئے کا احاطہ کلی کیا از روئے اختیار و قدرت اور کیا از روئے علم و خبرت خاصۂ خداوندی ہے جیسا فرمایا لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا (الطلاق پ ۲۸)

تاکہ تم جان لو کہ بیشک اللہ ہر شئے پر قدرت رکھتا ہے۔ اور یہ بھی (جان لو) کہ خدا تعالےٰ نے ہر شئے کو اپنے علم سے بھی گھیر رکھا ہے۔

قرآن شریف کے اس نکتہ کو نگاہ میں رکھنے سے آدمی شرک میں نہیں پڑ سکتا۔ اور اسکی جان مخلوق پرستی کی آفت سے بچ جاتی ہے۔ کیونکہ جب خدا کے سوا کلی قدرت اور کلی علم کسی کو نہیں تو کسی غیر کی عبادت کیوں کیجائے۔

فَاَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۸۷﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ (۱۶۴) وَجَدَهَا

پس دَر پے ہوا وہ سامان کے (۱۶۳) (اور چلتا رہا) حتےٰ کہ جب پہنچا سورج ڈوبنے کے مقام (پر) تو معلوم کیا

تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ﴿۸۸﴾

اُسے ڈوبتا ہوا بیچ چشمے کیچڑ والے کے اور پایا نزدیک اُس (چشمہ) کے ایک قوم ۸۸

۱۶۳ فَاَتْبَعَ سَبَبًا۔ اس رکوع میں ذوالقرنین کی تین بڑی مہموں کا ذکر ہے۔ پہلا مغرب کی طرف کا تھا۔ سو یہ اُسکا بیان ہے۔

۱۶۴ مَغْرِبَ الشَّمْسِ۔ زمین کُروی ہے۔ یا مُسَطَّح، قدیم زمانہ میں زیر نزاع رہا۔ لیکن زمانۂ حال میں اُسکے کُروی ہونے پر تمام جہان کا اتفاق ہے۔ پہلے زمانہ میں بھی جب سے علوم عقلیہ زبان عربی میں ترجمہ ہوئے ائمہ مسلمین کا اِسکے کُروی ہونے پر اتفاق رہا ہے۔ چنانچہ حافظ ابن حزم قرطبی رح جو جامعیتِ علوم میں اسلامی دنیا میں اپنے پہلے اور اپنے پیچھے سوائے شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رح کے کوئی نظیر نہیں رکھتے۔ اپنی مایۂ ناز کتاب الفصل میں فرماتے ہیں:-

"وہ ائمۂ مسلمین میں سے جو بھی امامتِ علم کے نام کا مستحق ہے۔ اُن میں سے ایک نے بھی زمین کے"
"کُروی ہونے سے اِنکار نہیں کیا۔ اور اُن میں سے ایک (امام) سے بھی اِسکی ردّ میں ایک کلمہ بھی"
"ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ قرآن وحدیث کی براہین اِسکے کُروی ہونے کی بابت وارد ہیں۔ چنانچہ فرمایا"
"یُکَوِّرُ الَّیْلَ عَلَی النَّهَارِ وَیُکَوِّرُ النَّهَارَ عَلَی الَّیْلِ یعنے لپیٹتا ہے۔ خدا رات کو اُوپر دن کے"

"اور لپیٹتا ہے دن کو اوپر رات کے" اور یہ ایک دوسرے کو لپیٹنے کا نہایت واضح بیان ہے۔ اور"
"یہ محاورہ لیا گیا ہے دستار (پگڑی) کے پیچوں سے اور وہ مدّور یعنے گول ہوتے ہیں۔ اور یہ دلیل"
"زمین کی تکویر پر نص ہے۔ (انتہی مترجماً (جلد ۲ صفحہ ۹۵)

اسی طرح امام رازی رحمہ اسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ ثَبَتَ بِالدَّلِیْلِ اَنَّ الْاَرْضَ کُرَۃٌ (جلد ۵ صفحہ ۵۲) یعنے یہ بات دلیل سے ثابت ہو چکی ہے۔ کہ زمین کُرہ (گول) ہے۔

سوال ۔ جب زمین گول ہے تو یہ کیسے متصور ہو سکتا ہے۔ کہ ذوالقرنین سُورج کے ڈوبنے کی جگہ پر جا پہنچا کیونکہ سُورج زمین سے ہزارہا میل اوپر آسمان پر ہے۔ تو جب ہم زمین کے ایک مقام سے مشرق کو یا مغرب کو سیدھے چلتے جائیں تو ہماری روش دائرے کی صورت میں ہوگی۔ پس ہم جس مقام سے چلے تھے۔ پُوری گردش کے بعد اُسی مقام پر آ جائینگے۔ اِس صورت میں ہمارا مشرق یا مغرب روزمرہ وہی ہوگا۔ جہاں پر ہمکو سورج چڑھتا یا ڈوبتا نظر آئیگا۔ ورنہ حقیقت میں نہ سورج ڈوبتا ہے۔ اور نہ چڑھتا ہے۔ اور نہ زمین پر اُسکے ڈوبنے کی کوئی جگہ ہے[۱]۔ پھر کیوں کہا کہ ذوالقرنین سورج کے ڈوبنے کی جگہ پر جا پہنچا۔

دیگر یہ کہ سورج ساری زمین سے بھی کئی لاکھ درجے بڑا ہے۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ایک چشمہ میں جس کی مقدار زمین کے مقابلہ میں بھی قابل ذکر نہیں ڈوب گیا۔

اسکا جواب امام رازی رح نے ایک یہ دیا ہے۔ کہ

"زمین کی مغربی جانب میں ایسے مقامات ہیں جو بحر محیط (اوقیانوس) سے گھرے ہوئے ہیں پس سورج کی طرف"
"دیکھنے والا خیال کرتا ہے۔ کہ وہ اُن سمندروں میں ڈوبتا ہے۔ اور اِس میں شک نہیں۔ کہ بحارِ غربیہ نہایت درجے"
"کے گرم ہیں۔ اور وہاں دلدلیں بھی بہت ہیں۔ کیونکہ وہاں کالے کیچڑ کی بہت کثرت ہے۔ پس خدا تعالےٰ کے قول"
"تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَۃٍ میں اِس بات کا اشارہ ہے۔ کہ زمین کی مغربی جانب کو بحر (محیط) نے گھیرا ہوا ہے۔ اور"
"وہ جگہ نہایت گرم ہے۔ (انتہی مترجماً)

اور حافظ ابن حزم رح یوں فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالےٰ نے ہمسے عربی زبان میں خطاب کیا ہے (جب حسب تصریح قرآن جس میں باطل کو نہ آگے"
"سے دخل ہے۔ نہ پیچھے سے) ہمکو یقین ہو گیا۔ کہ وہ (ذوالقرنین کیلئے سورج کے ڈوبنے کی جگہ) ایک چشمہ تھا تو"
"ہمکو بالیقین معلوم ہو گیا۔ کہ ذوالقرنین کا سفر جو مغرب کی طرف ہُوا۔ وہ اُس مذکورہ چشمہ پر جا کر ختم ہو گیا اور"
"اس کے بعد اُسکے لئے چلنا ناممکن ہو گیا۔ بوجہ اُس جگہ بحارِ (مغربیہ) کے آڑے آجانے کے اور ہم یہ"

---

[۱] حدیث میں جو اُسکے ڈوبنے کی جگہ تحت عرش بتائی گئی ہے۔ ہمارا بیان اُس کے خلاف نہیں کیونکہ ہم زمین کی نفی کر رہے ہیں۔ نہ کہ تحت عرش کی۔ فافہم ۱۲ منہ

بالضرورت جانتے ہیں کہ ذوالقرنین وغیرہ انسان زمین میں سے اپنے جسم کی مساحت کے برابر ہی مقام لے "
" سکتے ہیں خواہ کھڑے ہوں خواہ بیٹھے خواہ لیٹے اور جس ہستی کی یہ صفت ہو اسکی آنکھ تمام مغارب کا احاطہ "
" نہیں کرسکتی اگر سورج کا غروب زمین کے ایک چشمہ میں ہو۔ (ص۱۰۲ جلد ۲) "

اور لفظ عَيْنٍ حَمِئَةٍ کی بابت ص۱۰۱ میں فرماتے ہیں:۔

" اُسوقت ذوالقرنین خود ایسے دلدل میں تھا جس کا پانی گرم تھا۔ وہ چشمہ بوجہ کیچڑ کے دلدل تھا۔ اور "
" بوجہ حرارت کے گرم تھا۔ جیسے کہ تو کہے رَأَيْتُكَ فِي الْبَحْرِ جبکہ تیرا یہ ارادہ ہو کہ تونے اُسے اُسوقت "
" دیکھا جب تو خود سمندر میں تھا "

حاصل کلام امام رازیؒ اور حافظ ابن حزمؒ کے جواب کا ایک ہی ہے۔ کہ ذوالقرنین مغرب کی طرف چلتے چلتے ایک ایسے مقام پر پہنچا۔ کہ دلدل کی وجہ سے وہاں سے آگے چل نہیں سکتا تھا۔ پس اُسنے سفر وہیں ختم کردیا۔ اور چونکہ وہ پانی اور کیچڑ اتنی فراخی میں تھا۔ کہ خشکی کا کنارہ نظر نہیں آسکتا تھا۔ اِسلئے اُسکو غروب شمس کے وقت یہی نظر آیا کہ سورج اُس دلدل میں ڈوب گیا ہے۔ اِسی لئے قرآن نے وَجَدَهَا تَغْرُبُ کہا ہے۔ اور كَانَتْ تَغْرُبُ نہیں کہا یعنے یہ کہ " ڈوبتے پایا " نہ یہ کہ " ڈوبا کرتا تھا "

یا یوں کہو کہ سورج کے غروب کے وقت خود ذوالقرنین اُس دلدل میں تھا۔ جہاں پر اُس کا سفر ختم ہوگیا۔ اور اُس سے آگے اُسکو رستہ نہ ملا۔ پس اُسکا مغرب شمس یہی مقام تھا۔

مولوی محمد علی صاحب لاہوری احمدی نے اپنی انگریزی اور اردو ہر دو تفسیروں میں مقاصد قرآن کو نظر انداز کرکے اسکے مطالب کو بالکل بگاڑ دیا ہے۔ آپ ماشاءاللہ علوم عربیہ سے عموماً اور زبان عربی سے خصوصاً بالکل کورے اور محض ناآشنا ہیں اور پھر بھی قرآن کے مفسر ہیں۔ امام مالک رح کا قول ہے کہ میرے پاس ایسا شخص لایا جائے جو عربی نہ جانتے ہوئے کتاب اللہ کی تفسیر کرتا ہو تو میں اُسے عبرتناک سزا دونگا۔ (اتقان ص۱۰۹ جلد دوم) مولوی محمد علی صاحب نے مغرب الشمس کی تاویل کرکے مطلب قرآن کو بالکل بگاڑ دیا ہے۔ واللّٰہ الهادی

ف۱۲۵ وَوَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا۔ عِنْدَهَا کی ضمیر مؤنث عَيْنٍ کے لئے ہے۔ اِس سے معلوم ہوا کہ وہاں پر آبادی تھی۔ اور وہ مقام اقصائے مغرب میں تھا۔ اِس قوم کی خصوصیاتِ تمدنی و مذہبی کے متعلق مفسرین نے بعض اُمور بیان کئے ہیں جو بالکل بے سند ہیں قرآن و حدیث میں اُنکی بابت دیگر کوئی حکم نہیں۔ پرانی تاریخ محفوظ نہیں، پھر ہم تحقیق کی بنا کس پر رکھیں۔ خدا تعالٰے فرماتا ہے۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ (بنی اسرائیل پ۱۵) یعنے نہ پیروی کر اُسکی جس کا تجھے علم نہیں الخ

قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ وَاِمَّآ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا (۸۸)

فرمایا ہمنے اے ذوالقرنین یا تو یہ کہ تو (انکو) سزا دے اور یا یہ کہ اختیار کرے تو اِن میں نیکی ۸۸

۱۶۶ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ ، حضرت نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ جو (حضرت) ذوالقرنین کو نبی جانتے ہیں وہ اِس آیت سے دلیل پکڑتے ہیں کہ وہ نبی تھے، کیونکہ خدا تعالےٰ نے اُن سے وحی کے ساتھ خطاب کیا ہے۔ اور جو کہتے ہیں کہ وہ نبی نہیں تھے۔ وہ اِسکی تاویل الہام سے یا اُس زمانہ کے نبی کی زبانی حکم سنانے سے کرتے ہیں ؎

۱۶۷ اِمَّآ اَنْ تُعَذِّبَ ، اِس اختیار کے یہ معنے ہیں کہ اے ذوالقرنین یعنے جو تمکو اِن لوگوں پر حکومت بخشی ہے۔ تو اَب تم اپنی ذمہ واری پر خواہ اِن پر سختی کرو۔ خواہ اِن سے حُسن سلوک سے پیش آؤ۔ اسکے یہ معنے نہیں ہیں کہ تمہارے لئے دونوں باتیں جائز ہیں۔ خواہ کوئی حاکم ہو خواہ غیر حاکم ہو۔ خدا نے سب کو نیکی اور بدی کی دونوں راہیں دکھا کر اختیار دیا ہو کہ وہ اپنی ذمہ واری پر جونسی راہ چاہے اختیار کرے۔ خدا کے ہاں نیکی کی جزا نیک ہے۔ اور بُرائی کی سزا بُری۔ اِسی کے مطابق اِسی سورت میں سابقاً اِس یہ آیت گذر چکی ہے۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا الاٰیۃ یعنے (اے پیغمبر!) انکو کہدو کہ حق تمہارے پروردگار کی طرف سے ہے۔ پس جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر کرے۔ ہمنے تو ظالموں کیلئے آگ تیار کر رکھی ہے ؎ اِسیطرح حضرت سلیمانؑ کو اُن کے لائق سب کچھ عنایت کرکے فرمایا هٰذَا عَطَآؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَابٍ (ص پ۲۳) یعنے اے سلیمان! یہ ہماری عنایت ہے پس تم یا تو (لوگوں پر) احسان کرو، یا بخل کرو۔ بغیر حساب کے[۱]"

اِسیطرح قرآنی نصیحت کی نسبت فرمایا:۔ كَلَّآ اِنَّهٗ تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ یعنے یہ قرآن تو سراسر نصیحت ہے پس جو چاہے اِسے یاد رکھے ؎ (مدثر پ۲۹)

نیز فرمایا:۔ اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ ۚ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰى رَبِّهٖ سَبِيْلًا (مزمل و دہر پ۲۹) یعنے یہ تو سراسر نصیحت ہے پس جو چاہے۔ اپنے پروردگار کی طرف راہ پکڑلے، حاصل کلام یہ کہ خدا تعالےٰ نے ذوالقرنین کو فرمایا۔ کہ اپنی ذمہ داری پر اِن لوگوں میں عدل و انصاف قائم کرو۔ خواہ اُن سے حُسن سلوک سے پیش آؤ۔ یا اُن پر سختی کرو۔ یہ تمہارے بس میں ہیں۔ چونکہ حضرت ذوالقرنین حاکم ہونے کے ساتھ نبی اللہ یا کم از کم صاحبِ الہام ولی اللہ بھی تھے جنکی دماغی اور عملی قوتیں اعتدال پر ہوتی ہیں۔ اور وہ بیجا تشدد اور ظلم و تعدی نہیں کرتے۔ اسلئے اونہوں نے اس کے جواب میں وہی عام شرعی قانون ذکر کیا یعنے یوں کہا:۔

---

[۱] اِس آیت میں بِغَيْرِ حِسَابٍ کی نسبت کہ یہ ترکیب نحوی میں کس کے متعلق ہے۔ اور اِسکے معنے کیا ہیں؟ مختلف اقوال ہیں۔ جنکی تفصیل اِس وقت ہمارے مقصود سے خارج ہے۔ ایک قول ہمارے موافق ہے۔ پس اُسی کی وجہ سے ہمنے اُسکو دلیل میں ذکر کیا ہے۔ ۱۲ منہ

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ

کہا لیکن جو شخص ظالم ہے پس البتہ عذاب کرینگے ہم اُسکو پھر پھیرا جاویگا طرف ربّ اپنے کی پس عذاب کریگا اُسکو

عَذَابًا نُّكْرًا (۸۸) وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ

عذاب بُرا ۸۸ اور لیکن جو شخص کہ ایمان لایا اور عمل کیئے اچھے پس اُسکے لئے بطریق جزا کے

الْحُسْنٰى وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا (۸۹)

ہے نیکی، اور البتہ کہینگے ہم اُسکو کام یا حکم اپنے سے آسانی ۸۹

۱۶۸ ظَلَمَ لفظ ظلم کے متعلق کسیقدر تفصیل کی ضرورت ہے۔ لغت میں اِسکے معنے ہیں وَضْعُ الشَّيْءِ فِيْ غَيْرِ مَوْضِعِهٖ (قاموس ولسان العرب) یعنے کسی چیز کو مناسب جگہ سے ہٹا کر غیر جگہ پر رکھنا اِس کے مفہوم میں یہ سب معنے آجاتے ہیں ستم کرنا۔ ناحق کرنا۔ کسی کا حق مار لینا۔ کسی کو بہجا ستانا یا زد وکوب کرنا یا مالی نقصان پہنچانا۔ اور جان بوجھکر فیصلہ میں ایک کا حق دوسرے کو دیدینا۔ یہ سب مظالم حقوق العباد میں ہیں ؎

پھر یہ کہ انسان کبھی ایسا کام بھی کر بیٹھتا ہے۔ جس کا نقصان کسی دوسرے کو نہیں بلکہ خود اُسی کو ہوتا ہے۔ یہ اپنی جان پر ظلم ہے مثلاً سب اخلاقی بُرائیاں اور بدکاریاں جن کا اثر براہِ راست دوسرے پر نہیں پڑتا بلکہ سب کا بوجھ عمل کرنے والے کی جان پر ہے آیات مثل وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ میں یہ ہر دو قسم ملحوظ ہیں ؎

پھر یہ کہ کبھی اِنسان خدا کے حق میں ظُلم کرتا ہے۔ یعنے خدا کے سوا کسی اَور کی عبادت کرتا ہے۔ اور اُسے خدا کی ذات یا صفات یا استحقاق (عبادت اور نذر ونیاز) میں شریک گردانتا ہے۔ اِسی نقطۂ خیال سے اسلام نے شرک کو بھی ایک ظلم بلکہ ظلمِ عظیم قرار دیا ہے۔ (سورت لقمان پ۲۱)

پھر یہ کہ بعض انسان عام عادتوں میں راہِ راست کو چھوڑ کر کجروی اختیار کر لیتے ہیں اِس روش پر بھی ظلم کا اطلاق آیا ہے۔ چنانچہ اُم المومنین حضرت ام سلمہؓ کا قول ہے۔ اِنَّ اَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ ثَكَمَا الْاَمْرَ فَمَا ظَلَمَاهُ اَیْ لَمْ يَعْدِلَا عَنْهُ (لسان العرب زیر مادہ ظلم)

یعنے حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ راہِ راست پر چلتے رہے۔ اور اُس سے ہٹے نہیں ؎

حضرت ذوالقرنین نے اپنے آئین حکمرانی کے متعلق ایک ہی جامع لفظ کہدیا کہ میرے سزا دینے کا قانون یہ ہوگا۔ کہ جو ظلم کرے گا۔ اُسے سزا دونگا۔ خواہ وہ کوئی ہو۔ اِسی معنے میں قرآن شریف میں دوسرے مقام پر خدا تعالےٰ نے اپنا قانون فرمایا ہے:۔ (صفحہ ۹۰ پر دیکھو)

لَيْسَ بِأَمَانِيِّكُمْ وَلَا أَمَانِيِّ أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَ بِهِ الآیہ (النساء ع ۱۷) یعنے نجات نہ تمہاری آرزوؤں پر ہے اور نہ اہل کتاب کی آرزوں پر، جو بھی برا عمل کرے گا۔ اسے اسکی جزا ملیگی۔

یہی دستور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے۔ کہ فتح مکہ پر ایک مخزومی عورت چوری میں گرفتار ہوئی۔ قریش کو اسکی سفارش منظور تھی۔ حضرت اسامہ بن زید رضؓ کو جو آنحضرت صؐ کے بہت پیارے تھے اس کام کے لئے کہا گیا۔ انہوں نے سفارش کی۔ آنحضرت صؐ نے فرمایا (اسامہ!) تم خدا کی مقرر کردہ حد میں سفارش کرتے ہو۔ پھر خطبہ کر کے سب لوگوں کو سنایا کہ تم سے پہلے لوگوں کو اسی بات نے ہلاک کیا۔ کہ وہ چھوٹے درجے کے لوگوں پر حد قائم کرتے تھے۔ اور شرفا کو چھوڑ دیتے تھے۔ خدا کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کرے (اور وہ چوری کرنے والی نہیں ہے) تو میں اسکا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔ (کتاب الحدود) سبحان اللہ کیسی عدل پروری ہے۔

سلہ کتب سابقہ میں یہ وصف یعنے عدالت آنحضرت صؐ کی نسبت بطور پیشگوئی خصوصیت سے مذکور ہے۔ چنانچہ کتاب یسعیاہ نبی ؑ مشمولہ بائبل میں مذکور ہے۔ "**وہ عدالت کو جاری کرائیگا کہ دائم رہے**" (۴۲: ۳)

یہ پیشگوئی خاص ذات اقدس آنحضرت صؐ کے متعلق ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اسکے بعد جو امور قومی عروج کے متعلق مذکور ہیں۔ وہ صرف آپ کی ذات سے مخصوص ہیں۔ چنانچہ آیت نمبر ۱۱ سے ۱۲ تک یوں لکھا ہے۔ "(۱۱) بیابان اور اسکی بستیاں **قیدار** کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کرینگے **سلع** کے بسنے والے ایک گیت گائینگے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر سے للکارینگے۔ (۱۲) وہ خداوند کا جلال ظاہر کرینگے۔ اور بحری ممالک میں اسکی ثناخوانی کرینگے" اسکی تشریح یوں ہے۔ کہ **قیدار** حضرت اسماعیل ؑ کے دوسرے بیٹے کا نام ہے جسکی اولاد سے **آنحضرت صؐ** ہیں۔ دیکھو کتاب پیدائش باب ۲۵: ۱۳) اور سلع مدینہ شریف کے پہاڑوں میں سے ایک پہاڑ کا نام ہے۔ (دیکھو قاموس اور صراح) **نیز** صحیح بخاری میں جبل سلع کا ذکر کئی دفعہ آیا ہے۔ (دیکھو حدیث توبہ کعب بن مالک اور حدیث متعلق غزوہ احزاب) یہ دو ایسے نشان ہیں کہ ان کے بعد دوسرے الفاظ کی تشریح کی ضرورت نہیں۔ عیسائی بہت زور لگاتے ہیں۔ کہ اس پیشگوئی کو حضرت مسیح پر چسپاں کریں لیکن تین باتیں حضرت مسیح پر یا کسی دیگر پر سوائے آنحضرت صؐ کے چسپان نہیں ہونے دیتیں اول لفظ عدالت کہ یہ مسیح ؑ کی شان درویشی سے اوپر ہے۔ دوئم نبی قیدار میں سے ہونا اور معلوم ہے کہ حضرت مسیح ؑ اولاد اسماعیل ؑ میں سے نہیں ہیں۔ بلکہ بنی اسرائیل کی طرف سے اولاد اسحاق میں سے ہیں۔ سوئم سلع پہاڑی مدینہ میں ہے۔ دیگر لفظ وصف عدالت کے متعلق خود مسیحی مفسرین بائبل سخت اضطراب میں ہیں چنانچہ مفسر پول صاحب اپنی انگریزی تفسیر بائبل کی جلد ۳ (مطبوعہ لنڈن) میں لفظ **Judgment** یعنے عدالت کے متعلق لکھتے ہیں۔

ترجمہ:۔ "اسجگہ یہ لفظ (عدالت) بہت مشتبہ ہے۔ کیونکہ یہ لفظ جہاں کہیں مستعمل ہوا ہے۔ سزا کے واسطے آیا ہے۔ جو اسجگہ مراد نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ تمام مجموعہ اناجیل مسیح ؑ کی شفقت اور شیریں مزاجی کی گواہی دیتا ہے نہ کہ آپ کی شدت کی۔" (انتہی مترجماً)

اس سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ پول صاحب لفظ عدالت حضرت مسیح ؑ پر صادق آنا درست نہیں جانتے لیکن چونکہ اپنے ذہن میں ٹھانے ہوئے ہیں۔ کہ یہ پیشگوئی حضرت مسیح ؑ کی نسبت ہے۔ اسلئے الفاظ کو ان کے صحیح مصداق سے ہٹا کر ساری دماغی طاقت تاویلات میں صرف کردی ہے۔ حالانکہ صحیح طریق یہ ہے۔ کہ یہ اوصاف جس ذات میں پائے جائیں۔ اسے ان کا مصداق جانیں۔ نہ یہ کہ ایک شخص کو اپنے ذہن میں مقرر کرلیں۔ اور جب اوصاف مذکورہ جو اس کے مصداق کی شناخت کے لئے بتائے گئے تھے اس میں نہ پائے جائیں۔ تو ان اوصاف اور نشانات کی صورت مسخ کر کے ان کے معانی تبدیل کردیں یہ سراسر بے انصافی ہے سہ لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم چنانچہ حرف عصا گفت موسےٰ اندر طور ۱۲ منہ

(باقی حواشی صفحہ ہذا صفحہ ۹۱ پر دیکھو)

ف ۱۶۹ ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّہٖ ایک قانون دنیا کا ہے۔ اور ایک قانون عاقبت کا ہے۔ دنیوی حکام کا اختیار اُن اُمور میں ہے جو دنیا کے انتظام کے متعلق اُن کے سپرد ہیں۔ لیکن جو اُمور بندے اور خدا کے درمیان ہیں اسکی سزا عالمِ عقبیٰ پر رکھی گئی ہے سو اسکی نسبت فرمایا ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّہٖ فَیُعَذِّبُہٗ عَذَابًا نُّکْرًا۔

ف ۱۷۰ اَمَّا مَنْ اٰمَنَ جب ظالموں کے متعلق اپنا آئین ذکر کیا۔ تو اس کے مقابلہ میں ایماندار وں اور نیکو کاروں کی نسبت بھی کہدیا کہ اُن کیلئے نیک جزا ہے۔ اور ہم بھی اُس کے ساتھ نرم سلوک کرینگے۔ جب نیکوں کے ساتھ خدا کا سلوک نیک ہے۔ تو عادل بادشاہ جو دنیا میں خدا کا سایہ ہے۔ اسکا بھی سلوک اُن سے نیک ہی چاہیے۔

ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۰﴾ حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا

پھر وہ در پے ہوا سامان کے ف ۹۰ (اور چلتا رہا) حتےٰ کہ جب پہنچا سورج چڑھنے کی جگہ پر پایا اُسے

تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۱﴾

چڑھتے اوپر ایسی قوم کے کہ نہیں بنایا تھا ہمنے واسطے انکے اُس سے ورے کوئی پردہ ف ۹۱

ف ۱۷۱ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۔ یہ ذوالقرنین کی دوسری مہم ہے جو مشرق کی طرف ہوئی۔ اور وہ بھی مغربی مہم کیطرح انتہائے مشرق تک ہوئی

ف ۱۷۲ مَطْلِعَ الشَّمْسِ کے سمجھنے کے لئے مَغْرِبَ الشَّمْسِ کا حاشیہ پڑھیں۔ اِسکے علاوہ یہ بھی سمجھ رکھیں کہ طلوع آفتاب کا نظارہ غروب کی نسبت زیادہ دلکش ہوتا ہے۔ دنیا جہان کے لوگ آجتک کوہ دارجلنگ پر طلوع آفتاب کا نظارہ دیکھنے کو آتے ہیں جہاں سے یوں دکھائی دیتا ہے۔ کہ سورج اُچھل اُچھل کر اوپر کو آرہا ہے۔ اور یہ مقام انتہائے مشرق میں ہے۔

ف ۱۷۳ سِتْرًا، پردہ، امام خطیب شربینی رح نے تفسیر سراج منیر میں کہا کہ اس میں دو قول ہیں اول یہ کہ اُس قوم کے لئے نہ تو مُسقّف مکان تھے اور نہ وہاں کوئی پہاڑ تھا کہ اُن کے لئے سورج کی دھوپ سے سایہ ہوسکے، دبلکہ وہ صاف چٹیل میدان میں آباد تھے۔ اور اُنکی زندگی جنگلی وحشیوں کی طرح تھی۔

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ﴿۹۲﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۳﴾

(اُسنے) اسیطرح (کیا) اور ہمنے احاطہ کر لیا تھا اُس کا جو اُس کے پاس تھا پوری خبر سے ف ۹۲ پھر وہ در پے ہوا سامان کے ف ۹۳

حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا

حتےٰ کہ جب پہنچا دو دیواروں کے درمیان تو اُس نے پائی اُن کے قریب ایک قوم پائی جو

لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۴﴾

قریب نہ تھے بات سمجھنے کے ۹۴

ف ۱۷۴ كَذٰلِكَ مفسرین نے اسکی کئی وجہیں لکھی ہیں۔ ایک یہ ہے۔ کہ ذوالقرنین نے اس مشرقی قوم میں بھی اُسی دستور سے عدل و انصاف سے حکمرانی کی جس طرح مغربی قوم نے لی تھی۔ (بغوی) {باقی حواشی متعلقہ صفحہ ہذا صفحہ ۹۲ پر دیکھو)

۱۷۵؎ بِمَا لَدَیْهِ ، لفظی ترجمہ تو یہ ہے - کہ جو کچھ ذوالقرنین کے پاس تھا ۔ اور مراد اس سے وہ سازو سامان ہے جو اُسکے پاس تھا سو اُسکی نسبت فرمایا کہ وہ سب کچھ ہمارے احاطہ علم و خبر میں تھا - کیونکہ وہ سب کچھ ہماری ہی دادِ تھی ،

۱۷۶؎ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ، یہ تیسرے سفر کا بیان ہے - مفسرین نے لکھا ہے - کہ یہ سفر شمال کی طرف تھا -

۱۷۷؎ بَیْنَ السَّدَّیْنِ ، لفظ سدّ کے معنے ہیں "روک" خواہ صنعتی ہو خواہ قدرتی ، یعنے ذوالقرنین کا یہ سفر اُس مقام تک ہوا جہاں قدرتی طور پر دائیں بائیں دو پہاڑی دیواریں کھڑی تھیں - کہ سوائے اُس درہ کے اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر جانے کیلئے کوئی رستہ نہ تھا - اس قرینہ سے معلوم ہوتا ہے - کہ یہ سفر شمال کیطرف تھا - کیونکہ پہاڑوں کا ایسا سلسلہ شمال کی طرف ہے - اسی لئے پنجابی زبان میں شمال کی طرف کا نام ہی **پہاڑ** ہے -

۱۷۸؎ لَا یَکَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا مراد یہ ہے کہ بات مشکل سے سمجھتے تھے یا یوں کہئے کہ بات سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتے تھے - کیونکہ ان کی رہائش پہاڑی علاقہ میں دنیا کی میدانی آبادی سے بہت دُور تھی - باوجود اسکے کہ اب دُنیا اتنی ترقی کر گئی ہے لیکن پہاڑی لوگوں کی حالت و طبیعت عموماً ویسی کی ویسی ہے - اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ

حافظ ابن کثیرؒ اسی مقام پر فرماتے ہیں :- لِاسْتِعْجَامِ کَلَامِهِمْ وَبُعْدِهِمْ عَنِ النَّاسِ یعنے انکے کلام کے غیر معروف ہونے اور لوگوں سے دُور رہنے کی وجہ سے (انکا فہم ناقص تھا) ، (انتہیٰ) آگے اُنکی جو گفتگو مذکور ہے - اُسکی نسبت مفسرین نے لکھا ہے - کہ یہ اُنہوں نے حضرت ذوالقرنین سے ترجمان کے ذریعے کی تھی - اور بعض نے کہا ہے - کہ خود حضرت ذوالقرنین کئی زبانیں جانتے تھے - وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ ۱۷۹ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ ۱۸۰ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ

کہا اُنہوں نے اے ذوالقرنین تحقیق یاجوج اور ماجوج فسادی ہیں اِس سرزمین میں

۱۷۹؎ یٰذَا الْقَرْنَیْنِ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ ذوالقرنین اُس نبی اللہ یا ولی اللہ عادل بادشاہ کا نام ہے - جیسا کہ ہم سابقاً ۸۷ میں لوٹ کے ضمن میں بیان کر آئے ہیں لے

۱۸۰؎ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ ، دو اسم ہیں دو قوموں کے بعض اہل لغت کہتے ہیں یہ دونوں لفظ اعزابی ہیں - اور بعض کہتے ہیں عجمی ہیں بلا پھر جو عربی کہتے ہیں ، اکثر ان میں سے انکو مہموز الفاء قرار دیتے ہیں چنانچہ محاورات ذیل اُنکی تائید کرتے ہیں (۱) اَجَّتِ النَّارُ اَجِیْجًا و (۲) تَاَجَّجَتِ النَّارُ و (۳) اِئْتَجَّتِ النَّارُ اِئْتِجَاجًا سب کے معنے ہیں آگ نے شعلہ نکالا اور وہ بھڑکی - نیز (۴) اَجَّجْتُ النَّارَ (یعنے آگ روشن کی) اور (۵) تَاَجَّجَ النَّهَارُ و (۶) تَاَجَّ النَّهَارُ (بحذف یک جیم) یعنے خوب گرم ہوا دن اور (۷) اُجَّ (بترک الادغام شذوذًا) یعنے اُس نے دشمن پر حملہ کیا لہ اور منتہی الارب میں خاص یَاْجُوْجَ لفظ کے معنے لکھے ہیں - کہ آتش برفروزد و فساد انگیزد" یعنے جو آگ بھڑکائے اور فساد مچائے ، اور مفردات راغب میں زیر مادہ اَجَّ لکھا ہے - وَیَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ

لے حوالہ کیلئے دیکھو حاشیہ بین الجدولین تفسیر جامع البیان مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی برآیت ہذا بحوالہ تفسیر وجیز ۱۲ منہ لہ یہ سب محاورات اور انکے معانی منتہی الارب میں لکھے ہیں ۱۲ منہ

سِنَةٌ شُبِّهُوْا بِالنَّارِ الْمُضْطَرِمَةِ وَالْمِيَاهِ الْمُتَمَوِّجَةِ لِكَثْرَةِ اِضْطِرَابِهِمْ یعنے یاجوج و ماجوج کو بوجہ اُنکے زیادہ جوش خروش کے جلتی ہوئی آگ اور ٹھاٹھیں مارتے ہوئے پانی سے تشبیہ دیگئی ہے۔ قرآن شریف میں اِن قوموں کا دو موقع پر ذکر ہے۔ ایک اسجگہ سورتِ کہف میں اور دیگر سورتِ انبیاء پ۱۷ میں، ہر دو جگہ اُن کے وحشی پن کا اظہار ہے۔ اِسلئے صاحبِ مفردات کی وجہ تسمیہ درست معلوم ہوتی ہے۔ اور محاورات مذکورہ بالا بھی اِسکی تائید کرتے ہیں، لیکن بعض ائمہ لغت اُن کے ہر دو الفاظ کو زائد قرار دیکر اِنکا اصل مجج اور اجج بتاتے ہیں (تفسیر السراج المنیر وغیرہ)

ش۱۸ انکی نسب اور پیدائش کی کیفیت اور انکی صفات و اشکال کے متعلق قصّہ گو لوگوں کی نہایت عجیب و غریب روایات ہیں۔ انکی نسبت حافظ ابن کثیر رح فرماتے ہیں:-

"اِس مقام پر اُن روائتوں پر اعتماد جائز نہیں ہے۔ جو بعض اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) بیان کرتے ہیں، کیونکہ انکی بعض احادیث جعلی اور بناوٹی" "بھی ہیں۔ (انتہیٰ مترجماً)

پھر اس کے بعد فرماتے ہیں:-

"ابن ابی حاتم نے اپنے باپ ابو حاتم رح سے اس بارے میں کئی ایک احادیث روایت کی ہیں۔ جنکی سندیں صحیح نہیں۔ (انتہیٰ مترجماً)"

الغرض یاجوج و ماجوج کے متعلق سوائے اُن باتوں کے جو قرآن مجید اور صحیح مسلم وغیرہ کتب حدیث کی صحیح روائتوں سے ثابت ہیں۔ کچھ بھی قابل اعتماد نہیں ہے،

یاجوج ماجوج کونسی قومیں ہیں! اکثر قدیم مفسرین کا قول ہے کہ وہ ترک ہیں چنانچہ ذیل کی تفصیل سے واضح ہوگا امام بغوی رح نے نقل کیا ہے۔ کہ وہ ترک ہیں۔ اور اُن کا نام ترک اسلئے پڑا کہ وہ اُس دیوار سے جو ذوالقرنین نے بنائی تھی باہر رہ گئے تھے" پس وہ اُسی حال پر چھوڑے گئے)

امام رازی رح نے کہا:- بعض نے کہا ہر دو (یاجوج اور ماجوج) ترک ہیں اور بعض نے کہا کہ یاجوج تو ترک ہیں لیکن ماجوج جیل اور دیلم ہیں۔

حافظ ابن کثیر رح فرماتے ہیں:- بعض علماء کا قول ہے کہ وہ ترک ہیں۔

زمانہ حال کے اُردو نویس مصنفین اِن کے برخلاف دیگروں کے نام لکھتے ہیں۔

حکیم نور الدین صاحب قادیانی بحوالہ بائیبل کہتے ہیں کہ وہ روس و انگریز ہیں۔ (تصدیق براہین احمدیہ)

مرزا صاحب قادیانی بھی اپنے حکیم صاحب کی پیروی میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ روس اور انگریز ہیں۔ (ازالہ اوہام طبع اول تقطیع خورد کلاں ص۵۰۲ ص۱۵۸)

مولوی محمد علی صاحب لاہوری اپنے اُستاد حکیم صاحب موصوف کی اتباع میں روس اور انگریزوں کو یاجوج ماجوج قرار دیتے ہیں۔ لیکن انگریزوں کے نام کی تصریح نہیں کرتے۔

مولٰنا ابو الکلام آزاد صاحب کہتے ہیں کہ وہ روس اور منگولین ہیں (ترجمان القرآن)

اِن سب کی تحقیقات کا مأخذ بائیبل میں سے حزقیل نبی کا مکاشفہ ہے۔

"شہ پریشاں خوابِ من از کثرتِ تعبیرہا" اِس کتاب کی نسبت حضرت حزقیل کی طرف مفسرین بائیبل کے نزدیک مشکوک ہے (دیکھو تفسیر بائیبل مصنفہ پول صاحب مطبوعہ لنڈن ۱۸۰۱ء)

پس مذہبی امور میں تحقیقات کی بنا ایسی مشکوک کتاب پر رکھنی قابلِ وثوق نہیں ہے۔
لیکن ہمارے سردار صاحب (مدّ ظلہ) سب سے زیادہ عجیب بات فرماتے ہیں۔ وہ کسی خاص قوم کی تعیین نہیں کرتے بلکہ وہ ہر مفسد کو یاجوج وماجوج سمجھتے ہیں کیونکہ انکی صفت میں مفسدون فی الارض وارد ہے۔ تفسیر ثنائی اردو سورۂ کہف یاجوج وماجوج دو خاص قوموں کے نام ہیں۔ سب اہل لغت کا اسپر اتفاق ہے۔ ستم رسیدہ قوم جو ذوالقرنین کے پاس انکے برخلاف فریاد کرتی ہے۔ اور انکو مفسدون فی الارض کہتی ہے۔ ان کے قول سے بھی یہی واضح ہوتا ہے۔ کہ وہ خاص لوگوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر رہی ہے۔ قیامت کے نزدیک انکے خروج کا جو ذکر قرآن وحدیث میں وارد ہے۔ (جیسا کہ انشاء اللہ آگے مذکور ہوگا) اُس سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ مخصوص اقوام ہیں۔ اگر انکی صفت میں کہا گیا ہے۔ کہ وہ مُفسد ہیں تو اس سے ہر مفسد گروہ کو حقیقی طور پر یاجوج وماجوج سمجھنا جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں۔ درست نہیں۔ ظاہر ہے کہ آیت اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ میں مُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ خبر ہے۔ تو آنجناب کی تحریر کے مطابق اس کا عکس یہ ہوا کہ كُلُّ مُفْسِدٍ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ اور یہ بموجب قواعد علمیہ درست نہیں۔ فَتَفَكَّرْ (عفا اللہ عنا وعنہ)

فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰٓى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا (۹۵)

پس کیا بنا دیں ہم واسطے تیرے کچھ خرچ اِس بات پر کہ تو بنا دے درمیان ہمارے اور درمیان اُن کے ایک روک [۹۵]

قَالَ مَا مَكَّنِّيْ فِيْهِ رَبِّيْ خَيْرٌ فَاَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا (۹۶) [۱۸۱]

کہا اُس نے جس (مال) میں مجھے میرے رب نے قدرت دی ہے وہ بہت بہتر ہے پس تم مدد دو مجھکو قوت سے بنا دونگا میں درمیان تمہارے اور درمیان اُن کے ایک بند [۹۶]

[۱۸۱] اِس سے معلوم ہوا کہ بادشاہ کو اپنی رعیّت کی آسائش کیلئے رفاہِ عام کے کام ضرور کرنے چاہئیں۔ اور اگر اُسکو اِن اُمروں میں رعیّت سے روپیہ اور قوت یعنے کام کرنے والے آدمیوں کی ضرورت پڑے تو اُسکے لئے جائز ہے۔ کہ اُن سے حاصل کرے۔ اور اُس کے پاس خزانہ کافی ہو۔ تو اُسے رفاہِ عام کے کاموں میں خرچ کرے۔ اور ذوالقرنین کی پیروی میں رعیّت سے محض قوّت حاصل کرنے پر اکتفا کرے۔ چنانچہ امام سیوطیؒ تفسیر اکلیل میں اِسی آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:۔

قَالَ ابْنُ الْعَرَبِيِّ فِيْهَا جَوَازُ الْخَرَاجِ وَالْاَجْرِ عَلَى الْاَعْمَالِ وَاَنَّ عَلَى الْمَلِكِ الْقِيَامَ بِمَصَالِحِ الْخَلْقِ وَسَدِّ الْفُرَجِ وَاِصْلَاحِ الثُّغُوْرِ وَلَوْ بِاَنْ يَّاْخُذَ مِنْ اَمْوَالِهِمْ اِذَا احْتَاجَ (صفحہ ۲۷۵ مطبوعہ مطبع فاروقی دہلی)

ابن عربی رحمہ نے کہا کہ اِس آیت میں خراج کا اور کام کرانے پر اُجرت دینے کا جواز ہے۔ اور نیز یہ کہ بادشاہ پر لازم ہے۔ خلقت کی مصلحتوں کے اُمور پر اور خوفناک شگافوں کے بند کرنے پر اور سرحدوں کی اصلاح پر قائم ہونا اگرچہ اُنکے مالوں سے کچھ لیوے جبکہ اُسے حاجت ہوئے

تنبیہ۔ میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کی سب جمع اور صیغہ مال میں معاملہ اراضی کے ساتھ حبوب وغیرہ کی رقوم رفاہِ عام کے کاموں یعنے سڑکوں اور رستوں کی تیاری، اور پلوں کے بنانے، اور روشنی اور پانی کی بہم رسانی، اور شفاخانوں کی ادویہ اور بیماروں کی دیگر ضروریات اور تعلیمی درسگاہوں اور صنعتی کارخانوں اور مسافروں کی خوراک اور راہگذاروں کی آسائش کے لئے، سایہ دار درختوں کے لگانے کیلئے محصول یا ٹیکس کی صورت میں جو کچھ بادشاہ رعایا سے لیتا ہے۔ سب جائز ہیں۔ اُن اہلکاروں کو جن کے اختیار میں یہ رقوم دی جاتی ہیں (باقی صفحہ ۹۵ پر دیکھو)

حضرت ذوالقرنینؑ کے اس فیاضانہ کام سے سبق لینا چاہیئے۔ واللہ ولی التوفیق۔ اور ادائیگی فرض کی ذمہ داری میں خدا تعالیٰ سے ڈرنا چاہیئے۔ حضور (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے فرمایا۔ اَلْخَلْقُ كُلُّهُمْ عِيَالُ اللهِ وَاَحَبُّهُمْ اِلَيْهِ اَنْفَعُهُمْ لِعِيَالِهٖ (کنوز الحقائق) یعنی ساری خلقت خدا کا کنبہ ہے۔ اور خدا کو سب سے پیارا وہ ہے۔ جو اُسکے کنبہ کیلئے زیادہ نفع رساں ہے۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مکاس یعنے درآمد مال پر چونگی کا محصول لینے والوں کو امام شافعیؒ نے سخت ناپسند کیا ہے۔ اور اسی طرح حضرت عیسےٰ بھی ان سے راضی نظر نہیں آتے۔ جیسا کہ انجیل متی سے ثابت ہوتا ہے۔ اسلئے یہ محصول لینا اور محصول لینے پر ملازمت کرنا درست نہیں۔ اسکا جواب یہ ہے۔ کہ محصول چونگی کی غرض وغایت شہرواروں کیلئے آسائش کے اسباب بہم پہنچانا ہے۔ اور یہ نیکی کا کام ہے۔ نہ کہ ناجائز۔ حضرت عیسےٰ اور امام شافعیؒ کے وقت میں خدا جانے کیا حال ہوگا۔ اور وہ لوگ کیا کرتے ہونگے۔ جن کو دیکھکر اُنہوں نے ناپسند کیا بہرحال میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ کے محکمے سراسر رفاہِ عام کے لئے ہیں۔ ہاں اگر اہل کار اپنے فرائض میں کوتاہی کریں۔ تو اُن کو توجہ دلانی چاہیئے۔ نہ کہ محکمہ ہی کو ناجائز کہنا چاہیئے۔ فافہم

اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤی اِذَا سَاوٰی بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ

لادو مجھکو بڑے بڑے ٹکڑے لوہے کے (چنانچہ لائے گئے اور چنے گئے) حتیٰ کہ جب برابر کردیا درمیانی فاصلہ پہاڑ کی دونوں طرفوں کا تو اُن سے کہا کہ دھونکو

حَتّٰۤی اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ﴿۹۶﴾

حتیٰ کہ جب (دھونکتے دھونکتے) اُسکو آگ کردیا تو کہا دو مجھکو ڈالوں میں اوپر اُس کے تانبا گلا ہوا۔

۱۸۲ حل لغات وترکیب ۔ زُبَرٌ (بضم الباء) جمع ہے زُبْرَةٌ کی یعنے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے (مفردات) سَاوٰی مصدر مُساواۃ سے ماضی کا صیغہ ہے۔ یعنے برابر کردیا۔ بَیْنَ دو چیزوں کا درمیانی فاصلہ (مفردات) صَدَفَیْنِ، دو کرانہ راہ در کوہ (منتہی) تثنیہ صَدَفٌ کا یعنے بُرید گی کوہ (صراح) نَارًا لوہا گرم ہو کر پگل جائے تو وہ صورت میں بھی اور صفت میں بھی آگ کی مثل ہو جاتا ہے۔ اسلئے اُسے نَارًا کہا گویا کہ وہ آگ ہی ہوگیا تھا۔ حالانکہ ذات اُسکی لوہا ہی تھی۔ اُفْرِغْ، مصدر اِفْرَاغ سے مضارع معروف واحد متکلم کا صیغہ ہے۔ اور اِس پر جزم صیغہ امر اٰتُوْنِیْ کے جواب میں واقع ہونے کی وجہ سے ہے۔ اور اِفْرَاغ کہتے ہیں برتن یا ڈول میں سے پانی اُنڈیلنے کو، گویا کہ اُسے پانی سے فارغ یعنے خالی کیا جاتا ہے۔ (صراح وغیرہ) قِطْرًا تانبا گلا ہوا۔ اسجگہ تنازع فعلین واقع ہوا ہے۔ یعنے اٰتُوْنِیْ بھی مفعول ثانی چاہتا تھا اسلئے بقاعدہ علمِ نحو ایک کو عمل دلا کر دوسرے کا مفعول محذوف کیا جائیگا۔ صاحب جامع البیان نے کہا ہے۔ کہ اٰتُوْنِیْ کا مفعول ثانی محذوف کیا گیا ہے۔

حاصل مطلب یہ کہ ذوالقرنینؑ نے اُس قوم سے کہا کہ تم مجھے لوہے کے بڑے بڑے ٹکڑے مہیا کردو۔ چنانچہ وہ لائے گئے۔ اور ایک دوسرے کے اوپر چنے گئے۔ حتیٰ کہ جب اُن ٹکڑوں کو چن چن کر پہاڑ کے دونوں کناروں کے برابر کردیا یعنے اُس راہ کو بند کردیا۔ جہاں سے یاجوج ماجوج اُس قوم کی سرزمین میں آکر غارتگری کرتے تھے۔ تو ذوالقرنین علیہ السلام نے کہا کہ اب تانبا لاؤ تاکہ میں اُسے گلا کر اُن لوہے کے ٹکڑوں پر ڈالدوں تاکہ اُن کی درزیں بند ہوجائیں، اور لوہا اور تانبا ایک جان ہو کر ایک ایسی دیوار بن جائے۔ کہ اُسکی صفائی کی وجہ سے وہ اُس پر چڑھ نہ سکیں۔ اور اُسکی پختگی کی وجہ سے اُس میں سوراخ نہ کرسکیں۔ چنانچہ اسے بطور نتیجہ کے اگلی عبارت میں یوں فرمایا ہے:-

فَمَا اسْطَاعُوْا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا (۹۸)

پس نہ سکے کہ چڑھ جائیں اُسپر اور نہ سکے کہ اُس میں سوراخ کرلیں ۹۸

علہ اِسْطَاعُوْا پہلی دفعہ افتعال کی تَ محذوف ہے۔ اور دوسری دفعہ ثابت ہے۔ علم صرف میں یہ ہر دو امر جائز ہیں ۱۲ منہ

عہ نَقْبًا۔ نقب۔ دیوار یا لکڑی یا چمڑے میں سوراخ کرنے کو کہتے ہیں۔ ۱۲ منہ

قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا (۹۹)

کہا یہ رحمت ہے میرے ربّ کی پس جب آویگا وعدہ میرے ربّ کا تو کردیگا اِسے زمین کے برابر اور ہے وعدہ میرے ربّ کا سچا ۹۹

۱۸۳ هٰذَا رَحْمَةٌ، ذوالقرنین نے اتنا بڑا کام کرکے اُسے اپنی طرف نسبت نہیں کیا اور نہ شیخی ماری کہ میں نے یہ کام کیا ہے۔ بلکہ اُسے خدا کی طرف نسبت کیا ہے۔ کہ یہ اُسکی رحمت ہے۔ کہ اُسنے مجھے توفیق دی۔ کہ یہ کام ہو سکا۔ ورنہ ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا۔ شہزادی بلقیس کا تخت جب آنِ واحد میں سلیمان ع کے سامنے آگیا۔ تو آپ نے کہا هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ (نمل پ ۱۹) یعنے یہ میرے ربّ کے فضل سے ہوا ہے۔ فتح مکّہ پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے جو خطبہ فرمایا تھا۔ اُسمیں یہ الفاظ بھی تھے۔ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ (بخاری کتاب الحج) یعنے اکیلے خداوندتعالیٰ نے کفّار کے لشکروں کو شکست دی ہے۔ حالانکہ اُسوقت آپ کیساتھ دس ہزار قدوسی صحابہؓ کی فوج تھی۔

۱۸۴ دَكَّآءَ، زمین کے برابر ہموار، یہ اسلئے کہا۔ کہ وہ بند ہرچند کہ بہت سخت اور مضبوط بنایا گیا تھا لیکن ہر چیز کے بقا کی ایک میعاد ہے۔ دائمی اور حقیقی بقا صرف ذاتِ حق کے لئے ہے۔ وہ میعاد ختم ہونے پر ہر شے کیلئے فنا ہے۔ سو اسی طرح اِس بند کا حال ہوگا یہ میعاد یا تو دُنیا کے فنا اور قیام قیامت کی ہے۔ یا قیامت کے قریب یاجوج و ماجوج کے خروج کی (تفسیر جامع البیان وغیرہ) جیسا کہ اِس سے آگے اور نیز سورت انبیاء پ ۱۷ میں مذکور ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ۔ یعنے حتّٰی کہ جب کھولے جائینگے یاجوج و ماجوج، اور وہ ہر بلندی سے دوڑتے ہونگے۔ اور قریب آلگیگا سچا وعدہ یعنے قیامت کا قائم کرنا اور حدیث صحیحین میں اُمّ المومنین حضرت زینب بنت جحش سے روایت ہے۔ کہ ایک روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھبرا کر نیند سے اُٹھے آپ کا چہرہ مبارک سُرخ ہو رہا تھا۔ اور آپ کہتے تھے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَيْلٌ لِّلْعَرَبِ مِنْ شَرٍّ قَدِ اقْتَرَبَ یعنے خدا کے سوا کوئی لائقِ عبادت نہیں۔ عرب کے لئے بوجہ اُس بُرائی کے جو قریب آرہی ہے ویل ہے۔ آج یاجوج ماجوج کے بند سے مثل اِسکی سوراخ کُھل گئی ہے۔ اور آپ نے (بحسابِ عقدِ انامل) انگشت مسبحہ کو انگوٹھے کے ساتھ ملا کر حلقہ بنا کر بتایا کہ اِتنی کا

۵ بائبل میں ایک کتاب غزل الغزلات ہے۔ جو حضرت سلیمان ع کی طرف منسوب ہے۔ اُس میں آنحضرتؐ کا حلیہ شریف مذکور ہے۔ اور اِس کے ضمن میں فتح مکّہ کی طرف اشارہ کرکے لکھا ہے۔ وہ خدا کا محبوب (دس ہزار قدوسیوں کے درمیان جھنڈے کی مانند کھڑا ہوتا ہے۔ (پ ۵) اور باتفاق مؤرخین (الیشیا ق مدو بیعن) فتح مکّہ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دس ہزار قدوسی صحابہؓ کی جماعت تھی (ز سیالکوٹی منہ عفی عنہ)

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَمُوجُ فِي بَعْضٍ [185] ٩

اور چھوڑینگے ہم اُنکے بعض کو اُس روز (اِسطرح کہ) گھُس جائینگے وہ (دوسرے) بعض میں [185]

۱۸۵ سُورت کہف کے اِس مقام اور سورتِ انبیاء اور حدیث صحیحین کے بیان سے صاف صاف ظاہر ہے۔ کہ یاجوج ماجوج کا خروج قیامت سے پیشتر قریب ہی ہوگا - اور یہ بھی کہ اُس وقت یہ بند ڈھے کر پیوست زمین ہوگیا ہوگا۔ یعنے اُدھر سے اِدھر آنے کی جو روک بنائی گئی تھی۔ وہ قائم نہ رہی ہوگی۔ پس وہ بے روک ہوکر زمین پر پھیل جائینگے اور اپنی کثرت کی وجہ سے ایک دوسرے میں اِسطرح ٹھاٹھیں مار مار کر گھُسینگے، جیسے بھنور میں پانی ایک طرف سے دوسری طرف چڑھتا ہے۔ کیونکہ مَوج پانی کی لہر اور گرداب کو کہتے ہیں، اور یہ صورت یاجوج ماجوج کی کثرت اور سُرعتِ نقل و حرکت بتانے کیلئے ہے۔ اِسی بات کو سُورتِ انبیاءؑ میں مِنْ كُلِّ حَدَبٍ يَنْسِلُونَ سے بیان کیا گیا ہے۔ یعنے یاجوج و ماجوج ہر بلندی سے نہایت تیزی سے دوڑینگے۔ اور حدیثِ صحیح مسلم سے یہ بھی ظاہر ہے۔ کہ یاجوج ماجوج کی اِس تیز روی اور گردابی گردش کے وقت حضرت عیسٰے علیہ السلام کا نزول ہوچکا ہوگا - چنانچہ اِسکی کیفیت دجّال اکبر کے قتل کے ذکر کے بعد یوں مرقوم ہے۔

"پھر حضرت عیسٰے کے پاس ایک ایسی قوم آئیگی، جنکو خداوند تعالےٰ نے دجال سے بچالیا ہوگا پس آپ اُن کے چہروں سے غبار"
"جھاڑینگے، اور اُنکو جنت میں اُنکے درجے بتائینگے، پس جب آپ اِس حال میں ہونگے۔ اُس وقت اللہ تعالےٰ حضرت عیسٰے"
"علیہ السلام کیطرف وحی کریگا۔ کہ یعنے اپنے ایسے بندے چھوڑے ہیں کہ کسی کو اُن سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں، پس تم میرے"
"مومن بندوں کو کوہِ طور پر لیجاکر محفوظ کرلو - اور خدا تعالےٰ یاجوج و ماجوج کو ظاہر کریگا اور وہ ہر بلندی سے تیزی"
"سے دوڑینگے،" الحدیث [1] (انتہٰی مترجماً)

یہ حدیث بہت لمبی ہے۔ اِس میں ذکر بالا کے بعد یاجوج ماجوج کے فتنہ اور غرور و تکبر اور پھر اُن کی یکدم ہلاکت کا بھی ذکر ہے اور پھر اُنکی لاشوں کی بدبو سے اہل زمین کی تنگی اور حضرت عیسٰےؑ کا دُعا کرنا اور خدا تعالےٰ کا ایسے جانوروں کا بھیجنا اور اُن کا اُنکی لاشیں اُٹھا کر لیجانا اور ایک عام بارش سے خدا تعالےٰ کا زمین کو اُنکی بدبو سے پاک صاف کرنا اور عام نباتات اور ثمرات کا کثرت سے پیدا ہونا اور دنیا میں برکت کا پھیل جانا سب کچھ مذکور ہے۔ پھر خدا جانے کتنی مدت اِسکے بعد خلقت کا نیکی پر قائم رہنا اور پھر ایک نہایت پاکیزہ ہوا کا چلنا، جِس سے ہر ایماندار شخص کی روح کا قبض ہوجانا اور دُنیا جہان میں صرف بُرے لوگوں کا باقی رہجانا اور اُن پر قیامت کا قائم ہونا یعنے اُنکی اِسی حالت پر دنیا کا فنا ہونا اور پھر اِس کے بعد قیامت کا قائم ہونا بالصراحت مذکور ہے۔ چنانچہ خاتمہ روایت یوں ہے۔ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَلِكَ إِذْ بَعَثَ اللّٰهُ رِيحًا طَيِّبَةً یعنے جب لوگ ایسی ایسی برکتوں میں جو حدیث میں مذکور ہیں زندگی گذار رہے ہونگے۔ اُسوقت اللہ تعالیٰ ایک نہایت پاکیزہ ہوا چھوڑیگا۔ فَتَأْخُذُهُمْ تَحْتَ آبَاطِهِمْ یعنے پس پکڑیگی اُن کو اُنکی بغلوں کے نیچے، یعنے وہاں پر لگیگی۔ فَتَقْبِضُ رُوحَ كُلِّ مُؤْمِنٍ وَكُلِّ مُسْلِمٍ یعنے پس قبض کریگی وہ ہوا روح ہر مومن اور ہر مسلم کی، وَيَبْقَى شِرَارُ النَّاسِ یعنے تمام مومنوں کے فوت ہوجانے کے بعد صرف بُرے لوگ باقی رہجائینگے۔ يَتَهَارَجُونَ فِيهَا تَهَارُجَ الْحُمُرِ یعنے شرم حیا دنیا سے ایسی اُٹھ جائیگی، کہ وہ بُرے لوگ (نہایت بیشرمی سے) رستوں میں گدھوں کی طرح عورتوں

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۰۱، ومشکوٰۃ صفحہ ۴۶۵ / ۴۷۳ ، ۱۲ منہ

سے جماع کرینگے۔ فَعَلَيْهِمْ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یعنے پس اُن لوگوں پر قیامت قائم ہوگی، یعنے اُن لوگوں کے وقت میں دُنیا فنا کر دیجائیگی، جس کے بعد قیامت قائم ہوگی۔

اسکی تائید میں صحیح مسلم کی وہ حدیثیں بھی یاد رکھیں جو مشکوٰۃ شریف کے بَابُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ النَّاسِ[۴۷۲] میں منقول ہیں۔ جن میں مذکور ہے کہ قربِ قیامت میں دُنیا کی حالت ایسی ہو جائیگی۔ کہ واقعی وہ فنا کر دیجائے۔ کیونکہ اُسوقت تمام جہان میں کوئی شخص بھی خدا کا نام لیوا نہ رہیگا۔ اِن احادیث کا خلاصہ یہ ہے:۔

(۱) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ عَلٰى اَحَدٍ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَللّٰهُ (رواہ مسلم) یعنے قیامت قائم نہیں ہوگی اُس شخص پر جو کہیگا اللہ! اللہ!

(۲) لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى شِرَارِ الْخَلْقِ (رواہ مسلم) یعنے قیامت قائم نہیں ہوگی مگر اوپر سب خلقت میں سے بُرے لوگوں کے۔

(۳) اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، کہ یعنے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا، لَا يَذْهَبُ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ حَتّٰى يُعْبَدَ اللَّاتُ وَ الْعُزّٰى الحدیث (رواہ مسلم) یعنے رات اور دن نہیں جائینگے (یعنے اِن کا دورہ ختم ہو کر فنا نہیں ہوگا) حتّٰے کہ پھر لات اور عزّیٰ (بُتوں) کی عبادت کی جائے۔ الحدیث۔

اسی حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر آنحضرت صلعم نے فرمایا:۔

"دینِ اسلام غالب رہیگا جبتک خدا چاہیگا۔ پھر بھیجے گا خدا تعالے ایک پاک ہوا۔ پس قبض ہو جائیگا ہر وہ شخص جسکو دل میں"
"رائی کے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اور باقی رہجائیگا وہ جسمیں کوئی خیر (نیکی) نہیں ہوگی۔ پس وہ لوگ اپنے آبائی دین کی طرف مرتد ہو جائینگے"

(۴) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خروجِ دجال اکبر کی خبر دی کہ وہ زمین میں چالیس دن رہیگا۔

"پس بھیجیگا اللہ تعالیٰ عیسےٰ بن مریم کو، × × × پس آپ دجال کو قتل کرینگے، پھر رہینگے آپ سات سال کہ دو شخصوں کے درمیان کوئی"
"عداوت نہیں ہوگی۔ پھر بھیجیگا اللہ تعالیٰ ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے پس نہ باقی رہیگا روئے زمین پر کوئی جسکے دل میں ذرہ بھر بھی"
"ایمان ہوگا۔ مگر قبض کرلیگی وہ ہوا اُسکو × × × پس باقی رہجائینگے شرار الناس یعنے سب سے بُرے لوگ جو (تقاضائے شہوت"
"میں پرندوں کی طرح تیز ہونگے) نہ نیکی کو نیک جانینگے اور نہ بُرائی کو بُرا مانینگے، پس شیطان انسانی صورت میں ہو کر اُنکے سامنے آئیگا"
"اور کہیگا:" کیا تمکو شرم نہیں آتی؟" وہ لوگ کہینگے آپ کیا فرماتے ہیں؟ شیطان اُن کو بُتوں کی عبادت کا امر کریگا۔ اور وہ اُس (بُت"
"پرستی کی) حالت میں دودھ کی کثرت اور گذران کی خوبی میں ہونگے۔ پھر پھونکا جائیگا۔ قرنا میں، الحدیث رواہ مسلم (یعنے فنائے عالم کا ہوگا)"

احادیث کی تفصیل بالا کو ذہن میں رکھکر موجودہ زمانہ کے حالات پر نظر کریں، کہ کیا یہ اُمور بموجب بیانِ احادیث واقع ہو چکے ہیں؟ آپ کی بے لاگ ضمیر بھی شہادت دیگی۔ کہ ہرگز نہیں۔ لیکن پھر بھی مصنفین مُدت سے چیخ رہے ہیں کہ یاجوج ماجوج کا خروج ہو چکا ہے۔[۵]

---

[۵] مولانا ابو الکلام آزاد صاحب علم صرف و نحو اور سیاق و سباق قرآن اور احادیث نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قیود سے آزاد ہو کر فرماتے ہیں: "چنانچہ قرآن نے سورۂ انبیاء میں اُن کے جس خروج کی خبر دی ہے۔ وہ منگولیا کے تاتاریوں کا آخری خروج تھا" (ترجمان جلد ۲ ص ۴۲۳) مولانا صاحب کے لفظ "تھا" سے صاف ظاہر ہے کہ اُن کے نزدیک یہ واقعہ ہو چکا ہے حالانکہ ابھی نہیں ہوا بلکہ فنائے عالم کے قریب ہوگا۔

کیونکہ روس اور انگریز ایک دوسرے پر تغلب حاصل کرنے کے درپے ہیں[1] کہ حکیم نورالدین صاحب قادیانی نے یہ تو لکھدیا
کہ بہت ہی قریب ہے۔ کہ روس اور انگریز آپس میں اُلجھ پڑیں۔ لیکن ایک کسر رہ گئی تھی کہ یاجوج وماجوج کے خروج سے پیشتر حضرت
عیسٰے نبی اللہ علیہ السلام کا نزول ضروری تھا۔ جو واقع نہیں ہوا تھا۔ سو اسے مرزا جی نے خود عیسویّت کا دعوٰے کرکے پورا کردیا۔ اور
بغیر روس وانگریزوں کی لڑائی چھڑنے کے یاجوج وماجوج کا خروج واقع ہوگیا۔ نہ ہینگ لگی نہ پھٹکڑی۔ حکیم صاحب کو یہ لکھے
ہوئے نصف صدی سے زیادہ عرصہ گذر گیا ہے۔ اور وہ لڑائی ابتک نہیں ہوئی۔ اور مرزا صاحب مسیح بنکر ۴۳ سال ہوئے اِس
دُنیا سے رخصت بھی ہوچکے ہیں۔ اب چاہیئے تو یہ تھا۔ کہ شام کی طرف سے ٹھنڈی اور پاک ہوا چلتی جس سے تمام احمدی (مرزائی) جو
اکیلے مومن ہونیکے مدعی ہیں۔ زمین کی پشت سے اپنا بوجھ اُتار کر زیر زمین دفن ہوجاتے اور صرف دیگر لوگ جو اُنکے نزدیک شرار الناس ہیں
باقی رہجاتے۔ لیکن یہ بھی نہیں ہُوا۔ تو پھر احادیثِ صحیحہ کی تصریحات کہاں گئیں۔ ہم تو خدا لگتی ایک ہی کہتے ہیں۔ کہ اگر یہ احادیث
صحیح ہیں۔ تو لازماً مرزا جی اپنے دعاوی مخصوصہ میں باطل پر تھے۔ اور اگر معاذ اللہ ہم مرزا جی کی تصدیق کریں۔ تو لازماً اِن احادیث سے
انکار کرنا پڑے گا۔ یا منافقانہ طور پر اقرار کرکے مرزا جی کی خاطر اُن کے معانی کو بگاڑنا پڑے گا۔ اور یہ دونوں باتیں ملحدانہ روش کی ہیں
واللہ الھادی۔ پس صحیح وہی ہے جو ائمہ **محدثین** کا مذہب ہے۔ رزقنا اللہ اتباعھم۔ آمین

تطبیق دیگر آپ اِس بات کو اِس طرح بھی سمجھ سکتے ہیں۔ کہ جملہ اہل عقل کے نزدیک مسلّم ہے اِذَا ثَبَتَ الشَّیْءُ ثَبَتَ بِلَوَازِمِہٖ یعنی جب
کوئی شے ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔ ایسا نہیں ہوسکتا کہ کوئی شے ثابت ہو اور اس کے لوازمات و
نتائج ضروریہ ثابت نہ ہوں۔ اور نہ ایسا ہوسکتا ہے۔ کہ کسی شے کے لوازمات ونتائج ضروریہ پائے تو نہ جائیں لیکن ہم اُس شے کو ثابت
وتحقق شمار کرلیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھکر ذیل کی سطروں کو غور سے پڑھیں:۔
"اگر بحسبِ اِدّعائے خود جناب مرزا صاحب آنجہانی مسیح موعود ہیں، اور روس وانگریز یاجوج وماجوج ہیں۔ تو

---

[1] حکیم نورالدین صاحب قادیانی فرماتے ہیں "اب یہ دونوں قومیں یاجوج (روس) ماجوج (انگریز) کیسے نزدیک آپہونچے ہیں۔ اور بہت ہی قریب ہے
کہ دونوں آپس میں اُلجھ پڑیں۔ اور قرآن کریم کا یہ فرمانا وَتَرَکْنَا بَعْضَھُمْ یَمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ جو ہمیشہ سے صادق ہے۔ تمام
آنکھوں کو اپنی سچائی دکھادے۔ (تصدیق براہین احمدیہ ص۱۷۴)

اپنے علمی راہنما کی پیروی میں خود مرزا صاحب قادیانی یوں رقمطراز ہیں "لیکن خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں
خروج کرینگی۔ یعنے اپنی جلالی قوت کے ساتھ ظاہر ہونگی۔ جیسا کہ سورت کہف میں فرماتا ہے۔ وَتَرَکْنَا بَعْضَھُمْ یَمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ
یعنے یہ قومیں دوسروں کو مغلوب کرکے پھر ایکدوسرے پر حملہ کریں گی۔ اور جس کو خدا تعالےٰ چاہے گا فتح دیگا
چونکہ اِن دونوں قوموں سے مراد انگریز اور روس ہیں۔ اسلئے ہر سعادتمند مسلمان کو دُعا کرنی چاہیئے۔ کہ اس وقت انگریزوں
کو فتح ہو۔ کیونکہ یہ لوگ ہمارے محسن ہیں۔ اور سلطنت برطانیہ کے ہمارے سر پر بہت احسان ہیں۔ سخت جاہل اور سخت نادان
اور سخت نالائق وہ مسلمان ہے۔ جو اس گورنمنٹ سے کینہ رکھتے۔ اگر ہم ان کا شکر نہ کریں۔ تو پھر ہم خدا تعالےٰ کے بھی ناشکر گذار
ہیں کیونکہ ہمنے جو اس گورنمنٹ کے زیر سایہ آرام پایا اور پارہے ہیں۔ وہ آرام ہم کسی اسلامی گورنمنٹ میں بھی نہیں
پاسکتے۔ ہرگز نہیں پاسکتے۔" (ازالہ اوہام مصنفہ مرزا صاحب قادیانی جلد ۲ تقطیع کلاں ص۲۵۵ مطبوعہ ۱۹- اپریل ۱۹۰۲ء
بمطبع انوار احمدیہ قادیاں)

"اوّلاً یہ ضروری تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ احمدیوں (مرزائیوں) کو یاجوج و ماجوج کے فتنہ سے محفوظ رکھنے کے لئے مرزا صاحب "کو بموجب حدیث صحیح مسلم کے وحی کرتا کہ میرے (احمدی) بندوں کو کوہِ طور پر لیجایئے۔ لیکن مرزا صاحب کو ایسی وحی کوئی "نہیں ہوئی۔ بلکہ اس کے بالکل خلاف مرزا صاحب اپنے لئے اور اپنی جماعت کیلئے انہی یاجوج (انگریزوں) کی حمایت "و حفاظت طلب کرتے رہے۔ ملاحظہ ہو درخواست مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بحضور نواب لفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب مندرجہ "تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ ۲۰)

"ثانیاً یہ کہ روسی افواجِ قاہرہ (ماجوج) مرزاجی کی بددعا سے مدت سے فنا ہو گئی ہوتیں۔ لیکن روسی اُلٹے زور پکڑ رہے ہیں"

"ثالثاً یہ کہ مرزاجی انگریزوں کے حق میں بھی بددعا کرتے اور وہ بھی یکدم ہلاک و تباہ ہو گئے ہوتے نہ یہ کہ مرزاجی انگریزوں کیلئے "فتحمندی و ترقی اقبال و دولت و مال اور وسعتِ حکومت و سلطنت کیلئے دعائیں کرتے رہتے۔ بلکہ مرزاجی تو لکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے "مجھے الہام میں ارشاد فرمایا کہ اس گورنمنٹ کے اقبال اور شوکت میں تیرے وجود اور تیری دعا کا اثر ہے۔ اور اسکی فتوحات "تیرے سبب سے ہیں"۔ [1]

"اور مزید برآں فرماتے ہیں:-"

"کیا آپ لوگ چاہتے نہیں کہ اس محسن گورنمنٹ کا ان تمام تعریفوں کے ساتھ دنیا میں نام پھیلے اور اسکی محبت دور دور تک دلوں میں جاگزیں ہو۔" [2]

جب واقعات و نتائج جو بموجب احادیثِ صحیحہ کے لازماً وقوع میں آنے چاہیئے تھے۔ واقع نہیں ہوئے۔ تو کون کہہ سکتا ہے کہ مرزا صاحب اپنے ادعائے مسیحیت اور شناختِ زمانۂ خروجِ یاجوج و ماجوج میں راستی پہ تھے

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم ۔۔۔ چنانکہ حرفِ عصا گفت موسیٰ اندر طور

تم و للحمد للہ

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿۱۰۰﴾ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ

اور پھونکا جائیگا قرنا میں، پس ہم جمع کر لینگے اُن سب کو ۱۰۰ اور سامنے لائینگے ہم جہنم کو اس روز

لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا ﴿۱۰۱﴾ ۱۸۶

کافروں کے لئے سچ مچ سامنے لانا ۱۰۱

۱۸۶ اس مقام پر تین امر ذکر کئے گئے ہیں۔ نفخِ صور[1]۔ جمعِ خلقت[2]، اور جہنم کا سامنے لانا[3]۔ یہ تینوں باتیں قیامت کے متعلق ہیں۔ پہلی بات یعنی نفخۂ صور کا بیان اس طرح ہے۔ کہ نفخے چار ہیں۔ اوّل[1] فنائے عالم کا، دوسرا[2] قیام قیامت کا تیسرا[3] عرصات (محشر) میں بیہوشی کا، اور چوتھا[4] اس بیہوشی سے افاقہ کا بعد ازاں محاسبۂ اعمال اور دخولِ جنت

[1] اشتہار مرزا صاحب قادیانی مورخہ ۲۲ مارچ ۱۸۹۰ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہشتم صفحہ ۶۹، ۱۲ منہ [2] فریاد درد، مصنفہ مرزا صاحب قادیانی صفحہ ۳۳، ۱۲ منہ

دوزخ کا فیصلہ ہے۔ اَللّٰھُمَّ حَاسِبْنَا حِسَابًا یَّسِیْرًا وَّاَدْخِلْنَا بِفَضْلِکَ جَنَّتَکَ جَنَّۃَ الْفِرْدَوْسِ، آمین،
اِن سب کا ذکر قرآن وحدیث میں متفرق مقامات پر وارد ہے۔ لیکن اِس مقام پر یعنے سورتِ کہف میں نفخہ ثانیہ یعنے قیامِ قیامت کا نفخہ مُراد ہے۔ کیونکہ اِس کے بعد فَجَمَعْنٰھُمْ وارد ہے جس سے مُراد محشر میں حساب کے لئے جمع کرنا ہے۔ چنانچہ تفسیر جامع البیان میں ہے۔ وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ قَرْنٌ یَنْفُخُ فِیْہِ اِسْرَافِیْلُ لِقِیَامِ السَّاعَۃِ فَجَمَعْنٰھُمْ جَمْعًا لِلْحِسَابِ ۱۲ یعنے پھونکا جائیگا قرنا میں۔ قرنا نرسنگا ہے۔ جس میں حضرت اسرافیلؑ (فرشتہ) قیامِ قیامت کیلئے پھونکیگا۔ پس ہم ان کو حساب کے لئے جمع کرینگے۔ لوگوں کو جمع کرنے کیلئے بِگل یا نرسنگا بجایا جاتا ہے۔ اِسی طرح یہ بھی ہوگا۔ لوگوں کے نرسنگے اور خدا کے اِس نرسنگے یا بِگل میں فرق ہے۔ کہ لوگ صرف زندہ اور باہوش لوگوں کو جمع کرسکتے ہیں۔ لیکن خدا کے نزدیک مُردہ اور زندہ ایک جیسے ہیں۔ اسلئے مُردے زندہ ہوکر اُدھر کو جدھر سے آواز آتی ہوگی۔ دوڑتے چلے جائینگے۔ جیساکہ سُورت یٰسٓ میں فرمایا وَنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَاِذَا ھُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰی رَبِّھِمْ یَنْسِلُوْنَ (پ۲۳) یعنے اور پھونکا جائیگا قرنا میں پس لوگ فوراً قبروں سے نکلکر اپنے ربّ کی طرف دوڑتے چلے جائینگے۔ اِس طرح کی اور آیات بھی ہیں۔ لیکن ہم بنظرِ اختصار نقل نہیں کرسکتے۔ اور اِس نفخہ سے مُردوں میں جو جان پڑجائیگی۔ تو یہ اُسی طرح ہے۔ جیسے حضرت عیسٰے علیٰ نبینا وعلیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے نفخے سے مٹی کے جانوروں میں جان پڑجاتی تھی۔ جو تیسرے اور ساتویں پارے میں مذکور ہے۔ پس اِن باتوں میں جو قرآن شریف کی آیات اور احادیث صحیحہ کی نصوصِ صریحات سے ثابت ہوں، شک نہیں کرنا چاہئے۔ اور نہ اُن میں تاویلات کی گنجائش ہے نہ کوئی حاجت ہے۔ ورنہ خود قیامت بھی تو منکرین کیلئے ہمیشہ موجبِ تعجب ہی ہے۔ اور اب تک ہے۔ پس اگر اُن کے لئے روزِ قیامت کے احوال و اہوال بھی تعجبناک ہوں۔ تو ایک مومن کیلئے تعجبناک نہیں ہیں۔ بلکہ مومن کو منکرین کی عقل پر تعجب کرنا چاہئے۔ کہ وہ خدائے قدیر کی قُدرت کے سامنے کوئی بات انہونی کیوں سمجھتے ہیں جیسا کہ فرمایا۔ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُھُمْ ءَاِذَا کُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ۵ (رعد پ۱۳) یعنے اے پیغمبر! اگر تو تعجب کرے۔ تو واقعی اُنکی یہ بات قابلِ تعجب ہے۔ جو وہ کہتے ہیں کہ کیا جب ہم (مرکر) مٹی ہوجائینگے تو کیا ہم ضرور ضرور نئی پیدائش میں (زندہ) ہونگے؟ ۱،
اِسیطرح اِسکے بعد جو عَرَضْنَا جَھَنَّمَ وارد ہے۔ وہ بھی اُسی طرح حقّ کائن ہے۔ جس طرح خدا تعالےٰ اور اُس کے رسول پاکؐ نے فرمایا۔ کہ دوزخ سامنے لایا جائیگا۔ یہ امر قرآن وحدیث میں صاف صاف مذکور ہے۔ چنانچہ فرمایا وَجِایْٓءَ یَوْمَئِذٍ بِجَھَنَّمَ (الفجر پ۳۰) یعنے لایا جائیگا جہنم کو، اور صحیح مسلم میں اُسکی کیفیت مفصّل مذکور ہے وَکَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا (کہف پ۱۵)

اَلَّذِیْنَ کَانَتْ اَعْیُنُھُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِکْرِیْ
وہ (کافر) کہ تھیں آنکھیں اُنکی پردے میں میرے ذکر سے اور

وَکَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا ﴿۱۰۱﴾
اور نہ طاقت رکھتے تھے سُننے کی (حاشیہ متعلق نمبر ۱۰۱ صفحہ ہذا پر دیکھو)

حاصل آدمی کے ظاہری حواسِ خمسہ میں سے دو حِسّیں علم حاصل کرنے میں نہایت مفید و کار آمد ہیں۔ اوّل باصرہ یعنے دیکھنے کی حِس، جو آنکھوں کے متعلق ہے۔ دوسری سامِعہ یعنے سُننے کی، جو کانوں کے متعلق ہے۔ یہ دونوں بیکار ہو جائیں، تو انسان حیوان لایعقل بلکہ اُن سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ فرمایا لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (اعراف پ۹) یعنے اُنکے دل تو ہیں (لیکن) اُن سے سمجھتے نہیں اور اُنکی آنکھیں بھی ہیں (لیکن) اُن سے دیکھتے نہیں۔ اور اُن کے کان بھی ہیں (لیکن) اُن سے سُنتے نہیں۔ وہ مثل چوپائیوں کے ہیں بلکہ وہ (اُنسے بھی) گمراہ تر ہیں۔ یہی وہ ہیں جو غافل ہیں۔

توضیح انسان یا تو اپنی آنکھ سے دیکھ کر سمجھتا ہے۔ سو اسکے لئے بصارت (بینائی) کی ضرورت ہے۔ اور یا دوسرے سے سُنکر نصیحت حاصل کرتا ہے۔ اِسکے لئے سماعت (شنوائی) کی حاجت ہے۔ جس میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں۔ اُسکے راہ پر آنے کی کیا صورت ہے؟ چنانچہ ایسے لوگ قیامت کے دن جب دوزخ میں ڈالے جائینگے۔ تو حسرت کھائینگے۔ وَقَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ أَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِي أَصْحَابِ السَّعِيرِ (مُلک پ۲۹) یعنے اور کہینگے کہ اگر ہم (انبیاء کی) سُنتے یا ہم (خود ہی) عقل کرتے تو (آج) ہم دوزخ والوں میں نہ ہوتے۔

اِس مضمون کو دیگر مقامات پر بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ ضدی منکر نہ دیکھتے ہیں نہ سُنتے ہیں۔ چنانچہ سورتِ ھُود میں فرمایا:۔
مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوا يُبْصِرُونَ (ھود پ۱۲) یعنے (نہ) سُن سکتے تھے اور نہ (خود) دیکھتے تھے۔

اسیطرح آیات ذیل میں فرمایا:۔
(۱) صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (بقرہ پ۱) (وہ) بہرے، گونگے (اور) اندھے (ہیں) پس وہ رجوع نہیں کرینگے۔
(۲) صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ (بقرہ پ۲) (وہ) بہرے، گونگے (اور) اندھے (ہیں) پس وہ سمجھتے نہیں۔
(۳) وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمٌّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ (انعام پ۷) (اور) جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو (وہ) بہرے اور گونگے (کئی قسم کے) اندھیروں میں (پڑے ہوئے) ہیں۔

تنبیہ اِن آیات میں منکرین کو جو اندھا اور بہرہ اور گونگا کہا گیا ہے۔ تو باطنی وقلبی صفات کے لحاظ سے کہا گیا ہے نہ کہ ظاہری بینائی اور شنوائی اور گویائی کے لحاظ سے کیونکہ ہر سہ مقامات پر اِن آیات سے پہلے **ہدایتِ الٰہی** کا ذکر ہے۔ جسے اُنہوں نے قبول نہ کیا تو اُنکے حال کو اِن مسلوب الحواس اشخاص سے تشبیہ دیگئی، جیسا کہ سورۂ اعراف کی آیت میں جو اوپر مذکور ہو چکی ہے۔ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا اور لَا يُبْصِرُونَ بِهَا اور لَا يَسْمَعُونَ بِهَا صریحًا مرقوم ہیں۔

سوال:۔ سورت کہف کی اِس آیت میں جسکی تفسیر ہو رہی ہے۔ فرمایا كَانُوا لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا، اور اِسی طرح سورتِ ھود کی آیت میں بھی فرمایا:۔ مَا كَانُوا يَسْتَطِيعُونَ السَّمْعَ یعنے وہ سُننے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ جب اُن میں سُننے کی طاقت ہی نہیں تو پھر اُنپر الزام کیسا؟ کیونکہ احکام شریعت کے متعلق خدا تعالےٰ کا عام قانون ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

جواب:۔ عدم استطاعت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک وہ جس کے رُو سے سائل کا سوال وارد ہوتا ہے۔ یعنی ناقابلیت

کہتے ہیں۔ یعنے خداتعالےٰ نے اُن میں قابلیّت پیدا ہی نہ کی ہو۔ ایسی ہی صورت کیلئے فرمایا ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ کہ خداتعالےٰ کسی کو اُسکی وُسعت سے بڑھکر (شرعی حکم کی) تکلیف نہیں دیتا، کیونکہ طاقت وقابلیّت ہی کی بنا پر خدا کی حجّت پوری ہوتی ہے اور یہ صورت سورت کہف اور سورت ہُود کی آیات میں مُراد نہیں ہے۔

دوسری صورت یہ کہ خداتعالےٰ نے تو قابلیت بخشی تھی۔ لیکن اُنہوں نے نافرمانی اور بُری روش سے اُسے ضائع کردیا۔ ایسی صورت میں اتمام حجّت کے بعد وہ ضرور ضرور ملزم ہیں۔

تیسری صورت یہ ہے۔ کہ قابلیّت بحال ہے۔ لیکن ضد اور تعصّب کی وجہ سے انبیاء علیہم السّلام اور اُن کے خلفائے صالحین کی موعظت وتذکیر سننے کو برداشت نہیں کرتے۔ بلکہ اُلٹے اُن پر موذیانہ وقاتلانہ حملے کرتے ہیں۔ چنانچہ ایسے لوگوں کے حال میں فرمایا:- وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا الآیہ (۲۲ پ) یعنے اور جب پڑھی جاتی ہیں اوپر ان کے ہماری آیاتِ بیّنات تو (اے پیغمبر) تو پہچان لیتا ہے۔ اِن کفار کے چہروں پر ناخوشی قریب ہو جاتے ہیں کہ حملہ کردیں اُن پر جو پڑھتے ہیں اُن پر ہماری آیتیں۔ الآیہ

اِس تفصیل سے صاف طور پر سمجھ میں آسکتا ہے۔ کہ سورتِ کہف اور سُورتِ ھُودؔ اور اِس قسم کی دیگر آیات میں یہی دو صورتیں مراد ہیں جنکے رُو سے خداتعالےٰ انکو ملزم گردان رہا ہے۔ اور اِن صورتوں پر سوال مذکور وارد نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ تفسیر سراج منیر میں سورت کہف کی آیت زیرِ تفسیر وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا کی تفسیر یوں کی ہے۔ اَیْ لَا يَقْدِرُوْنَ اَنْ يَّسْمَعُوْا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ بُغْضًا لَّهٗ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یعنے نہیں برداشت کرسکتے اُسکو جو کچھ کہ پڑھتے ہیں اُن پر نبی کریم صلّے اللہ علیہ وسلم بوجہ آپ سے بغض رکھنے کے پس وہ آپ پر ایمان بھی نہیں لاتے۔ (اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا قُبُوْلَ الْهِدَايَةِ)

۱۸۸ اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ط

تو کیا گمان کر رکھا ہے اُن لوگوں نے جنہوں نے کفر اختیار کرلیا کہ پکڑ لیںگے وہ میرے بندوں کو سوا میرے کارساز

آیت ۱۸۸۔ حل ترکیب:- اَفَحَسِبَ کا ہمزہ استفہام انکار کیلئے ہے یعنے ایسا گمان غلط ہے۔ اور عِبَادِيْ مفعول اوّل ہے يَتَّخِذُوْا کا، اور اَوْلِيَآءَ اِس کا مفعول ثانی ہے۔ اور مِنْ دُوْنِيْ یا تو عِبَادِيْ کی صفت ہے یا يَتَّخِذُوْا کے متعلق ظرف ہے۔ اور حَسِبَ کا مفعول اوّل جملہ اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ ہے۔ اور اس کا مفعول ثانی بنا بر قرینہ نَافِعًا وغیرہ محذوف ہے۔ (تفسیر جامع البیان وغیرہ) یا جملہ اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ ہی قائم مقام دو مفعول کے ہے۔ (حاشیہ جلالین) اور اسکا اَنْ مصدریہ ہے۔ (۱۹۵ حاشیہ متعلقہ نمبر ۱۸۶ پڑھ دیکھو)

؎ جیسا کہ ۹ شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو ایک بدعتی نے حضرت مولانا ثناء اللہ صاحب فاضل امرتسری دامت برکاتہم پر جبکہ آپ عرسوں کی رسوم شرکیہ وبدعیہ کی تردید اور توحید وسنت کی تائید کیلئے وعظ فرمانے جارہے تھے، اچانک قاتلانہ حملہ کردیا۔ الحمد للہ تعالےٰ نے اپنے فضل وکرم سے آنجناب کو اُسکے ارادہ بد سے بچالیا۔ اَللّٰهُمَّ احْفَظْهُ بِالْاِسْلَامِ قَاعِدًا وَّقَائِمًا ۱۲ میر سیالکوٹی عفی عنہ

توضیح حاصل مطلب اِس آیت کا یہ ہے۔ کہ کیا اِن کُفّار نے یہ سمجھ رکھا ہے۔ کہ اِن کا میرے سوا میرے بندوں کو معبود و مدد گار بنا لینا اُن کیلئے کچھ مفید و نافع ہوگا۔ اور وہ اِس طریق سے میرے عذاب سے بچ جائینگے؟ سو اِن کا یہ گمان غلط ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ اِسی طرح سورۂ مریم پ۱۶ میں فرمایا:۔

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۝ كَلَّا ۭ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۝ (مریم پ۱۶)

اور پکڑے انہوں نے سوائے خدا کے کئی معبود تاکہ ہوں وہ اُنکے لئے باعث عزت ہرگز نہیں ہوگا عنقریب (قیامت کو) وہ اُن کے عبادت کرنے سے انکار کر دینگے۔ اور اُن کے مخالف ہو جائینگے۔

تفسیر اسجگہ عِبَادِیْ سے مُراد وہ بندگانِ خدا مُراد ہیں۔ جنکو مشرکوں نے از خود اپنے اُمور میں متصرف جانکر اپنے حامی و مددگار اور مشکل کشا و حاجت روا سمجھ رکھا ہے۔ اور اِسی خیال باطل سے وہ اُنکی عبادت کرتے۔ اُن کے نام کے ورد وظیفے کرتے اُن سے حاجتیں طلب کرتے۔ مشکلات میں اُنکو پکارتے، اور اُن کے نام کی نذریں نیازیں چڑھاتے ہیں، چاہے وہ بندگانِ خدا انبیاء ہیں۔ چاہے اولیاء و صُلحاء، چاہے فرشتے، چاہے جنّات، چاہے شیاطین، چاہے کوئی اور، چاہے وہ زمین میں ہیں چاہے آسمان پر، چاہے زندہ ہیں، چاہے مُردہ، چاہے جاندار ہیں۔ چاہے بیجان، سب اِس میں داخل ہیں۔ کیونکہ سب زندہ و مُردہ، اور سب فرشی و فلکی، اور سب خاکی و نوری و ناری، اور سب انبیاء و اولیاء، اور سب فرشتے و شیاطین تمام کے تمام خدا کے بندے ہیں جیسا کہ فرمایا:۔

اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم پ۱۶)

نہیں کوئی جو آسمان میں اور زمین میں ہے۔ مگر آنیوالا ہے خدائے رحمٰن کے سامنے بندہ ہو کر۔

تفسیر جامع البیان وغیرہ میں سورت کہف کی اِسی آیت اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ کے ذیل میں عِبَادِیْ کی تفسیر میں کہا ہے۔ کَالْمَلٰٓئِكَةِ وَعِيْسٰى وَالشَّيَاطِيْنِ، یعنے مثل فرشتوں کی اور حضرت عیسےٰؑ کی اور شیاطین کی۔

نکتہ مشرک لوگ انبیاء و صُلحاء، اور ملائکہ کے متعلق جو کچھ شرک کرتے ہیں وہ تو اُن کے تقدّس و بزرگی، اور خدا رسی کے خیال سے کرتے ہیں۔ لیکن جو جنّات کے متعلق کرتے ہیں، سو اُنکے شر سے بچنے کیلئے کرتے ہیں۔ جیسا کہ سورہ جن پ۲۹ میں فرمایا:۔ وَاَنَّهٗ كَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ يَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ یعنے یہ کہ انسانوں میں سے بعض لوگ بعض جنّات کی پناہ پکڑا کرتے تھے۔

سو خدا تعالےٰ نے ہر ایک کے متعلقہ شرک کی تردید کیلئے قرآن شریف میں ایک ایک مستقل سورت نازل کی، مثلاً جو لوگ انبیاء و صُلحاء کے متعلق شرکی توہمات رکھتے ہیں، اُن کی تفہیم و اصلاح کے لئے سورتِ انبیاء (پ۱۷ میں) نازل کی، اور اُس میں اوّل تو یہ فرمایا:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (انبیاء پ۱۷)

اور اے پیغمبر! نہیں بھیجا ہمنے تجھسے پہلے کوئی رسول مگر ہم اُنکی طرف یہی وحی کرتے رہے ہیں کہ میرے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں بس میری ہی عبادت کرو۔

اور اُس کے بعد متواتر حضرات موسےٰ و ہارون علیہما السّلام اور حضرات ابراہیم و لوط علیہما السّلام اور حضرت نوح علیہ السلام

اور حضرات داؤد و سلیمان علیہما السلام، اور حضرات ایوب و یونس (ذوالنون) علیہما السلام اور حضرات زکریا و یحییٰ علیہما السلام کو ذکر کرکے اخیر میں فرمایا:-

اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ۭ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ (انبیاء پ۱۷)	بیشک یہ سب نیکیوں میں جلدی کرتے تھے اور ہمکو پکارتے تھے رغبت سے اور ڈر سے، اور ہمارے لئے متواضع (و فرمانبردار) تھے

ان میں سے بعض انبیاء علیہم السلام کے جزوی واقعات و مصائب بھی ذکر کئے ہیں جنمیں انہوں نے حصولِ مطلب اور دفعِ مصیبت کے لئے صرف خدائے واحد کو پکارا، گویا کہ انبیاء علیہم السلام کے عملیات سے بتا دیا، کہ اُن کا مذہب کیا تھا پس جب انبیاء علیہم السلام کا مذہب توحید الٰہی ٹھیرا، اور مشکلات کے وقت صرف خدا کو پکارنا ثابت ہوا، تو مشکلات و حاجات میں خدا کے سوا کسی اور کو پکارنا دین انبیاء کے خلاف ہوا مثلاً اسی سورت میں مذکور ہے۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے۔ تو خدا تعالیٰ نے اُن پر آگ کو سرد کر دیا، اور وہ اُس سے صاف صاف نکل گئے۔ اسکی نسبت اللہ تعالیٰ نے سورت عنکبوت پ۲۰ میں فرمایا:-

فَاَنْجٰىهُ اللّٰهُ مِنَ النَّارِ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (عنکبوت پ۲۰)	"پس بچا لیا اُسکو خدا نے اُس آگ سے، بیشک اُس میں مومن لوگوں کے لئے البتہ (خدا کی مدد اور قدرت کے) کئی ایک نشانات ہیں"

اسیطرح حضرت ایوب علیہ السلام سخت بیمار ہوئے تو انہوں نے بھی خدا تعالیٰ ہی کو پکار کر کہا:-

اَنِّىْ مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ (انبیاء پ۱۷)	بیشک مجھے پہنچی ہے سخت تکلیف (سخت بیماری) اور تو سب سے بڑھکر رحمت کرنیوالا ہے

خدا تعالیٰ نے ان کی پکار (دعا) سنی، اور اُنکو بیماری سے شفا دیدی، اس قبولیت کی نسبت خدا تعالیٰ نے فرمایا:- رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰي لِلْعٰبِدِيْنَ (انبیاء پ۱۷) یعنی یہ سب کچھ اپنی رحمت سے کیا، اور اپنے پرستاروں (عابدوں) کی یاد کے لئے ایسا کیا، کہ وہ بھی اپنی ایسی مشکلات میں ہم ہی کو پکارا کریں اور اُمید رکھیں کہ ہم اُنکی پکار (دعا) کو اپنی مہربانی سے قبول فرمایا کرینگے)

اسیطرح حضرت ذوالنون (یونس) علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں پڑے ہوئے یوں دعا کی:-

لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ڰ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ (انبیاء پ۱۷)	(خداوندا!) تیرے سوا کوئی الٰہ (دعا و عبادت کے لائق) نہیں تو پاک ہے بیشک میں ظالموں میں سے ہوگیا ہوں

خدا تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے انکی دعا قبول کی، اور اُن کو مچھلی کے پیٹ سے باہر کنارے پر لا پھینکا، اُسکی نسبت بھی فرمایا وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ یعنے جس طرح یونس علیہ السلام نے ہمکو پکارا تو ہمنے اُسکو اس مصیبت سے نجات دی۔ اسی طرح دیگر مومن بھی اپنی مشکلات و بلیات میں ہمکو پکاریں۔ تو ہم اُنکو بھی نجات دینگے۔

ان دعاؤں کی قبولیت کے متعلق جو خدا تعالیٰ ساتھ ساتھ یہ باتیں فرماتا ہے۔ تو اُن سے صاف صاف سمجھا جاسکتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ دیگر لوگوں کو بھی یہی تعلیم کرتا ہے۔ کہ تم بھی حاجات میں مجھ ہی کو پکارو، میرا مقرر کردہ دین اور میرے انبیاء علیہم السلام کا طریقِ عمل یہی ہے۔

(۲) عرب کے مشرک لوگ ملائکہ کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیکر اُنکی بھی عبادت کرتے تھے۔ سو اُن کے متعلق بھی خاص سورت نازل کی جس کا نام سورۂ فاطر اور سورۃ الملائکہ ہے (دیکھو پ۲۲) ان کی نسبت اس سورت کے شروع ہی میں فرمایا:-

جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا (پ۲۲ فاطر) یعنے خدا تعالےٰ (اپنے اور اپنے انبیاؑ کے درمیان) فرشتوں کو پیغام رسل بنانیوالا ہے۔ (کہ خدا تعالےٰ انکی طرف انکی معرفت وحی کرتا ہے) اس سے یہ سمجھایا کہ فرشتے معبود نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وُہ خدا تعالےٰ اور اُس کے بشری پیغمبروں کے درمیان قاصد و رسول ہیں۔ نیز سورہ سبا میں فرمایا:۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ يَقُولُ لِلْمَلٰٓئِكَةِ أَهٰٓؤُلَآءِ إِيَّاكُمْ كَانُوا يَعْبُدُونَ ○ قَالُوا سُبْحَانَكَ أَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُونِهِمْ ج بَلْ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْجِنَّ ج أَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُؤْمِنُونَ (سبا پ۲۲)

اور جس دن (خدا) ان سب کو جمع کرے گا۔ پھر ملائکہ سے فرمائیگا۔ کیا یہ لوگ تم کو پوجتے تھے؟ وہ کہینگے (خداوندا!) تو پاک ہے۔ ہمارا دوست تو تو ہی ہے یہ نہیں ہیں۔ بلکہ (اصل بات یہ ہے کہ) یہ جنّات کی پرستش کرتے تھے۔ ان میں کے اکثر انہی پر ایمان رکھنے والے ہیں۔

(۳) تیسری قسم کے مِنْ دُونِ اللہِ معبود **جنّات** ہیں۔ ان کے متعلق بھی خاص سورت نازل کی، جس کا نام سُورۃ الجِنّ ہے۔ اِس میں صاف صاف مذکور ہے کہ جنّات شرک سے تائب ہوکر قرآن و پیغمبرِ قرآن (صلے اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے، اور بعض بالنسان جو خطرات سے بچنے کے لئے سفر میں اُن کی پناہ چاہتے تھے۔ اُسکا ذکر مذمت سے کیا۔ اور اُنہوں نے صاف صاف کہدیا۔

إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا ○ يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهٖ ط وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا ○ (الجن پ۲۹)

بیشک سُنا ہمنے قرآن عجب (شان والا) جو راہ دکھاتا ہے بھلائی کی، پس ہم اُس پر ایمان لے آئے ہیں اور (ابتو) ہم ہرگز ہرگز اپنے پروردگار کیساتھ کسی کو بھی شریک نہیں بنائینگے

پس قرآن پر ایمان رکھتے ہوئے آدمی شرک کے بھنور میں مبتلا نہیں ہو سکتا، إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ۔ مگر وہ جو ظلم کرے اپنی جان پر۔ اِس ساری تفصیل سے واضح ہوگیا۔ کہ خدا تعالےٰ نے اپنے پاک کلام اور آخری پیغام قرآن شریف میں اُن تمام ہستیوں کے متعلق جنکو لوگ اپنے باطل خیالات سے معبودیت کا درجہ دیتے ہیں۔ الگ الگ سورتیں نازل کرکے شرک کی جڑھ کھود ڈالی ہے۔ اور قیامت کے دِن کی بابت خبر دیدی ہے۔ کہ وہ اُن سے بیزار ہوکر اپنی برارت ظاہر کر دینگے۔ چاہے وُہ خیالی معبود بنی آدم میں سے یعنے صلحاء ہیں چاہے نوری یعنے فرشتے ہیں۔ چاہے ناری یعنی جنّات کی جنس سے ہیں۔ چنانچہ عام طور پر سب ایسے معبودوں کی بابت فرمایا:

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ فَيَقُولُ ءَأَنْتُمْ أَضْلَلْتُمْ عِبَادِي هٰٓؤُلَآءِ أَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيلَ ○ قَالُوا سُبْحَانَكَ مَا كَانَ يَنْبَغِي لَنَا أَنْ نَتَّخِذَ مِنْ دُونِكَ مِنْ أَوْلِيَآءَ (فرقان پ۱۸)

اور جس دن جمع کرے گا ان کو اور انکو جنکی خدا کے سوا عبادت کرتے ہیں پس فرمائیگا کیا میرے ان بندوں کو تمنے گراہی میں ڈالا تھا۔ یا وہ خود رستہ بھول گئے تھے وہ کہینگے (خداوندا!) تو (شریک سے) پاک ہے۔ ہمیں تو لائق نہیں تھا کہ تیرے سوا کسی کو حامی و کارساز سمجھتے۔ (حاشیہ ص۱۸۹ ختم ہوا)

إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِينَ نُزُلًا (۱۰۳)

تحقیق تیار رکھا ہے ہمنے دوزخ واسطے کافروں کے بطور مہمانی کے ۱۰۳

ف۱۹۰ حلِّ لغات جَهَنَّمَ بعض اہل لغت اِسے مُعرّب کہتے ہیں۔ یعنے عجمی زبان (فارسی یا عبرانی) سے لیکر عربی صورت میں ڈھالا ہوا ہے۔ اور اکثر یہ کہتے ہیں۔ کہ نہیں یہ اصل ہی میں عربی ہے۔ مثلاً بولتے ہیں بِئْرٌ جَهَنَّمٌ یعنے کنوئیں جو بہت گہرا ہو۔ اور دوزخ کو بھی اُسکے نہایت گہرا ہونے

ف۱ جیسا کہ اوپر کی آیت میں فرشتوں کی زبانی مذکور ہے ۱۲ منہ

کی وجہ سے جَھَنَّمْ کہتے ہیں اور یہ لفظ بوجہ مؤنث (سماعی) اور معرفہ ہونے کے غیر منصرف ہے۔ اور جو اُسے عجمی کہتے ہیں وہ بوجہ تانیث اور عجمیت کے غیر منصرف کہتے ہیں۔ (لسان العرب)

۱۹۱ نُزُلًا۔ نَزِیْل مہمان کو کہتے ہیں، اور نُزُل اور نُزْل اُس شے کو جو مہمان کی ضیافت کے لئے تیار کیجائے، "یعنے مہمانی" یعنے کفار کی مہمانی جہنم سے کیجائیگی، اور بعض ائمہ لغت نے اسے بمعنے مَنْزِل بھی کہا ہے۔ یعنے کفار کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا۔ (لسان العرب)

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِيْنَ أَعْمَالًا ﴿۱۰۴﴾ ۱۹۲ الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ

(اے پیغمبر اِلسنہ) کہو کیا بتائیں ہم تمکو وہ لوگ جو بہت خسارے میں ہیں (اپنے اعمال میں) وہ لوگ کہ گم ہوگئی کوشش انکی

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿۱۰۵﴾ ۱۹۳

اِسی دُنیوی زندگی میں، اور وہ خیال کرتے ہیں کہ وہ کر رہے ہیں اچھے کام، ۱۰۵

۱۹۲ اَلْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا۔ بیوپار سے مقصود نفع کمانا ہوتا ہے۔ لیکن اگر نفع کی بجائے اصل راس المال میں کمی آجائے تو اُسی خُسران اور خسارہ کہتے ہیں۔ اور کل راس المال ہلاک ہوجائے تو بہت خسارہ ہُوا۔ اِسی لفظ خیال سے دُنیاداروں کو جو عاقبت سے غافل و بے پروا ہو کر دُنیائے دُون کے پیچھے مارے مارے پھرتے اور اپنی دماغی توجہ اور جسمانی قوت کو ہمہ تن دنیوی مقاصد ہی کی تحصیل میں لگائے رکھتے ہیں۔ اَلْاَخْسَرِيْنَ بصیغۂ اسم تفضیل کہا ہے کہ ایسے لوگ عالم عقبےٰ میں سب سے زیادہ خسارے میں رہینگے، کیونکہ اُنہوں نے عاقبت کے لئے تو کوئی کام کیا نہیں۔ جو کچھ کیا وہ سب دُنیا کے لئے کیا اور دنیا کی نیت کی محنت اور اُس محنت کی کمائی ہوئی دولت و حشمت عقبےٰ میں کچھ بھی کام آنیوالی نہیں پس بقاعدہ "ازیں سُو رانده وازاں سُو درمانده" دونوں جہانوں میں خائب و خاسر رہے۔ اعاذنا الله من ذالك،

یہ زندگی عاقبت کمانے کے لئے عطا ہوئی ہے۔ اور اِس میں اس زندگی کیلئے جو سعی و عمل کیا جاتا ہے۔ وہ صرف اسلئے ہے۔ کہ ہم گوشت پوست میں بہائم کی مثل ہیں پس ہمیں اِسکی پرورش کی بھی ضرورت ہے چنانچہ حدیث میں فرمایا۔ اَجْمِلُوْا فِیْ طَلَبِ الدُّنْيَا الحدیث ۱۲ (ہ) (کنوز الحقائق) یعنی دنیا کی طلب میں اختصار کرو۔ اِسی کا حاصل مطلب یوں کہا گیا ہے ع ہرچہ گیرید مختصر گیرید، پس اِسے بقدرِ ضرورت حاصل کرکے اصل نظر اسبات پر رکھنی چاہئے۔ کہ آخر ایک دن یہاں سے بستر گول کرنا ہے پس جس سامان کی وہاں ضرورت ہے۔ اُسے یہاں سے تیار کرکے لیجانا چاہئے۔ ورنہ حسرت کھائینگے۔ اور وہ حسرت کام نہیں آئیگی، یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ قَدَّمْتُ لِحَیَاتِیْ (الفجر پ) یعنے اُسدن اِنسان کہیگا کاش! میں کچھ آگے بھیج لیتا اپنی زندگی کے لئے۔ (باقی صفحہ ۱۰۸ پر)

۱؎ اِس دنیا کی زندگی عارضی و فانی ہے۔ اور اُسدن یعنے قیامت کے روز گذر چکی ہوگی۔ اسلئے انسان اِسے نظرانداز کردیگا۔ اور عاقبت کی زندگی جو کہ جاودانی ہے اور اُسوقت موجود و حاصل ہوگی، اسلئے صرف اُسی کو شمار میں رکھیگا۔ لِحَیَاتِیْ یعنے واسطے اپنی زندگی کے، چنانچہ اِسی نقطہ ذیل سے کہ زندگی اصل میں وہی عاقبت کی زندگی ہے جو جاودانی ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ کہ غزوۂ احزاب میں خندق کھودتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ رجز پڑھتے تھے اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ (بخاری شریف) یعنے بارخدایا! کوئی زندگی نہیں مگر آخرت کی زندگی ۱۲ منہ

عبرت کونسل واسمبلی اور میونسپلٹی و ڈسٹرکٹ بورڈ کی ممبری کیلئے مارے مارے پھرنے والوں حکام کی کوٹھیوں کا طواف کرنے والوں۔ درباری کرسی نشینی اور سرکاری ممبری اور آنریری مجسٹریٹی کیلئے محنت سے کمایا ہوا مال پارٹیوں میں اُٹھانیوالوں عیاشی اور نفس امارہ کی خواہشوں میں مال کو بے دریغ اڑانیوالوں، اور خدا کی یاد سے غافل ہوکر دن رات تجارت کی ترقی کے خیال و اشغال میں منہمک رہنے والوں اور شاہی تغلب و تفوق حاصل کرنے کے لئے لاکھوں انسانوں کی جانیں ضائع کرنیوالے اور لاکھوں ضعیف جنس عورتوں کو بیوہ اور کروڑوں بچوں کو یتیم و بیکس بنا دینے والے گرگ صفت بادشاہوں اور تصوف و فقر اور درویشی کی بھوری دکملی، اور سادھوؤں کے گیری رنگے لباس اور مولانائی جبہ و دستار سے دنیائے دوں کمانے والے مشائخ و سادھوؤں اور علماؤں کو دنیا کی زندگی اور اسکے مال و متاع اور دولت و حشمت اور عزت و جاہ کے انجام اور بستر مرگ پر اپنے آخری سانس کو مدنظر رکھتے ہوئے قرآن شریف کی اس آیت سے نصیحت پکڑنی چاہیے کہ "مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست" نیز "دنیا روزے چند آخر کار با خداوند" کو ہمیشہ خیال میں رکھنا چاہیے ۱۹۳ وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا، دنیادار اپنی کرتوتوں اور کوششوں کی بابت یہی کہتے ہیں۔ کہ ہم یہ سب کچھ اچھا کرتے ہیں شدت انہماک سے ذہنیت الٹ جاتی ہے اور مذاق بگڑ جاتا ہے۔ بری باتوں اور لایعنی حرکتوں کی برائی سوجھتی نہیں۔ اور نیک عادتوں اور عاقبت میں کام آنیوالے اعمال سے غفلت بلکہ نفرت ہو جاتی ہے بہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے۔ کہ انسان نفسانی خواہشوں کے تقاضے سے ان اعمال کی نیک وجہیں گھڑنے لگتا ہے جنسے ان کا نفس مانوس ہو چکا ہوتا ہے۔ یا اُسے ان کی لذت پڑ چکی ہوتی ہے۔ گویا کہ وہ اپنے اندر ہی اندر اپنے آپ کو الزام سے بری کرنے لگتا ہے۔ اور پھر ایسا سمجھنے بھی لگتا ہے، پھر بڑھتے ہوتے اُس برائی پر دلیر ہو جاتا اور اُسے اس بیباکی سے کرتا ہے۔ جس طرح کوئی شخص کسی نیک کام کو بے کھٹکا ہو کر کرتا ہے۔ اور یہ محض اُس کا اپنا حسبان گمان ہوتا ہے۔ جس کا سبق اُسنے نفس یا شیطان کے وسوسے سے سیکھا ہے۔ اس آیت میں خدا تعالے ایسے ہی لوگوں کی ایسی ہی حالت کا ذکر کرتا ہے۔ اور فرماتا ہے۔ وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا، یا شیطان خصلت برے مشیر اُسکے ہم صحبت ہوکر اُسکو اُس برائی پر اکساتے ہیں اور اُس برائی کی منگھڑت اور خیالی و وہمی خوبیاں اور فائدے بیان کر کرکے اُسے رغبت دلاتے ہیں، پس اُسکی قوت متخیلہ خاصکر قوت واہمہ جو سلطان القوٰی ہے، اُس سے متاثر ہو جاتی ہے۔ اور شیطانی اثر اُسپر پورے طور پر قابض و متسلط ہو جاتا ہے۔ انسان اُس وقت بالکل اندھا اور بہرا ہو جاتا ہے۔ نہ تو اُسے خود کچھ سوجھتا ہے۔ اور نہ وہ کسی اور کی سنتا ہے۔ بلکہ نصیحت کرنے والوں اور راہ راست سمجھانے والوں کو برا اور اپنا دشمن سمجھنے لگتا ہے ان آیتوں میں أَعْيُنُهُمْ فِي غِطَاءٍ اور لَا يَسْتَطِيعُونَ سَمْعًا اور يُحْسِنُونَ صُنْعًا میں ایسے ہی لوگوں کی ایسی ہی حالت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اور آیت أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ (بقرہ پ ۱) یعنے تمہارے پاس جب کبھی کوئی پیغمبر ایسی باتیں لیکر آیا جنکو تمہارے نفس نہیں چاہتے تھے۔ تو (اے قوم یہود!) بعض (انبیاء) کو تو تم نے جھٹلا دیا اور بعض کو (لگتے ہاتھ) قتل (بھی) کر دیا، اور آیت يَكَادُونَ يَسْطُونَ بِالَّذِينَ يَتْلُونَ عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا (حج پ ۱۷) یعنے قریب ہے حملہ کر دیں ان لوگوں پر جو پڑھکر سناتے ہیں ان کو ہماری آیات، اور صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ (بقرہ پ ۱ و پ ۲) یعنے یہ لوگ) بہرے (اور) گونگے (اور) اندھے (ہوتے ہیں)، اور اس قسم کی دیگر آیات جو قرآن شریف میں بکثرت ہیں ان سب میں اسی طبقے کے لوگوں کا بیان ہے۔

تزیینِ شیطان | قرآن شریف میں آیت وَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (انعام پ۷) یعنے زینت دیدی شیطان نے اُن کیلئے اُن عملوں کو جو وہ کرتے تھے"۔ اور آیت وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ اَعْمَالَهُمْ (انفال پ۱۰) یعنے زینت دی شیطان نے واسطے اُن کے، اُن کے اعمال کو" اور آیت اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا (فاطر پ۲۲) یعنے تو کیا وہ شخص جسکے لئے زینت دی گئی اسکی بدعملی، پس وہ اُسے (اپنے خیال میں) نیک کام سمجھتا ہے" اور آیت كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (یونس پ۱۱) یعنے اسیطرح زینت دئے گئے حد سے بڑھنے والوں کیلئے وہ کام جو وہ کیا کرتے تھے" اور آیت كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِفِرْعَوْنَ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ وَصُدَّ عَنِ السَّبِيْلِ (مومن پ۲۴) یعنے اسی طرح زینت دیگئی واسطے فرعون کے اُس کے عمل کی برائی پس وہ روکا گیا خدا کی راہ سے"

اور اس قسم کی دیگر آیات جسقدر بھی قرآن شریف میں وارد ہیں اُن سب میں اسی حقیقت کا بیان ہے"[۱]

تنبیہ | یہ تزیین و حُسبان یعنے اپنے خیال میں اپنی بدی کو بھی نیکی گمان کرنا اور بتقاضائے نفس اُسکے لئے کوئی نہ کوئی اچھی توجیہ گھڑلینا ایسے لوگوں کی زندگی کے ہر شعبے میں ہو جاتا ہے۔ سیاسی میں بھی، تمدنی میں بھی، معاشرتی (و سوشل) میں بھی۔ اخلاقی میں بھی، اور مذہبی میں بھی۔ حتےٰ کہ فقر اور درویشی میں بھی جسکی بنیاد ہی خلوصِ نیت پر ہے۔ اور اُسکا طریق عمل صلاحیت اور ترکِ خواہشات نفسانیہ ہے۔ اسمیں بھی بعض صوفی قلتِ علم کی وجہ سے دھوکا کھاجاتے ہیں۔ اور جو لوگ جان بوجھکر نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے کے لئے فقر و درویشی کا جامہ پہن لیتے ہیں۔ وہ مُلحد و مکار ہوتے ہیں۔ وہ تو قابلِ ذکر ہی نہیں ہیں"

یہ تزیین و حُسبان سیاسی امور میں ہو تو ازروئے حقیقت اُسکا صحیح نام ظُلم و تعدّی ہے۔ اور تمدنی و معاشرتی میں ہو تو اُسکا نام خیانت و بدمعاملگی ہے۔ اور اخلاقی میں ہو تو اُسکا نام بدچلنی ہے اور مذہبی میں ہو تو اُسکا نام بدعت ہے۔ چاہے یہ بدعت طریق ظاہر یعنے مولویانہ مجلس میں ہو۔ اور چاہے طریق باطن یعنے صوفیانہ حلقہ میں ہو"

---

[۱] قرآن شریف میں بعض جگہ اس تزیین کی نسبت خدا تعالےٰ نے اپنی طرف بھی کی ہے۔ مثلاً سورہ انعام ہی میں یہ آیت بھی ہے كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ (اخیر پارہ ۷) اور سورہ نمل پ۱۹ میں ہے۔ زَيَّنَّا لَهُمْ اَعْمَالَهُمْ تو اسکی دو وجہیں ہیں۔ ایک تو وہ جو ہم صفحہ ۔۔ پہ نوٹ نمبر ۳۵ کے ضمن میں ذکر کر آئے ہیں۔ اور دوسری یہ کہ خدا تعالےٰ بوجہ ہر شئے کا خالق ہونے کے ہر شئے کی علت العلل ہے۔ پس بوجہ خالق ہونے کے اس تزیین کی نسبت اپنی طرف بھی کی۔ کیونکہ وہ خدا کے امہال اور خلق سے پیدا ہوئی۔ پس خدا کی طرف نسبتِ خلق ہے نہ کہ نسبتِ سعی و عمل، نیکی بدی کا عمل و ارتکاب اور بات ہے اور اُنکی خلق و پیدائش اور بات ہے۔ جیسا کہ کتب کلامیہ میں مصرح ہے۔ نیکی پر خدا کے سلوک کو توفیق کہتے ہیں۔ چنانچہ سورت انعام ہی میں ہے لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (پ۸) اور اصحابِ کہف کے ذکر میں سابقاً صفحہ ۔۔ پر گذر چکا ہے۔ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۝ وَّرَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا الآیہ لیکن بدی پر خدا کا جو سلوک ہے اُسے امہال کہتے ہیں۔ چنانچہ سورہ آل عمران پ۴ میں ہے۔ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا۔ اور اس بات کے سمجھنے اور تسلیم کرنے میں کوئی بھی دقت نہیں کہ بندوں پر خدا تعالےٰ کی حجت اسی صورت میں پوری ہو سکتی ہے کہ انبیاء یا خلفائے انبیاء کے ذریعے اُسکا پیغام پہنچنے کے ساتھ دو اور باتیں بھی اُسکو عطا کیگئی ہوں۔ اول عقل و حواس کی سلامتی اور پھر اسبابِ خیر و شر کا اُس کے سامنے موجود ہونا اور ان ہر دو کے فعل و ترک کی استطاعت تاکہ وہ اپنے حواس سے کام لیکر اپنی ذمہ داری پر جانبِ فعل کو یا جانبِ ترک کو اختیار کر سکے، اسی کا نام اختیارِ فعل اور ابتلا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے انسان کو فاعلِ مختار کہتے ہیں۔ اسی بنا پر سورہ دہر پ۲۹ میں فرمایا اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اَمْشَاجٍ نَّبْتَلِيْهِ فَجَعَلْنٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ۝ اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا (قرآن شریف میں اس مضمون کے متعلق سب سے جامع مقام یہی آیات ہیں کہ ان میں نہایت اختصار سے انسان کا مختلف خواص والے

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ[194] رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ[195] فَحَبِطَتْ[196]

یہ وہ لوگ ہیں، جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کی آیتوں سے اور اُسکی ملاقات سے پس ضائع ہو گئے

أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا[197] (۱۰۶)

اُن کے اعمال پس ہم نہیں قائم کرینگے واسطے اُنکے دن قیامت کے کوئی وزن ۱۰۶

۱۹۴ بِآيَاتِ رَبِّهِمْ۔ لفظ آیت کے معنے ہیں "نشان"، قرآن مجید میں اسکا اطلاق تین امروں پر آیا ہے۔ اوّل قرآن مجید کی آیات جنمیں خداوند تعالےٰ کے احکام مذکور ہیں جیسے يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ آنَاءَ اللَّيْلِ (آل عمران پ۴) اور آنحضرت صلعم کی بابت فرمایا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ (آل عمران پ۴) (جمعہ پ۲۸) اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو دُعا مکہ شریف میں ایک رسول پیدا ہونے کی بابت مانگی تھی۔ اور مراد اُس سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اُس دُعا میں اُس رسول کا ایک وصف یہ بھی مذکور ہے۔ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ (البقرہ پ۱)

دوم، انبیا علیہم السلام کے معجزات، چنانچہ سورۂ اعراف پ۹ میں مذکور ہے۔ کہ فرعون نے حضرت موسےٰ علیہ السلام سے کہا إِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ فَأْتِ بِهَا یعنے اگر تو (اپنی صداقتِ نبوت پر) کوئی آیت یعنے نشان لایا ہے۔ تو اُسے پیش کر، اسپر حضرت موسےٰ علیہ السلام نے عصا اور یدِ بیضا کا معجزہ دکھایا،

سوم، کسی شے کا خداوند تعالےٰ کی ذات و صفاتِ جمالیہ و جلالیہ کے لئے نشان ہونا۔ جیسے کہ سورۂ یوسف پ۱۳ میں فرمایا:۔ وَكَأَيِّنْ مِنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ ۝ یعنے زمین اور آسمان میں بہت سے نشانات ہیں۔ کہ یہ لوگ (اُنکی طرف مطلقاً توجہ نہیں کرتے بلکہ) اُن سے منہ پھیر کر گذر جاتے ہیں۔ نیز فرمایا وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (حٰم سجدہ پ۲۴) یعنے اُس (خدا) کے "نشانات" میں سے رات بھی ہے۔ اور دن بھی اور سورج بھی اور چاند بھی، اسیطرح کی بیسیوں دیگر آیات ہیں جنمیں آیات سے توحید باری اور اُس کے صفاتِ کمال کے دلائل مراد ہیں۔ جنسے مشرکین و ملحدین کو انکار تھا،

۱۹۵ وَلِقَائِهِ لقاء سے مراد یا تو دیدار الٰہی ہے۔ جو مومنوں کو قیامت کے دن ہوگا۔ اور جسکی خبر قرآن شریف کی دیگر آیات میں اور صحیحین کی احادیث صحیحہ میں وارد ہے۔ اور جمیع صحابہ و خیارِ تابعین اور تمام ائمہ اہل سُنّت و حدیث کا اسپر اجماع ہے۔ اور منکر اُس کا ملحد و بیدین ہے۔ اور یا اسجگہ لقاء سے مُراد قیامت کے دن خدا کے سامنے اعمال کی باز پرس کے لئے حاضری ہے۔ سو اسکا انکار بھی کفر ہے۔

۱۹۶ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ اس سے معلوم ہُوا کہ کفر کی وجہ سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ اِسی طرح شرک کے سبب سے بھی ضائع ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ سورت انعام پ۷ میں کئی ایک انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے فرمایا وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (انعام پ۷) یعنے یہ (ہمارے مقرب انبیاء، ۱۸) بھی شرک کرتے تو اِن کے سب اعمال ضائع ہو جاتے،

(باقی صـ۱۱۱ پر دیکھو)

نیز آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا:- وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْكَ وَاِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ ○ (زمر ۲۴) یعنے (اے پیغمبر!) ضرور ضرور تیری طرف بھی اور اُن پیغمبروں کی طرف بھی جو تجھ سے پیشتر تھے وحی کیا جاچکا ہے۔ کہ اگر تُو نے شرک کیا تو تُو ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیگا۔

۱۹۷ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا ، مفسرین رح نے اِسکی تین صورتیں لکھی ہیں۔ اوّل یہ کہ خدا کے نزدیک اُن کے اعمال کی کوئی قدر و منزلت نہ ہوگی۔ عربوں میں محاورہ ہے۔ مَالِفُلَانٍ عِنْدَنَا وَزْنٌ اَیْ قَدْرٌ لِخِسَّتِهٖ (تفسیر فتح البیان) یعنے ہمارے نزدیک فلاں شخص کا اُسکی خسّت و کمینگی کی وجہ سے کوئی وزن یعنے قدر نہیں“ اِسی معنے میں حضرت ابوہریرہ رض سے مرفوع حدیث ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ”قیامت کے دن (خدا کے سامنے) ایک عَظِیْم (بڑا اور) سَمِیْن (موٹا) آدمی پیش ہوگا۔ جو خدا کے نزدیک مچھر کے پَر برابر بھی وزن (قدر) نہیں رکھیگا“ اور کہا کہ اگر چاہو تو پڑھو یہ آیت فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا (تفسیر معالم وغیرہ) اِس معنے کے رُو سے لفظ وزن مجازی معنے میں ہوگا۔

دوم۔ یہ کہ وزن اعمال کی ضرورت تو اسلئے ہے کہ کسی کی نیکیوں اور بدیوں کا موازنہ و مقابلہ کیا جائے۔ لیکن جب اِن لوگوں کی حسنات (نیکیاں) اُن کے کفر کے سبب ضائع کر دی گئیں تو محض بُرائیوں کیلئے وزن کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی[1] (فتح البیان) اِس معنے کے رُو سے وزن حقیقی معنے میں ہوگا۔ اور اُسکی دو[2] صورتیں ہیں۔ اوّل صحائفِ اعمال (اعمالنامہ) کا تُلنا جیسا کہ حدیث میں آچکا ہے۔ (تفسیر کبیر و اقتصاد غزالی) دوم یہ کہ نیکیاں نورانی اجسام میں اور بدیاں ظلمانی اجسام میں متجسد ہونگی اور وہ اجسام تولے جائینگے (شرح مقاصد)[2]

ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَرُسُلِیْ هُزُوًا (۱۰۶)

یہ جزا ہے اُن کی جہنّم بسبب اسکے کہ انہوں نے کفر کیا اور پکڑا میری آیتوں اور میرے پیغمبروں کو ٹھٹھا ۱۰۶

۱۹۸ هُزُوًا (ٹھٹھا۔ مخول۔ مسخری) کفر کے تین درجے ہیں۔ محض[1] انکار۔ خواہ ضد۔ عناد اور جحود سے ہو خواہ کسی اور طرح پر۔ دوم[2] انکار کیساتھ کلام اللہ اور انبیاء اللہ کی تکذیب، یعنے اُن کو یہ کہنا کہ تم دعوٰے نبوت میں جھوٹے ہو اور جو کلام اور احکام تم پیش کرتے ہو وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ سوم[3] استہزاء یعنے تکذیب کے ساتھ انبیاء اللہ کو ٹھٹھا مخول بھی کرنا اور انکی تحقیر و ہتک کرنا۔ اور اُن کی تعلیم کو

سلہ اِسی طرح جسکی محض نیکیاں ہونگی اور اُسکی سب خطائیں معاف ہو چکی ہونگی اُس کے لئے بھی حساب کی ضرورت نہ ہوگی۔ چنانچہ غزوۂ تبوک کی تیاری میں جب حضرت عثمان رض نے ایک ہزار پونڈ (دینار سرخ) اور صد ہا[5] اونٹ مع اُن کے پالانوں اور دیگر سامانوں کے آنحضرت صلعم کی خدمت میں پیش کئے۔ تو آنحضرت نے دو دفعہ فرمایا مَا ضَرَّ عُثْمَانَ مَا عَمِلَ بَعْدَ الْیَوْمِ (مشکوٰۃ صفحہ ۵۴۶) یعنے آج کے بعد عثمان جو کچھ بھی کریگا۔ اُسپر اسکا بوجھ اور ضرر نہیں نہیں پڑیگا۔ اور جیسا کہ حدیث صحیحین میں ہے۔ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میری اُمّت میں سے ستّر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنّت میں جائینگے (مشکوٰۃ صفحہ ۴۴۴)

سلہ بجھے مجملًا لفظ صد ہا اسلئے لکھا ہے۔ کہ اونٹوں کی تعداد میں مختلف روایتیں ہیں زاد المعاد اور ترمذی میں تین سو ہے۔ اور استیعاب میں ساڑھے نو سو اونٹ اور پچاس گھوڑے اور اسی کی دیگر روایت میں ایک ہزار اونٹ اور ستّر گھوڑے مذکور ہیں۔ یہ خاکسار کہتا ہے یہ روایتیں اس طرح جمع ہو سکتی ہیں جیسا کہ امام ترمذی رح کی روایت سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آنحضرت صلعم عام مجلس میں تیاری سامان کی تحریک فرما رہے تھے۔ جوں جوں آنحضرت صلعم تحریک فرماتے تھے حضرت عثمان رض اپنی خدمات زیادہ پیش کرتے جاتے تھے حتےٰ کہ آخیر پر اس تعداد پر پہنچ گئے۔ جو زیادہ سے زیادہ یعنے ایک ہزار اونٹ اور ستّر گھوڑے ہیں۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ منہ

سلہ وزن اعمال کا بیان ہم تفسیر واضح البیان میں صفحہ ۱۳۶ سے صفحہ ۱۹۳ تک مفصّلًا کر چکے ہیں ۱۲ منہ

مسخروں میں اُڑانا یہ سب سے سخت ہے۔ یہ تینوں درجے سُورت انعام کے شروع میں بترتیب مذکور ہیں۔ چنانچہ پہلے فرمایا ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ، اِس کے دو آیت بعد فرمایا:- وَمَا تَأْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيَاتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ٥ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَأْتِيْهِمْ اَنْبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ (انعام پ۷) (یعنے ، اور نہیں آتی اِن کو کوئی نشانی اِن کے رب کی نشانیوں میں سے مگر وُہ اُس سے رُوگردان ہو جاتے ہیں۔ پس تحقیق وہ جُھٹلا چکے ہیں حق کو جب وُہ اُنکو آچکا، پس عنقریب اُن کو آئینگی خبریں اُسکی جس سے وہ ٹھٹھا کرتے رہے ؛

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ [۱۹۹] [۲۰۰]

بیشک جو لوگ ایمان لے آئے اور کیئے اُنہوں نے نیک کام ، ہوگی واسطے اُن کے جنت الفردوس

نُزُلًا ﴿۱۰۸﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۹﴾ [۲۰۱]

کی مہمانی ۱۰۸ وُہ اُنمیں ہمیشہ رہینگے نہ چاہینگے وُہ اُس سے تبدیلی ۱۰۹

۱۹۹ف اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ شروع سورت میں فرمایا تھا۔ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا یعنے خداوند تعالٰی نے یہ قرآن شریف اپنے کامل بندے **محمد** (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر اسلیئے نازل کیا ہے کہ تا کہ وہ بشارت سُنادے اُن مومنوں کو جو کرتے ہیں نیک کام کہ بیشک واسطے اُن کے ہے اجر بہت اچھا۔ اب خاتمہ سُورت کے قریب اُس بشارت کا ذکر کیا ہے۔ کہ وُہ اجرِ حسن **جنّت الفردوس** ہے اور اِن دونوں آیتوں کے درمیان جس قدر آیات ہیں اُن میں ایمانیات واعمالِ صالحہ اور اخلاقِ فاضلہ اور علومِ حقّہ اور عبرت وموعظت اور تذکیر وانذار کی تفصیلات ہیں۔ سُبحان اللہ کیا اچھی ابتدا ہے۔ اور کیا خوب اِنتہا ہے۔ اور کیسی احسن تفصیلات ہیں۔ نیز یہ کہ اوپر کی آیات میں کفار کے بُرے انجام کا ذکر ہے۔ جو قرآن کا انذاری منصب ہے اب مومنوں کے نیک انجام کا ذکر ہے۔ جو اپنے ذہنی اور قلبی اور عملی قوٰی کو خدا کی اطاعت و رضا میں لگائے رکھتے ہیں ؎

۲۰۰ف جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ لفظ فِرْدَوْس کی تحقیق میں **قاموس** میں کہا ہے:-

(اَلْفِرْدَوْسُ) بِالْكَسْرِ اَلْاَوْدِيَةُ الَّتِيْ تُنْبِتُ ضُرُوْبًا مِّنَ النَّبْتِ وَالْبُسْتَانُ يَجْمَعُ كُلَّ مَا يَكُوْنُ فِي الْبَسَاتِيْنِ تَكُوْنُ فِيْهِ الْكُرُوْمُ وَقَدْ يُؤَنَّثُ عَرَبِيَّةٌ اَوْ رُوْمِيَّةٌ نُقِلَتْ اَوْ سُرْيَانِيَّةٌ ؎

فردوس (فِ کے کسرہ سے) اُن وادیوں کو کہتے ہیں جنمیں کئی قسم کی نباتات ہو اور اُس باغ کو بھی جس میں وہ سب کچھ جمع ہو جو باغوں میں ہوا کرتا ہے۔ (اور) اُسمیں انگور بھی ہو، اور (یہ لفظ) کبھی مذکر اور کبھی مؤنث آتا ہے (یہ لفظ) عربی ہے۔ یا رومی ہے جو عربی میں نقل کیا گیا ہے یا سُریانی ہے ؎ نمبر ۲۰۱ کا حاشیہ ص۱۱۳ پر دیکھو ۱۲

فضائل فردوس تفسیر فتح البیان وغیرہ میں کہا ہے کہ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث سے مرفوعاً ہے۔ کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا جب تم خدا تعالےٰ سے جنت مانگو تو فردوس مانگو، کیونکہ وہ سب سے اعلےٰ واشرف درجہ کی جنت ہے، اُس کے اوپر خدائے رحمٰن کا عرش ہے۔ اور جنت کی نہریں اُسی سے نکلتی ہیں اسی طرح بروایت امام ترمذی و امام احمد وغیرہما عبادہ بن صامتؓ کی حدیث مرفوع میں ہے حضرت کعب احبارؓ کہتے ہیں کہ بہشت میں جنت الفردوس سے اعلےٰ جنت کوئی نہیں ہے۔ اُس میں وہ لوگ ہونگے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کا فرض ادا) کرتے ہیں (اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَاھَا وَاجْعَلْنَا مِنْ اَھْلِھَا)

ف ۲۰۱ حِوَلًا سے مراد مکان کی تبدیلی ہے۔ تفسیر خازن وغیرہ میں ہے۔ کہ حضرت ابن عباسؓ نے کہا وہ اُس (جنت) سے دوسری جگہ جانا نہیں چاہینگے جیسے کوئی شخص جب اُسے ایک مکان موافق نہ آئے تو دوسرا مکان تبدیل کرتا ہے۔ (سو جنتی ایسا نہیں کرینگے) (۱)

تذکیر حضرت مولٰنا المعظم رحمۃ اللہ علیہ[1] فرمایا کرتے تھے کہ جنت کی رہائش کے متعلق دو[2] کھٹکے گذر سکتے ہیں۔ اوّل مالک کی طرف سے کہ خدا تعالےٰ کسی میعاد کے بعد وہاں سے نکل جانے کا حکم کرے۔ دوم یہ کہ جنتی لوگ ملالِ خاطر کی وجہ سے کبھی وہاں سے نکل جانا چاہیں۔ سو اس مقام پر خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا فرما کر دونوں کھٹکے دُور کر دیئے۔ نہ مالکِ جنت خداوند تعالےٰ نکالے گا۔ اور نہ وہ خود نکلنا چاہینگے۔ والحمدُ للہ،

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ

(اے پیغمبر (الیہم) کہدو کہ اگر ہو جائے سمندر (کا پانی) سیاہی (واسطے (لکھنے) میرے رب کے کلمات کے تو ضرور ہے کہ ختم ہو جائے سمندر پیشتر اس کے کہ ختم

تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۱۰﴾

ہوں میرے رب کے کلمات، اگرچہ ہم لائیں مثل اسکی (ایک اور سمندر) مدد کو مثلاً

ف ۲۰۲ مِدَادًا، مَدّ سے مشتق ہے۔ بمعنے پھیلانا، اور مراد اس سے سیاہی ہے۔ کیونکہ وہ لکھنے کے وقت پھیلتی اور بڑھتی جاتی ہے۔ یا اسلئے کہ کاتب لکھنے میں اس سے امداد حاصل کرتا ہے۔ یا اسلئے کہ اس میں پانی ڈالکر اُسے بڑھا لیا جاتا ہے۔ اور عرصہ تک چلتی ہے۔ تفسیر خازن میں کہا ہے۔ اَیْ مَا یَسْتَمِدُّ ہٗ الْکَاتِبُ وَیَکْتُبُ بِہٖ وَاَصْلُہُ الزِّیَادَۃُ یعنے مادہ ہے۔ جس سے کاتب امداد لیتا اور کتابت کرتا ہے۔ اور اس لفظ کے اصلی معنے زیادۃ کے ہیں۔

ف ۲۰۳ شان نزول تفسیر خازن وغیرہ میں کہا ہے کہ یہودیوں نے کہا کہ اَے **محمد** (صلے اللہ علیہ وسلم) آپ کا خیال ہے۔ کہ ہمیں حکمت ملی ہے۔ اور آپ کی کتاب میں یہ بھی مذکور ہے۔ وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا (البقرہ پ۳) یعنے جسے حکمت دیگئی تو اُسے کثرت سے بھلائی دیگئی، پھر آپ کہتے ہیں وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا (بنی اسرائیل پ۱۵) یعنے نہیں دیا گیا تمکو علم میں سے مگر تھوڑا سا (حصہ) (۱) اِسپر اللہ تعالےٰ نے یہ آیت اُتاری یعنے قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ الآیہ

ف ۲۰۴ اِستنباط بظاہر یہ آیت مضمون سابق سے اجنبی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اِس شانِ نزول سے جو حضرت ابن عباسؓ سے اوپر مذکور ہو چکا ہے ارتباط و مناسبت واضح ہو جاتی ہے۔ کیونکہ قریش مکہ کو امتحانی سوالات کے سکھانے والے یہود تھے۔ جیسا کہ اِس تفسیر کے شروع میں صفحہ ۱۲ پر گذر چکا ہے۔ پس اُنکی زبان بندی کیلئے فرمایا کہ تم ہمارے رسول **محمدؐ** کے امتحان کے لئے کیا سوال کروگے۔ ہمنے تمکو جو قرآن دیا ہے۔ وہ علم کا ایسا بحر

---

[1] مراد میرے اُستادِ علوم شریعت و مرشدِ طریقت صاحبِ اعمالِ صالحہ و اخلاقِ حسنہ حضرت مولٰنا مولوی ابوعبداللہ غلام حسن صاحب سیالکوٹیؒ ہیں، ۱۲ منہ

ناپیداکنار ہے۔ کہ اگر اُس کے مفہومات کے بیان کے لئے سمندر سیاہی بنادیئے جائیں تو وُہ ختم ہو جائینگے۔ لیکن قرآن (کلام خدا) کے مفہومات ختم نہ ہونگے۔ جیساکہ سُورۂ لقمان میں بھی فرمایا:۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (لقمان پ۲۱)

اور زمین میں جو بھی درخت کی قسم سے ہے۔ اگر اُن سب کی قلمیں بنجائیں اور سمندر سیاہی بنجائے (جنکی امداد اُسکے بعد سات سمندر دیں) کیجائے تو خدا کے کلمات کبھی بھی ختم نہ ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عزیز (باقدرت) اور حکیم (باحکمت) ہے۔

اِس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کے علوم غیر متناہی ہیں اور سمندر کا پانی چاہے کتنا ہی کثیر المقدار ہو پھر بھی متناہی ہے۔ اور دیگر سمندر جو اُسکی امداد میں لائے جائینگے۔ وہ بھی اپنی ذات میں متناہی ہونگے۔ اور ایک متناہی دوسرے متناہی کو غیر متناہی نہیں بنا سکتا۔ اِسلئے ساتوں سمندر جو زمین کا حصہ دبائے ہوئے ہیں ختم ہو جائینگے۔ لیکن کلامِ خدا کا اختتام نہ ہوگا۔

دیگر یہ کہ سابقاً جنت الفردوس کا ذکر ہے۔ جس میں نعماء و مراتبِ کرامات کا انتہا نہیں تو اُسکی مثال میں اپنے کلام کو پیش کیا کہ اس کے کلام کے کمالات بھی غیر متناہی ہیں۔ چنانچہ تفسیر **رحمانی** میں کہا ہے:۔

(لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا) لِاشْتِمَالِهَا عَلٰى مَا لَا يَتَنَاهٰى مِنْ مَرَاتِبِ الْكَرَامَاتِ فَاِنْ طَلَبُوْا لِهٰذَا الْعَطَاءِ الْمُشْتَمِلِ عَلٰى مَا لَا يَتَنَاهٰى مِنَ الْفَضَائِلِ مِثَالًا (قُلْ) مِثَالُهُ الْقُرْاٰنُ الْمُشْتَمِلُ عَلٰى مَا لَا يَتَنَاهٰى مِنَ الْعُلُوْمِ (جلد اول ص۴۸۹)

(وہ) جنتی جنت الفردوس میں رہتے ہوئے مکان کی تبدیلی نہیں چاہینگے کیونکہ وہ شامل ہے سب مراتبِ کرامات پر جنکی انتہا نہیں ہے۔ پس اگر یہ (کفار لوگ) اس عطایہ جو غیر متناہی فضائل پر مشتمل ہے کوئی مثال طلب کریں تو اے پیغمبر تو کہہ اسکی مثال قرآن ہے جو غیر متناہی علوم پر مشتمل ہے۔

قرآن شریف کے معارف و لطائف کے بے نہایت ہونے کی ایک ہی جامع وجہ یہ ہے۔ کہ قرآن شریف کلامِ خدا ہے۔ خدا کے علم سے اس کا نزول ہے۔ جیساکہ فرمایا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ھود پ۱۲) اور خدا کے علم کی کوئی انتہا نہیں (واللہ بکل شیء علیم)

۲۰۵ **تتمۂ تفسیر آیت ھذا** خداوند تعالےٰ نے اس سُورت کو قرآن مجید کے ذکر سے شروع کیا تھا۔ اِسکے بعد بڑے بڑے اہم مضامین جو اسمیں بیان کرنے مقصود تھے مناسب ترتیب سے بیان فرمائے۔ اب اخیر پہ پھر قرآن مجید کا ذکر کیا کہ اِسکے کمالات کا انتہا نہیں کیونکہ یہ **کلام خدا** ہے اور ایسا اسلئے کیا کہ سُورت کے شروع اور خاتمہ میں مناسبت قائم رہے۔ اور مضامین کو احسن ترتیب میں رکھنے والے اور شروع اور خاتمہ کی مناسبت کو ملحوظ رکھنے والے مقررین و مصنفین سمجھ سکتے ہیں۔ کہ یہ بات بیان کی خوبی میں نہایت اونچے درجے پر ہوتی ہے +

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ ۲۰۶ ۲۰۷ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ ۲۰۸ وَّاحِدٌ ۲۰۹ ؕ

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہدو کہ سوائے اِس کے نہیں کہ میں تمہاری طرح کا ایک آدمی ہوں۔ میری طرف وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود برحق صرف ایک ہی ہے

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ ۲۱۰ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا

پس جس کسی کو اُمید ہو اپنے ربّ کی ملاقات کی۔ پس چاہیئے کہ وہ کرے نیک کام، ۲۱۱

۲۰۶ تا ۲۱۱ کی تشریح آئندہ صفحات پر دیکھئے

وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ﴿۱۱۱﴾ ع ۲۱۳

اور نہ شریک بناوے اپنے رب کے ساتھ کسی کو بھی ۱۱۱

۲۰۶ ارتباط وخلاصہ یہ اِس سورت کی آخری آیت ہے۔ اور اِس میں ساری سورت بلکہ سارے دینِ اسلام کا خلاصہ ہے۔ جو آدم علیہ السّلام سے فخرِ اولادِ آدم صلے اللہ علیہ والہ وسلم تک جملہ انبیاء کا دین ہے۔ درمیان میں جو کچھ بیان ہوا وہ کُل مضامین اسی کی تفصیلات و تفریعات ہیں۔ شروع سورت میں آنحضرت ص کو اپنا **عبد** کہا تھا۔ اسجگہ آپ کی زبانی اُس عبدیّت کا اقرار کروایا ہے۔ کہ اَے پیغمبر! اِن سے کہدو کہ مَیں تمہاری طرح کا **ایک آدمی** ہُوں تمہارے جیسا گوشت پوست رکھتا ہُوں دیگر قوموں نے اپنے بزرگوں اور خدا کے پیغمبروں اور فرشتوں کو عبدیّت سے اونچا تصوّر کرکے خدا کے بیٹے اور بیٹیاں قرار دیدیا۔ اور خدا کا ہم جنس بنادیا۔ جو بالکل جھوٹ اور سراسر باطل ہے۔ مَیں اس عقیدہ باطل سے بیزار ہوں۔ اپنے لئے بھی اور دیگروں کے لئے بھی۔ مَیں سچے دل سے **خُدا کی عبدیّت** کا اقرار کرتا ہوں۔ اور صاف الفاظ میں کہتا ہُوں کہ مَیں تمہاری ہی طرح کا **ایک آدمی** ہوں۔ ہاں مجھ میں اور تم میں امتیاز رُتبہ کا ہے۔ جنسیّت کا نہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ میری طرف خدا کی وحی آتی ہے۔ اور مَیں خدا کا نبی ہوں تم نبی نہیں ہو۔ اور تمہاری طرف وحی نہیں آتی۔ یہ وحی ایک انسان کیلئے خدا کی سب سے بڑی بخشش ہے۔ اور اُس وحی کا اصل اُصول یہ ہے۔ کہ لائقِ عبادت صرف ذاتِ خداوندی ہے۔ دیگر سب زمین و آسمان کے رہنے والے اُس کے بندے اور پرستار ہیں۔[ف۱] اِسی وحی کے ذریعے میری طرف یہ قرآن نازل کیا گیا ہے۔ جو تمہاری زبان میں ہے۔[ف۲] اِسکے حروف اِسکے الفاظ تمہاری اپنی زبان کے ہیں۔ باوجود اس کے اِسکے کمالات کی انتہا نہیں۔ کیونکہ وہ کلامِ خدا ہے۔ اِسی طرح میں بھی تمہاری جنس کا آدمی ہوں تمہاری قوم عرب میں سے معزز قبیلہ **قریش** کا ایک فرد ہوں۔[ف۳] لیکن باوجود اس کے **شانِ نبوّت** کی وجہ سے **مُمتاز** ہوں اور اسوجہ سے مجھ پر خدا کی بخششیں **بیحد** ہیں۔ میری تعلیم کا خلاصہ بس دو باتیں ہیں اوّل خُدا کی توحید کا صحیح اعتقاد۔ دوم اعمالِ صالحہ بشرطِ خلوصِ نیّت۔ محض اِدّعا نہیں کہ عمل اُسکا گواہ نہ ہو۔ اور نرا عمل نہیں کہ صورت ہو اور اُس میں جان یعنے خلوص اور صحیح اعتقاد نہ ہو۔ کیونکہ اُنکے بغیر نہ تو دل زندگی پاسکتا ہے۔ اور نہ روشنی حاصل کرسکتا ہے۔ بلکہ میری تعلیم میں ایمان کے ساتھ عمل پیوستہ ہے اور وہ عمل خلوص کیساتھ وابستہ ہے۔ بس جسے خُدا کی رحمت کی **اُمید** ہو یا اُسکے **عذاب کا ڈر** ہو وہ اِس حالت پر زندگی گذارے اور اِس رستے پر گامزن ہوکر اپنے رب کے پاس چلا جاوے۔ وہاں وہ اُسکے عذاب سے **محفوظ** رہکر بقدر اپنی سعی و عمل اور خلوص و ہمت کے اُسکی **رحمت** سے حصّہ پائیگا اور درجات **قرب** حاصل کرے گا۔ اور ہمیشہ کے لئے جنّت کی نعیم مقیم میں رہے گا۔[ف۴]

ف۱ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا (مریم پ۱۶) ۱۲ منہ۔

ف۲ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ (دخان پ۲۵) ۱۲ منہ۔ ف۳ لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (توبہ پ۱۱) ۱۲ منہ۔ ف۴ جیسا کہ فرمایا يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ (توبہ پ۱۰) یعنے بشارت دیتا ہے۔ اُنکو رب اُنکا اپنی رحمت اور خوشنودی کی اور جنّتوں کی اُن میں اُنکے لئے نعیم مقیم (ہمیشہ کی نعمتیں) ہونگی۔ وہ اُن (جنّتوں اور نعمتوں میں) ہمیشہ در ہمیشہ رہینگے۔ بیشک خدا کے ہاں

تفسیر و مسائل

اگرچہ اوپر کی تقریر میں اِس آیت کا حاصل مطلب دیگر آیات کا مضمون بھی ساتھ رکھکر پُورا پُورا آگیا ہے۔ لیکن مناسب ہے کہ اِس آیت کا تجزیہ کرکے اُس کے ہر حصّے کی الگ الگ تفسیر بھی کی جائے۔ اور مسائلِ متعلّقہ بھی بیان کئے جائیں؛

۲۰۷ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو فرماتا ہے۔ کہ اے پیغمبر! تم اِن لوگوں سے کہدو کہ اس کے سوا کوئی بات نہیں کہ مَیں تمہارے ہی جیسا ایک آدمی ہوں؛ اِس موقع پر آپ سے اِس اقرار کے کروانے کی یہ وجہ ہے کہ شروعِ سُورت میں گذر چکا ہے۔ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ اور یہ بھی کہ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۔ یعنے اللہ تعالےٰ نے یہ قرآن شریف اپنے بندے (محمدؐ) پر اسلئے بھی نازل کیا ہے کہ اُن لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ خدائے تعالےٰ نے کسی کو اپنا فرزند بنالیا یعنے متبنّٰے گردان لیا ڈرائے اور اُسکے وبال سے آگاہ کرے؛ آنحضرتؐ کے وقت میں عرب کی یہ حالت تھی کہ یہود کہتے تھے کہ حضرت عُزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ عیسائی کہتے تھے کہ حضرت عیسےٰ علیہ السلام خُدا کے بیٹے ہیں چنانچہ فرمایا :-

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ (توبہ ۱۰)	اور کہا یہود نے کہ عُزیر بیٹا اللہ کا ہے اور کہا نصاریٰ نے کہ مسیح بیٹا اللہ کا ہے یہ مشابہت کرتے ہیں اُن کے قول کی جنہوں نے کفر کیا اس سے پیشتر

عرب کے مشرک علاوہ بُت پرستی کے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ جیسا کہ فرمایا وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ (نحل) یعنے یہ مُشرک مقرر کرتے ہیں واسطے اللہ کے بیٹیاں حالانکہ وہ اِس سے پاک ہے؛

خیر یہ تو عرب کا حال تھا۔ عرب سے باہر ہمارے مُلک ہندوستان میں یہود اور نصاریٰ کے اِس اعتقاد سے پیشتر ہندوؤں اور بدھوں کا بھی اِسی قسم کا مذہب تھا۔ ہندو کرشن جی کو اور بدھ گوتم بدھ کو خدا اور خُدا کا اوتار بنا چکے تھے؛ غرض دُنیا جہان اِسی جہالت میں مُبتلا تھا۔ حقیقت کو سب چھوڑے ہوئے تھے۔ پس جس طرح یہ ضروری تھا۔ کہ لوگوں کو اس ظُلمت سے نکالا جائے اِسی طرح یہ بھی ضروری تھا کہ اِس مُصلحِ اعظم اور سلسلۂ نبوّت کی آخری زرّین کڑی[1] کی زبانی یہ اقرار شائع کیا جائے کہ مَیں خدا کا ایک بندہ ہوں۔ دیگر انسانوں کی طرح ایک انسان ہوں۔ فرق صرف یہ ہے۔ کہ دیگر انبیاء کی طرح مجھ پر خدا کی وحی آتی ہے۔ سو مَیں خود بھی اور دیگر انبیاء بھی اور سب فرشتے بھی غرض سب فرشی وعرشی خُدا کے بندے ہیں۔ اور خدائے تعالےٰ نسبتِ فرزندی سے پاک ہے۔ اور اُسکی ذات اِس سے بہت اونچی ہے۔ کہ وہ کسی انسان یا دیگر شے میں حلول کرے یا اُسکی صورت میں ظاہر ہو۔ چنانچہ فرمایا :-

(۱) اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝ (مریم ۱۲)	(۱) نہیں کوئی آسمانوں میں اور زمین میں مگر آئیوالا ہے خُدا کے سامنے بندہ ہوکر؛
(۲) وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ (انبیاء ۲)	(۲) اور وہ کہتے ہیں کہ قرار دیا خدائے تعالےٰ نے فرزند وہ پاک ہے۔ بلکہ وہ خُدا کے بندے ہیں عزت دیئے گئے؛

[1] اور عمارتِ رسالت کی آخری خشت زر ۲۰۰؛

آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اِس حکم کی تعمیل میں یہانتک اہتمام کیا کہ عبادات میں بھی اور عادات میں بھی، غرض ہر پہلو میں اِس اقرارِ عبودیّت و بشریّت کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ ذیل کی احادیث اِس حقیقت کو پُورے طور پر نمایاں کرتی ہیں:۔

پہلی حدیث مشکوٰۃ شریف کے کتابُ الایمان میں حضرت عُبادہ بن صامت انصاریؓ کی روایت مرقوم ہے۔ کہ:۔

"رسول کریم صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ جسنے شہادت دی کہ سوائے خدا کے کوئی بھی لائق عبادت نہیں۔ (یہ جانتے ہوئے کہ وہ یگانہ ہے۔ اُسکا کوئی بھی شریک نہیں اور یہ بھی (شہادت دی) کہ **محمدؐ خدا کا بندہ ہے** اور اُس کا رسول ہے۔ اور یہ بھی (شہادت دی) کہ عیسےٰؑ خدا کا بندہ اور اُسکا رسول ہے۔ اور اُسکا کلمہ ہے۔ جو اُسنے مریمؑ کی طرف ڈالا اور اُسکی (عزت دی ہوئی) روح ہے۔ اور جنت بھی اور دوزخ بھی حق ہے۔ خدا تعالےٰ اُس شخص کو جنت میں داخل کرے گا۔ جس عمل پر بھی کہ وہ ہو" (مشکوٰۃ صٰ) یعنے اُس کے لئے صحیح ایمان کے ساتھ تھوڑے اعمالِ صالحہ بھی موجب جنت ہو جائینگے۔

دُوسری حدیث مشکوٰۃ شریف کے بابُ التشہّد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی ایک لمبی روایت ہے۔ جس میں وہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا:۔

"جب تم میں سے کوئی شخص نماز میں (تشہد) بیٹھے تو یہ کہے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ الخ یعنے سب زبان کے اوراد و اذکار اور بدن کی حرکات اور مال کے صدقات و خیرات اللہ تعالےٰ (کی رضا) کے لئے (مخصوص) ہیں۔ اے نبیؐ! تجھپر سلام ہو اور رحمت خدا کی اور اُسکی برکتیں۔ ہمپر بھی سلام ہو۔ اور خدا کے دیگر صالحین بندوں پر بھی۔ پس بیشک بات یہی ہے۔ کہ جب کوئی نمازی یہ کہتا ہے۔ تو یہ (سلام) ہر صالح بندے کو جو آسمان اور زمین میں ہے۔ پہنچتا ہے۔ (پھر کہے) اَشْھَدُ الخ یعنے مَیں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی بھی لائق عبادت نہیں ہے۔ اور (یہ بھی) گواہی دیتا ہوں کہ **محمدؐ خدا کے بندے** اور اُس کے رسول ہیں الخ" (مشکوٰۃ صٰ)

تیسری حدیث مشکوٰۃ شریف کے باب المفاخرۃ میں حضرت عمرؓ کی روایت ہے۔ کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا کہ میری تعریف میں حد سے نہ بڑھو جس طرح کہ نصارےٰ (مسیحؑ) ابن مریم کی تعریف میں حد سے بڑھ گئے۔ پس سوائے اِس کے نہیں کہ مَیں اُسکا بندہ ہوں۔ پس (مجھے) **خدا کا بندہ** اور اُسکا رسول کہا کرو" متفق علیہ (مشکوٰۃ صٰ)

چوتھی حدیث مشکوٰۃ شریف کے بابُ مناقبِ اہلِ البیت میں حضرت زید بن ارقمؓ کی طویل روایت ہے۔ جسکی تفصیل یوں ہے۔ کہ جب آنحضرت صؐ حجۃ الوداع سے لَوٹتے تو رستے میں پانی کا ایک جوہڑ (چھپڑ) بنام خُم تھا۔ وہاں کھڑے ہو کر آپ نے خُطبہ سنایا جس میں حسبِ عادت شریف پہلے خدا کی حمد و ثنا کہی اور وعظ و تذکیر کی۔ پھر فرمایا:۔

"اے لوگو! اُسن رکھو سوائے اِسکے نہیں کہ مَیں ایک **بشر ہوں** قریب ہے کہ میرے پاس خدا کا فرشتہ (ملک الموت) آئے۔ پس مَیں اُسکو قبول کر لوں" الحدیث (مشکوٰۃ صٰ ۵۵۳ بروایت مسلم)

پانچویں حدیث قاضی عیاضؒ نے شفا میں بسندِ خود بطریق امام ابو داؤد حضرت ابو امامہؓ سے روایت کیا:۔

"(ایام بیماری میں) **رسول اللہ** صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم عصا ٹیکتے ہوئے باہر تشریف لائے۔ پس ہم آپ (کی تعظیم) کے لئے اُٹھ

ا اسلئے کہ یہ موحدانہ طریق عبادت ہمکو آپ ہی نے سکھایا۔ ورنہ دنیا جہان مشرکانہ طریق عبادت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اگر آپ کی ذات بابرکات نہ ہوتی۔ تو ہم بھی اسی گمراہی میں رہتے۔ گویا یہ سلام اور اُسکے بعد درود شریف آپ کے اِس احسان کے شکریہ میں بطور تحفہ پیش کیا جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنَّا وَ اَوْصِلْہُ اِلیٰ جَنَابِہِ الْمُقَدَّسِ ۱۲ منہ

"کھڑے ہوئے تو آپ نے فرمایا نہ کھڑے ہو جس طرح عجمی لوگ بعض انکے بعض کی تعظیم کو کھڑے ہوتے ہیں اِنَّمَا اَنَا عَبْدٌ"
"یعنے میں ایک **بندہ** ہوں اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ یعنے میں کھاتا ہوں جسطرح کوئی بندہ کھاتا ہے۔ وَاَجْلِسُ"
"کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ اور میں بیٹھتا ہوں جس طرح **ایک بندہ** بیٹھتا ہے۔ (شفا جلد اوّل مصری ص۱۱۰ فصل تواضعہ)"

چھٹی حدیث قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے شفا میں نقل کیا کہ :-

"آپ کی خدمت میں ایک شخص آیا تو وہ آپ کی ہیبت (وجلال) سے کانپنے لگا۔ آپ نے اُسے فرمایا ھَوِّنْ عَلَیْکَ یعنے آرام کر"
"فَاِنِّیْ لَسْتُ بِمَلِکٍ یعنے میں کوئی (دنیا کا) بادشاہ نہیں ہوں اِنَّمَا اَنَا ابْنُ امْرَأَۃٍ مِّنْ قُرَیْشٍ الحدیث یعنے"
سوائے اِسکے نہیں کہ میں تو ایک قریشی خاتون (آمنہؓ) کا بیٹا ہوں" (شفا فصل تواضعہ جلد اوّل ص۱۳۱ مطبوعہ مصر)

ساتویں حدیث حدیث مذکورہ بالاکے آگے قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا۔ کہ میں (ایکدفعہ) آنحضرتؐ"
کی معیّت میں بازار گیا۔ × × × × × تو وہ تولنے والا (دکاندار) کود کر اُٹھا کہ آنحضرتؐ کا ہاتھ (مبارک) چوم لے۔ آپ نے اپنا"
"ہاتھ کھینچ لیا۔ اور فرمایا کہ یہ (کام) عجمی لوگ اپنے بادشاہوں سے کیا کرتے ہیں اور میں تو (ویسا) بادشاہ نہیں ہوں اِنَّمَا اَنَا"
"رَجُلٌ مِّنْکُمْ یعنے سوائے اِسکے نہیں کہ میں تو تم ہی میں سے **ایک آدمی ہوں**" الحدیث (شفا بحوالہ مذکورہ بالا ص۱۳۱)

آٹھویں حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہماری نسبت آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت بھی زیادہ تھی۔ اور وہ آپ"
کی قدر بھی ہماری نسبت زیادہ پہچانتی تھیں۔ اور وہ آپ کے حالات و عادات بھی ہم سے زیادہ جانتی تھیں۔ اور سب سے زیادہ بڑھکر
یہ کہ آپ کی حقیقت و جنسیت کو کہ آپؐ کون ہیں اور کس جنس سے ہیں سب سے زیادہ جانتی تھیں۔ کیونکہ وہ آپؐ کی **زوجہ مطہرہ** تھیں۔
وہ فرماتی ہیں کہ :-

"رسولِ خدا (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اپنی جوتیاں خود ہی گانٹھ لیتے تھے۔ اور کپڑا بھی خود ہی ٹانک لیتے تھے۔ اور اپنے گھر"
"میں اُسی طرح کام کرتے تھے۔ جس طرح کہ تمہارا کوئی اپنے گھر میں کام کرتا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کَانَ بَشَرًا مِّنَ الْبَشَرِ"
"الحدیث بروایت ترمذیؒ (مشکوٰۃ ص۵۱۰) یعنے آنحضرتؐ جنس بنی آدم میں سے ایک آدمی تھے"

اِن آٹھوں احادیث سے صاف صاف عیاں ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مناسب موقع پر اپنی بشریّت و عبودیّت کا اظہار
کیا ہے۔ حتےٰ کہ ایمانیات میں اسے جزو ایمان قرار دیا ہے۔ عبادت (نماز) میں بھی اسے جزو لازم ٹھیرایا ہے۔ خطبہ میں۔ مجلس میں۔ مجمع میں۔ مسجد
میں، بازار میں۔ خلا میں۔ ملا میں۔ غرض ہر موقع پر اسکا اعلان کیا۔ وجہ صرف یہ تھی۔ کہ سابقہ اُمتوں کی گمراہی آپ کی نظر میں تھی
آپ کو بڑا بھاری اندیشہ تھا کہ میری امت بھی میری ذات کے متعلق سابقہ اُمتوں کی طرح گمراہی میں نہ پڑ جائے۔ لیکن باوجود اِن تصریحات
واعلانات کے آج ساڑھے تیرہ سو برس کے بعد اس مُلک ہندوستان و پنجاب میں ایک شخص ہندوؤں اور نصاریٰ کی ذہنیت لے کر یہ آواز
اُٹھاتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ جنس البشر سے نہیں تھے۔ اور جو کوئی آپ کو بشر جانے اور کہے وہ معاذ اللہ کافر ہے۔ "اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹے"
کفر کا کلمہ کہیں خود اور کافر ہو جائیں قرآن و حدیث کے تابعدار۔ سبحان اللہ! چہ خوش!

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تغیرات زمانہ کے متعلق یعنے اِس امّت مرحومہ میں سے بعض کا گذشتہ امّتوں کے نقشِ قدم پر چلنا اور یہود و نصاریٰ کی روش کی پیروی کرنا[1]۔ اور مسلمانوں میں سے بعض کا مشرکین سے ملجانا اور ایک جماعت کا بُت پرستی بھی کرنے لگ جانا[2]۔ جو کچھ فرمایا تھا وہ سب اپنے وقت پر پورا ہو رہا ہے۔

جس قسم کا اعتقاد ہندوؤں نے کرشن بھگوان کے متعلق اور عیسائیوں نے حضرت عیسٰےؑ کے متعلق تراشا تھا۔ اور اُسے کرشن جی اور حضرت عیسٰےؑ کی تعظیم و محبت قرار دیا تھا۔ اُسی قسم کا اعتقاد اب اِس امّتِ مرحومہ میں بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق پیدا کیا جا رہا ہے۔ اور جو روِش اُنکے غلط رَو علما اور نفس پرور مشائخ و فقرا نے عوام کی ذہنیت کے بگاڑنے اور غلط طریقِ استدلال سے انکو مشرکانہ اُلجھنوں میں پھنسائے رکھنے میں اختیار کی تھی، وہی روِش اِس زمانہ کے غلط رَو علماء اور نفس پرور مشائخ و فقراء نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت و تعظیم کے نام پر اختیار کرلی ہے۔ اور حنفی۔ سُنّی۔ مجدّدی کہلاتے ہوئے غلط طریقِ استدلال اور عامیانہ اوہام سے عوام کی ذہنیت کو بگاڑ دیا ہے۔ اور غضب تو یہ ہے۔ کہ اِس مغالطہ کو صحیح کرنے کے لئے قرآن شریف کے الفاظ کے معانی کے تبدیل کرنے سے بھی خوف نہیں کیا۔ چنانچہ اِس آیت قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کے معنے خلافِ لغتِ عرب، خلافِ مرادِ الٰہی۔ خلافِ دینِ انبیاء ؑ اور خلافِ تصریحاتِ ائمہ دین یہ کئے جا رہے ہیں:۔

"کہ تو (اے پیغمبر! ؐ) کہ تحقیق نہیں ہوں میں بشر مثل تمہاری"

معاذ اللہ، توبہ، استغفر اللہ، گویا اِنَّمَا کے معنے ہیں "تحقیق نہیں" یعنے مَا نے یہاں پر نفی کا کام دیا۔ حالانکہ لفظ اِنَّ حرف نفی پر نہیں آسکتا۔ اور جب اِنَّ وغیرہ حروفِ مشبّہ بالفعل کے ساتھ کلمہ مَا آتا ہے تو وہ نفی کا نہیں ہوتا۔ بلکہ زائدہ ہوتا ہے۔ اور اُسکے معنے کچھ نہیں ہوتے۔ اور اِنَّ وغیرہ کو اُنکے عمل نصب سے روک دیتا ہے۔ چنانچہ صُراح میں ہے:۔

وَمَا زائدہ و اور معنے نیست و آں بر دُو وجہ آید کَافَّہ یعنے مانع از عمل کقولہ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (بحث مَا۔ جلد ۲۔ صفحہ ۵۳۶)	اور مَا زائدہ بھی ہوتا ہے۔ اور اُسکے معنے کچھ بھی نہیں ہوتے، اور وہ دو وجہ پر ہوتا ہے۔ کافہ یعنے عمل سے روکنے والا۔ جیسے خدا تعالےٰ کا قول ہے۔ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ یعنی سوا اِسکے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود اکیلا ہے۔

اِسی طرح فخرِ سیالکوٹ بلکہ فخرِ ہندوستان مولانا مولوی عبد الحکیم صاحب فاضل سیالکوٹی تکملہ عبد الغفور میں فرماتے ہیں:۔

وَمَا الْكَافَّةُ قِسْمٌ مِّنَ الزَّائِدَةِ (صفحہ ۴۹۸) یعنے مَا کافہ زائدہ کی ایک قسم ہے۔ اِسی طرح دیگر کتبِ نحو و لغت و بلاغت میں بالتصریح مذکور ہے۔

علاوہ اِسکے جملہ مسلّم کُل مترجمین فارسی و اردو نے اِسکے معنے وہی کئے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ کسی نے بھی اِس غالی نئے فرقے کے موافق نہیں کئے۔ چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحؒ اِس کا ترجمہ یوں کرتے ہیں۔ "بگو جز ایں نیست کہ من آدمی ام مانندِ شما" اور حضرت شاہ رفیع الدین صاحب یوں کرتے ہیں۔ "کہ سوائے اِسکے نہیں کہ میں آدمی ہوں مانند تمہاری"

علاوہ اِسکے تمام اہل لغت و اہل تفسیر اِنَّمَا (مرکب) کو حصر کے لئے لکھتے ہیں یعنے یہ کلمہ اثبات کا فائدہ دیتا ہے۔ کہ حقیقتِ امر اِس سے باہر نہیں ہے جو اِسکے بعد ذکر کی گئی ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے:۔

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۴۵۸ بروایت صحیحین ۱۲ منہ، [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۶۵ بروایت ابی داؤد و ترمذی رحؒ ۱۲ منہ

وَالْمَفْتُوحَۃُ فَرْعٌ عَنِ الْمَكْسُوْرَۃِ فَصَحَّ اَنَّ اَنَّمَا تُفِیْدُ الْحَصْرَ كَاِنَّمَا وَاجْتَمَعَتَا فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی اِنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰھُكُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (انبیاء پ ۱۷) (قاموس جلد اول ص ۔۔ مطبوعہ مصر)	اور اَنَّ مفتوحہ اِنَّ مکسورہ ہی کی شاخ ہے۔ پس ثابت ہوگیا کہ اَنَّمَا (مفتوحہ) حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ مثل اِنَّمَا (مکسورہ) کے اور یہ دونوں خدا تعالےٰ کے اس قول میں جمع ہیں۔ قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰی اِلَیَّ یعنے سوائے اسکے نہیں کہ میری طرف یہی وحی کیا جاتا ہے کہ تمہارا معبود برحق ...

اسی طرح امام رازی رح سورتِ کہف کی خاص اسی آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں:۔

وَالْاٰیَۃُ تَدُلُّ عَلٰی مَطْلُوْبَیْنِ (الْاَوَّلُ) اَنَّ كَلِمَۃَ اِنَّمَا تُفِیْدُ الْحَصْرَ (تفسیر کبیر جلد ۵ ص ۵۳۲)	یہ آیت دو امروں پر دلالت کرتی ہے۔ اوّل یہ کہ کلمہ اِنَّمَا حصر کا فائدہ دیتا ہے کو

پس بموجب تصریحاتِ ائمہ لغت و ائمہ تفسیر کے حاصل اس آیت قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کا یہ ہوا کہ اے پیغمبرؐ ان سے کہدو کہ میری حقیقت اور میری ذات اس سے باہر نہیں کہ مَیں مثل تمہاری ایک بشر (آدمی) ہُوں۔ باقی رہی میری نبوت سو وہ بشریت کے منافی نہیں۔ بلکہ وہ اسی میں داخل ہے۔ کیونکہ خدا تعالےٰ ہمیشہ آدمیوں ہی کو نبی بناکر بھیجتا رہا ہے جیسا کہ فرمایا:۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ (الآیہ انبیاء پ ۱۷)	اور نہیں رسول بنایا ہمنے تجھ سے پہلے (اے پیغمبر) مگر مردوں کو حکم ...

رَدِّ مُغالطات

اِن غالی حنفیوں کے بعض ناقص العلم واعظین جہلا کو بہکانے کے لئے اپنے وعظوں میں کہا کرتے ہیں۔ کہ قرآن شریف میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بشر کہنے سے آدمی کافر ہوجاتا ہے۔ چنانچہ خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّھْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا (سورت تغابن پ ۲۸) یعنے کہا اُن کفار نے آیا بشر ہمکو ہدایت کرتے ہیں۔ پس وہ کافر ہوگئے۔ یعنے رسولوں کو بشر کہنے کی وجہ سے وہ لوگ عنداللہ کافر بنگئے گم۔

اِس کا جواب دو طرح پر ہے۔ اوّل اسطرح کہ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر کے انبیاء علیہم السلام اور اُنکی قوموں کے متعلق حکایۃً مذکور ہوئی ہے۔ اگر اِس آیت سے خدا تعالےٰ کی مُراد یہی ہے جو یہ مغالطہ دینے والے کہتے ہیں تو اسکا نتیجہ لازماً یہ ماننا پڑیگا کہ سب انبیاء جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیشتر ہوئے بشر اور اولاد آدمؑ سے نہیں تھے۔ حالانکہ یہ خلاف قرآن و حدیث اور سراسر باطل ہے۔ اور کوئی بھی اس کا قائل نہیں ہے۔ پھر تو عیسائی بھی کہینگے کہ حضرت عیسےٰ کو بشر نہ کہو، پھر آپ کیا کرینگے؟

دوم یہ کہ اِس طرح اس آیت کے یہ معنے بالکل غلط اور خلافِ تصریحاتِ مفسرین ہیں۔ اور قرآن شریف کی **تحریف معنوی** ہے کیونکہ پوری آیت کو سامنے رکھکر اور اس سے پہلی آیت کو ساتھ ملاکر اور دیگر آیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا صحیح مفہوم یہ ہے۔ کہ جب انبیاء علیہم السلام نے (اپنے اپنے وقت میں اپنی قوم کو **تبلیغ رسالت** کی تو اُن قوموں نے تعجب و انکار کی راہ سے کہا کیا یہ لوگ بشر ہوکر ہمارے ہادی بنتے ہیں؟ پس اسوجہ سے انہوں نے اُن رسولوں کی رسالت سے **انکار** کردیا۔ اور اُن سے مُنہ موڑ لیا۔ چنانچہ پوری آیت مع پہلی آیت کے یُوں ہے:۔

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝ (تغابن پ ۲۸)

کیا نہیں آئی تمکو خبر اُن لوگوں کی جنھوں نے کفر کیا اِن سے پہلے۔ پس چکھا انہوں نے وبال اپنے کام کا اور اُنکے لئے (آخرت میں بھی) دُکھ والا عذاب ہے۔ یہ اس سبب سے ہُوا کہ اُنکے پاس اُنکے پیغمبر لائے تھے روشن دلائل پس کہا انہوں نے کیا بشر راہ دکھلاتے ہیں ہمکو؟ پس انہوں نے انکار کر دیا اور مُنہ موڑ لیا اور خدا نے بھی اُن سے بے پرواہی کا سلوک کیا۔ اور اللہ (بے پرواہ) اور حمد والا ہے۔

اِس آیت کے آگے پیچھے کو ملانے سے صاف واضح ہوگیا۔ کہ اِن سب قوموں نے حسب دستور اپنے اپنے وقت کے رسُولوں کی رسالت سے اسلیئے اِنکار کیا کہ وہ بشر (آدمی) کیلئے خُدا کی رسالت جائز نہیں جانتے تھے۔

علاوہ اِسکے ہم **حنفی مفسرین** کی تصریحات سے دکھلاتے ہیں کہ سب نے خُدا کے فضل سے اِس آیت کی تفسیر ہمارے ہی موافق کی ہے۔ اور کسی نے بھی اِن نام کے حنفی غالیوں کے موافق نہیں کی چنانچہ **علامہ نسفی** رح جنپر حنفیوں کے نزدیک اجتہاد فی المذہب ختم شُدہ سمجھا جاتا ہے۔ **تفسیر مدارک** میں فرماتے ہیں:۔

(فَقَالُوْۤا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا) انکروا الرسالة للبشر ولم ینکروا العبادة للحجر (فَكَفَرُوْا) بالرسل (مدارک جلد ۴ صـ ۲۶۵ برحاشیہ خازن)

(پس کہا اُنہوں نے کیا بشر ہدایت کرتے ہیں ہمکو؟ انہوں نے بشر کی رسالت سے تو انکار کیا لیکن پتھروں کی عبادت سے انکار نہ کیا۔ پس اُنہوں نے پیغمبروں کا اِنکار کر دیا)

اِسیطرح **علامہ ابو السعود** حنفی رح جنکی عربیّت پر حنفیوں کو فخر کرنا چاہئے۔ آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں:۔

(اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا) ای قال کل قوم من المذکورین فی حق رسولهم الذی اتٰهم بالمعجزات منکرین لکون الرسول من جنس البشر متعجبین من ذالك اَبَشَرٌ یَّهْدِیْنَا کما قالت ثمود اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗ وقد اجمل فی الحکایة فاسند القول الی جمیع الاقوام واُرید بالبشر الجنس فوصف بالجمع کما اجمل الخطاب والامر فی قوله تعالٰی یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (فَكَفَرُوْا) ای بالرسل جلد ششم صـ ۵ برحاشیہ تفسیر کبیر)

("کیا بشر ہمکو ہدایت کرتے ہیں؟" یعنے مذکورہ اقوام میں سے ہر قوم نے اپنے اُس رسول کے حق میں جو اُنکے پاس معجزات لیکر آیا اُس رسول کے **جنس بشر** سے ہونے کی وجہ سے منکر ہوکر تعجب سے کہا، "وہ کیا ہمکو بشر ہدایت کرتا ہے۔؟" جسطرح کہ قوم ثمود نے کہا تھا۔ کیا ہم اپنے میں سے ایک بشر کی پیروی کریں؟ اور اس حکایت کو مجملاً ذکر کیا اور اِس قول کو سب اقوام کی طرف نسبت کیا اور بشر سے مراد جنس بشر ہے پس جمع کے لفظ سے ذکر کیا۔ جس طرح کہ امر اور خطاب کو اس آیت میں بھی بالاجمال ذکر کیا۔ "اے تمام پیغمبرو! حلال اور طیب کھاؤ۔ اور نیک کام کرو۔ پس اُن (کفار) نے انکار کیا۔ یعنے رسولوں (کی رسالت) سے۔)

اِن حوالجات سے صاف طور پر واضح ہوگیا کہ **حنفی مفسّرین** جن کا علمی تبحّر و قابلیت اور صلاحیتِ عقیدہ و عمل دُنیا جہان میں مُسلم ہے اِس آیت کی تفسیر اُسی طرح کرتے ہیں جسطرح **ہم اہلحدیث** کرتے ہیں؛

دوسرا مغالطہ جب یہ غالی لوگ قرآن و حدیث اور ائمہ دین کی تصریحات سے ہر طرف سے گھر جاتے ہیں۔ تو یہ عُذر پیش کر دیتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کا حق ہے کہ کسی کو بشر بھی کہے اور عبد بھی کہے، اور آنحضرت صلعم بھی اپنے آپ کو بطور تواضع عبد اور بشر کہہ سکتے ہیں لیکن ہمکو ادب چاہیئے۔ جس طرح کہ کوئی شخص ہر چند کہ کتنا ہی معزز و عہدہ دار ہو جائے لیکن اُسکا باپ اُسکو اُسکے نام سے پُکار سکتا ہے۔ اور وہ خود بھی دریافت کرنے پر اپنا نام ہی بتاتا ہے لیکن اُسکے ماتحت اور اُسکی اولاد اُس کو نام سے نہیں بلکہ رشتے یا عہدے یا لقب سے پکاریں؛

اِس کا جواب یہ ہے کہ **اِعتقاد** کہتے ہیں دِل میں کسی بات کی راستی کے جاننے کو اور **شہادت** کہتے ہیں زبان سے اُس اعتقاد کا اقرار کرنے کو، اور حنفی مذہب کے عقائد کی سب کتابوں میں **ایمان** انہی دو باتوں کو کہا گیا ہے۔ یعنے دِل سے تصدیق کرنا اور زبان سے اُسکا اقرار کرنا۔ پس جب دِل میں مانتے ہیں اور اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت عبد ہیں اور جنس بشر سے ہیں تو جب تک آپ زبان سے بھی اسکی شہادت نہ دینگے۔ اور اِسکا اقرار نہ کرینگے۔ آپ کا **ایمان** کس طرح صحیح ثابت ہوگا۔ **دیگر** یہ کہ پھر تو آپ کو کلمۂ شہادت میں بھی عبدُہٗ نہ کہنا چاہیئے۔ کیونکہ اُسمیں بھی بے ادبی ہو جائیگی پس آپ کلمۂ شہادت کے اقرار سے بھی رہ جائینگے۔ اور نیز آپ کو کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نام پاک **محمدؐ** بھی نہ بولنا چاہیئے۔ کیونکہ نام لینے میں بھی بے ادبی ہو جائیگی۔ پس آپ پختہ . . . . . ہو جائینگے۔ صاحبِ من! غور کیجئے بے علمی کے مغالطات آپ کو کہاں سے کہاں تک پہنچاوینگے۔ پس خدارا اُن سب عقائد کو جو خدا اور رسولِ خدا صلعم نے فرمائے ہیں دل سے سچ مانکر اور زبان سے اُن کی شہادت دیکر اور اقرار کرکے اپنے ایمان کو صحیح کرلیں۔ قرآن و حدیث میں ایمان و عمل صالح کی تعلیم ہے نہ کہ بے ادبی کی، فافہم ولا تکن من المبتدعین؛[۵۲]

۲۰۸ یُوحٰی اِلَیَّ الخ جب پہلے جملہ میں بشریت میں لوگوں کے مثل اور ہم جنس ہونیکا ذکر کیا تو اب امتیاز کی وجہ بتانی بھی ضروری تھی، سو ساتھ ہی فرما دیا کہ اے پیغمبر! انکو یہ بھی سمجھا دو کہ میرا تمہارا امتیاز **صرف وحی خدا** میں ہے۔ کہ میری طرف خدا کی وحی آتی ہے۔ جس کے رُو سے تم کو حکم ہے کہ تم میری اطاعت کرو۔ جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (النساء پ۵) یعنے نہیں بھیجا ہمنے کوئی رسول مگر اسلئے کہ اُسکی اطاعت کی جائے ہمارے حکم سے، **نیز** فرمایا مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (النساء پ۵) یعنے جو فرمانبرداری کریگا اِس رسول (صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی پس تحقیق اُس نے فرمانبرداری کی خدا کی؛

۲۰۹ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ اسجگہ حصر کا مطلب یہ ہے۔ کہ سب سے بڑا اور اہم مسئلہ جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے وہ یہ ہے۔ کہ تمہارا معبود برحق صرف خدائے یگانہ ہے۔ کوئی اُسکا شریک نہیں ہے۔ پس دین اسلام کی بُنیاد یہی مسئلہ **توحید** ہے؛

---

[۵۲] ہمنے حال ہی میں پیغمبروں کی بشریت کے متعلق ایک مفصّل رسالہ طبع کرایا ہے۔ جس میں رسولوں کو جنس بشر میں سے مبعوث کرنے کی حکمت اور کفار کے جملہ شبہات اور اِس غالی فرقہ بریلوی کے جملہ مغالطات کی تردید نہایت احسن طریق پر کی گئی ہے۔ اِس سے قبل اِس مضمون میں ایسا رسالہ کوئی نہیں دیکھا گیا۔ قیمت مع محصولڈاک (۸؍) پیشگی بھیجنے سے دفتر اہلحدیث امرتسر سے یا دفتر تبلیغِ سنت شہر سیالکوٹ سے مجھ عاجز کو خط لکھنے سے دستیاب ہو سکتا ہے۔ **محمد ابراہیم میر۔ محلہ میانہ پورہ شہر سیالکوٹ** پنجاب، ۱۲ منہ؛

۲۱۰ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْ لِقَآءَ رَبِّهٖ ، رجا کے معنے لغت میں اُمید بھی ہیں ، اور خوف بھی ، پس معنے یہ ہوئے کہ جو کوئی خدا کے دیدار کی اُمید رکھتا ہو اُسکے لئے ضروری ہے کہ وہ نیک کام کرے ۔ چنانچہ اِسکے بعد فرمایا ۔ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا یا یہ کہ جو کوئی خدا کی حاضری وملاقات کا خوف رکھتا ہو ۔ وہ بھی نیک کام کرے ۔ الخ

۲۱۱ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا ، رجا کے معنے امید اور لقاء کے معنے دیدارِ الٰہی کے لئے جائیں تو بھی اور رجا کے معنے خوف اور لقاء سے مراد خدا کے سامنے پرسشِ اعمال کیلئے حاضر ہونا لئے جائیں تو بھی ، عمل صالح کی ہر حالت میں ضرورت ہے دیدارِ الٰہی کی اُمید پر قابلیت وصلاحیت حاصل کرنے اور خوف اور حاضری کے وقت نجات حاصل کرنے کے لئے اعمالِ صالحہ کی ضرورت ہے ۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا اَنْ نَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ ،

۲۱۲ وَلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔ عمل صالح کی قبولیت کیلئے ضروری ہے ۔ کہ وہ عمل شرک سے پاک ہو ۔ شرک دو طرح پر ہے ۔ اوّل شرکِ **جلی** ۔ جیسے بُت پرست ۔ گور پرست اور جملہ غیر اللہ پرست کرتے ہیں ۔ دوم ۔ شرکِ **خفی** جسے **ریاکاری** کہتے ہیں ۔ حدیث میں اِسے بھی شرک کہا گیا ہے ۔ چنانچہ تفسیر ابن کثیر وغیرہ میں اِس آیت کی تفسیر میں کئی ایک احادیث مع اسناد مرقوم ہیں ۔ بعض صحیحین کی ہیں اور بعض دیگر کتب کی ۔ اور بعض میں اِس آیت کا حوالہ بھی ہے ۔ ریاکاری کی مذمت کی احادیث ذیل میں مطالعہ فرمائیں :۔

(۱) حضرت ابوہریرہ رضہ کہتے ہیں ۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

اَنَا اَغْنَى الشُّرَكَآءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِيْهِ مَعِيَ غَيْرِيْ تَرَكْتُهٗ وَشِرْكَهٗ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِيْٓءٌ هُوَ لِلَّذِيْ عَمِلَهٗ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ ص۴۵۶)

خدا تعالےٰ فرماتا ہے ۔ "مَیں شرک سے سب شریکوں سے بڑھکر غنی ہوں ۔ "پس" جو کوئی ایسا عمل کرے جسمیں وہ میرے غیر کو میرے ساتھ شریک بنا تو میں اُس شخص کو بھی اور اُسکے شرک کو بھی ترک کر دیتا ہوں اور ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ میں اُس سے بری ہوں وہ عمل اُسکے لئے ہوگا جس کے لئے اُس نے کیا ۔"

(۲) اسیطرح حضرت جندب رضہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ۔ کہ :۔

مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ وَمَنْ يُّرَائِيْ يُرَائِي اللّٰهُ بِهٖ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوٰۃ ص۴۵۴)

جو کوئی لوگوں کو سنانے کے لئے عمل کرتا ہے ۔ خدا اُسکا مخفی حال لوگوں کو سنا دیتا ہے اور جو کوئی ریا کیلئے کرتا ہے خدا اُسکی ریاکاری ظاہر کر دیتا ہے

(۳) اسیطرح حضرت ابوسعید بن ابی فضالہ انصاری رضہ سے روایت ہے ۔ کہ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا :۔

اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ نَادٰى مُنَادٍ مَنْ كَانَ اَشْرَكَ فِيْ عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْيَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَى الشُّرَكَآءِ

جب اللہ تعالےٰ قیامت کے دن جس میں ہرگز شک نہیں سب لوگوں کو جمع کرے گا ۔ تو ایک ندا کرنے والا ندا کرے گا ۔ کہ جس کسی نے کوئی ایسا عمل کیا ہو جس میں اُس نے خدا تعالےٰ کے لئے کسی کو شریک ٹھیرایا ہو پس وہ اُسکا ثواب اُس غیر اللہ سے طلب کرے کیونکہ

عَنِ الشِّرْكِ رواه احمد (مشکوٰۃ ص۴۵۵) اللہ تعالیٰ شرک سے سب شریکوں سے بڑھکر غنی ہے۔

یہ احادیث اُس شخص کے حق میں ہیں۔ جو کسی نیک کام میں ریاکاری کی نیت کرے۔ اور اگر کوئی شخص کوئی کام اپنی نیت میں تو محض خدا کی رضا کے لئے کرتا ہے۔ لیکن لوگ اُسکی تعریف کرتے ہیں۔ یا اُس نیک کام پر اُس سے محبت کرتے ہیں۔ تو وہ شخص اِن احادیث کے مضمون سے مستثنیٰ ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذر رضؓ کہتے ہیں کہ:۔

قِيلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَءَيْتَ الرَّجُلَ يَعْمَلُ الْعَمَلَ مِنَ الْخَيْرِ وَيَحْمَدُهُ النَّاسُ عَلَيْهِ وَفِي رِوَايَةٍ وَيُحِبُّهُ النَّاسُ عَلَيْهِ قَالَ تِلْكَ عَاجِلُ بُشْرَى الْمُؤْمِنِ رَوَاهُ مُسْلِمٌ (مشکوٰۃ ص۴۵۶) یعنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضور بافرمایئے، کہ کوئی شخص نیکی کا کام کرتا ہے اور لوگ اُسکی تعریف کرتے ہیں اور (ایک روایت میں یوں آیا ہے کہ) لوگ اُسے اُس کام کی وجہ سے محبت کرتے ہیں۔ (اُسکا کیا حکم ہے) آپ نے فرمایا کہ یہ (تعریف و محبت) مومن کیلئے بشریٰ عاجلہ یعنے دُنیا میں بشارت ہے،

پس اِس آیت کا حاصل ومفہوم یہ ہوا کہ:۔

"جو شخص خُدا کے غضب سے بچنے اور اُسکے دیدار کے حاصل کرنے کی اُمید رکھنا چاہے اُسکے لئے ضروری ہے۔ کہ وہ"

"اللہ تعالیٰ کو اعتقاداً وعملاً واحد معبود کر ماننے اور محمد (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ جانے"

"اور شرک ظاہری اور باطنی (ریاکاری) کے بغیر اعمال صالحہ بجلائے۔ پس دین اسلام کا خلاصہ یہی ہے۔ اور اِسی پر" خدا تعالیٰ نے اِس سورت کو ختم کیا ہے؛ تَمَّ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا،

ص۲۱۳ خاص اِس آخری آیت کے فضائل

ساری سورت کہف یا اُسکی ابتدائی دس آیتوں کے فضائل وخواص شروع کتاب میں دیباچہ کے ص۳ پر گذر چکے ہیں۔ لیکن خاص اِس آخری آیت کی فضیلت بھی حدیث میں وارد ہوئی ہے۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان وغیرہ میں طبرانی وغیرہ سے نقل کیا کہ

"رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ اگر میری اُمت پر سورت کہف کے"

"خاتمہ کے سوا کچھ بھی نازل نہ ہوتا تو یہی اُن کے لئے کافی تھا"

یعنے توحید ونبوت کا اقرار وشہادت جملہ صحیح اعتقادوں کی جڑھ ہے اور نیک اعمال میں خلوص نیت عملوں کی جان ہے۔ اور خدا کی حاضری اور اُس سے ثواب کی اُمید میں روز قیامت اور جزا و سزا پر ایمان ہے۔ پس جملہ اعتقادات واعمال اُصولی طور پر اِس آیت میں جمع ہیں۔ باقی سارا قرآن اِسی کی تفصیل وتشریح ہے۔

نیز امام اسحاق بن راہویہؒ اور حافظ بزارؒ اور امام حاکمؒ نے بروایت حضرت عمر رضؓ نقل کیا اور حاکم نے اسے صحیح کہا کہ:۔

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جسنے رات کو مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاۗءَ رَبِّهٖ پڑھی اُسکے لئے عدن ابین سے مکہ شریف تک لمبا نور ہوگا۔ کہ درمیانی فاصلہ فرشتوں سے پُر ہوگا"

ص۱ عدن (بالتحریک) ابین بروزن ابیض، یمن میں ساحل سمندر پر ایک پُرانا شہر ہے۔ جہاں ابین حمیری نے اقامت کی تھی پس اس وجہ سے اسکا نام عدن ابین پڑ گیا (قاموس ولسان العرب زیر لفظ عدان) ۱۲ منہ

خاتمۂ سورتِ کہف

قرآن شریف کی لمبی سورتوں کے آخری رکوع میں عموماً اُس سورت کے اہم مضامین کا خلاصہ اور ایمان و ایمانیات اور حسابِ قیامت، اور بندوں کے انجامِ جنت و دوزخ کا ذکر ہوتا ہے۔ دیکھو خاتمہ سورۂ بقرہ پ۳ اور خاتمہ سورتِ آل عمران پ۴ اور خاتمہ سورۂ نساء پ۶، اور خاتمہ سورۂ مائدہ پ۷ اور خاتمہ سورہ انعام پ۸ اور یہ امر حُسنِ سلسلہ اور حسنِ بیان میں سے ہے۔ سو اسی کے مطابق سورۂ کہف کا خاتمہ سمجھ لیجئے۔

شروع سورت میں قرآن شریف کے نازل کرنے کی وجہ یہ بیان کی:۔ لِيُنْذِرَ بَأْسًا شَدِيدًا مِّن لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِينَ الَّذِينَ يَعْمَلُونَ الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُمْ أَجْرًا حَسَنًا۔ پھر فرمایا:۔ وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا، اور پھر فرمایا هَٰؤُلَاءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ آلِهَةً۔ بعد ازاں یہی مضامین مع اپنے ضمنی متعلقات بشارت و نذارت اور تمثیلات اور شرحِ احوالِ ضعفائے مؤمنین صالحین اور اُن کے مقابلہ میں ظالم و متکبر نافرمان منکرین کے انجامِ بد کی تفصیلات کے مسلسل آرہے ہیں۔ جیسا کہ آپ پر روزِ روشن کی طرح واضح ہوچکا ہے۔ پس ان سب کے بعد اخیر کے اس رکوع میں **توحیدِ الٰہی** کے اعتقاد، اور رسولِ برحق پر ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ کرنے پر جنت الفردوس کی بشارت، اور شرک و کفر اور تکذیب و نافرمانی پر دوزخ کی نذارت اور قرآن شریف کی نامتناہی برکات کا بیان نہایت ہی موزون و احسن ہے۔ اور پھر خود **پیغمبرِ اسلام** صلے اللہ علیہ وسلم کی اپنی زبان مبارک سے یہ اقرار کروانا "کہ اے پیغمبر! تم صاف صاف کہدو کہ میں بھی تم جیسا ایک بشر (آدمی) ہوں، معبود نہیں ہوں۔ مجھ میں اور تم میں فرق صرف یہ ہے۔ کہ میں خدا کا بندہ ہو کر جملہ خصوصیاتِ رسالت کے ساتھ خُدا کا رسُول بھی ہوں، میری طرف خدا کی وحی آتی ہے۔ جس کا بنیادی مسئلہ **توحیدِ الٰہی** ہے جسکی طرف میں تمکو بلاتا ہوں۔ اِس اقرار کرانے کی ضرورت یہ تھی۔ کہ عیسائیوں نے عیسےٰؑ کو، یہودیوں نے عُزیرؑ کو، ہندوؤں نے رام جی اور کرشن جی کو۔ اور بدھوں نے گوتم بدھ کو خدائی تک پہنچا دیا۔ مشرکینِ عرب نے بھی خانہ کعبہ میں مع دیگر بتوں کے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السّلام کی تصویریں رکھی ہوئی تھیں (صحیح بخاری ذکر فتح مکہ و دخولِ خانہ کعبہ مع شروح صحیح بخاری۔

پس نہایت ضروری تھا۔ کہ آنحضرتؐ کی زبان مبارک سے بشریّت و عبودیت کا اقرار کرا کر ہمیشہ کے لئے شرک کی جڑھ بنیاد اکھاڑ دی جائے۔ اور اسی لئے آنحضرتؐ نے اپنی عبودیّت کے اقرار کو کلمۂ شہادت کی جزوِ لاینفک بنا دیا۔ اور پھر اُسے نماز میں اُسکے خاتمہ کے قریب کے حصّہ (قعدہ) میں لازمی طور پر مقرر فرمادیا۔ کہ ہر ایک نمازی التحیّات میں کلمہ شہادت اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کہا کرے۔ تاکہ آپ کی اُمّت سابقہ اُمّتوں والی گمراہی سے بچی رہے۔

اِس سے اِس زمانہ حال کے جملہ مشرکین (بُت پرستوں۔ قبر پرستوں۔ پیر پرستوں۔ تعزیہ پرستوں۔ جنّات پرستوں۔ دیوی دیوتا پرستوں۔ انبیاء پرستوں۔ اولیاء پرستوں۔ ملائکہ پرستوں۔ غرض جملہ غیر اللہ پرستوں کو نصیحت حاصل کرنا چاہیئے۔ اور خالصاً اکیلے خُدا کی عبادت کرنا چاہیئے۔ اور اس میں کسی طرح کا شرک اعتقادی یا عملی، قلبی یا بدنی۔ مالی یا زبانی ہرگز ہرگز نہیں کرنا چاہیئے چنانچہ اِس سُورت کا خاتمہ اِن الفاظ پر کیا ہے:-

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۱۱۰

سُبحان اللہ ساری سُورت میں شروع سے آخیر تک مضامین کا سلسلہ کیسی اچھی ترتیب سے بیان ہُوا ہے۔ سُورت کو سارے دین کے خُلاصہ اور نچوڑ یعنے توحید و رسالت کی شہادت پر ختم کر دیا۔ گویا خاتمہ اس بات پر ہے:-

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

خداوندا! تو ہمکو حُسنِ خاتمہ نصیب کر، دُنیا میں زندہ رہیں تو اسی کلمۂ شہادت پر قائم رہیں اور جب مریں تو اسی کلمۂ شہادت پر مریں، آمین،

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ! ثُمَّ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہ اُسکی توفیق سے آج یکم محرم ۱۳۵۹ھ کو مطابق ۱۰ فروری بعد از نمازِ اشراق یہ **تفسیر ختم ہُوئی۔**

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی نَبِیِّہٖ وَصَفِیِّہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَخُدَّامِ دِیْنِہٖ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا

غلطنامہ طباعت

اِس غلطنامہ میں بعض اہم اغلاط ظاہر کی گئی ہیں باقی جو معمولی ہیں وہ ناظرین کے فہم رسا پر چھوڑ دی گئی ہیں۔

نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح	نمبر صفحہ	نمبر سطر	غلط	صحیح
۲۰	۶	واپس کردیا	واقف کردیا	۳۸	۱۴	وَاِنْ یَّوْمًا	وَاِنْ یَّرَوْا	۶	۲۵	مُنْذِرکہ	یُنْذِرکہ
۲۸	۱	اَکھا	اَکھا		۱۵	سَبِیْلَ الْغَیِّ	سَبِیْلَ الرُّشْدِ	۵۹	۱	کرآپ	ہو آپ
۲۹	۸	تمہارے	چلاجائے				لَا یَتَّخِذُوْہُ سَبِیْلًا			ذٰذٰا نَہُمْ	وَرَاءَ ھُمْ
۳۱	۱	الارضِ	الارضِ				وَاِنْ یَّرَوْا سَبِیْلَ	۱۱	۳	یَاخُذُ	یَاْخُذُ
۳۱	۹	دوصورتیں	دوصورتیں				الْغَیِّ				
۳۳	۱۴	خیاتوں	خاتوں	۳۹	۱	یَسْتَغْفِرُدا	یَسْتَغْفِرُوْا				
۳۷	۱	شرکائی	شرکاءی	۴۲	۵	فِی النَّارِ	مِنَ النَّارِ				
۶	۳	مُوْبِقًا	مَّوْبِقًا	۵۸	۲۰	تجویں	تجویزیں				

تَمَّتْ

العبد الحقیر الناسوتی، **محمد ابراھیم میر** السیالکوٹی عفی عنہ،